عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

حکیم الاُمّت مجدد الملت حضرت مولانا مُحَمّد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

13

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الاُمّت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اِس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و آدب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
مُلتان

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار، اور معرکہ آراء کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب اُردو شرح

کلیدِ مثنوی

از:

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ

جلد ۱۳

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ، ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت ؒ نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنیوالی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی۔

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ • مُلتان

ربع اول از دفتر رابع

قال تعالیٰ کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم آیاتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتٰب والحکمة ویعلمکم ما لم تکونوا تعلمون

چوں در کریمہ صدر قولہ یتلوا و یعلمکم الکتاب بر فضل علم نظم بمعنی و قولہ یزکیکم بر شرف علم کلام و عقائد و علم سلوک و قولہ الحکمة بر مزیت علم اسرار و علم اصول و آل را تصریح بیان ست و ازاں جزو دوم تصوف کہ مشتمل بر سلوک و اسرار ست از علم دین نیک عیاں ست و باتفاق اہل مذاق مثنوی از کتب این فن خاص شان ست لاکن از اغلاقش محتاج تبیان ست بنا بر علیہ این شرح اردو کہ معنونش را

عنوان ست و این ربع اول از دفتر رابع از ان ست (با الفاظ و عبارت از مولوی) شبیر علی و مولوی حبیب احمد سلمہما اللہ کہ ہر یکے از ایشان برائے صاحب معانی یعنی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب دام ظلہم بمنزلہ لسان و ترجمان ست) در وصل متن را چناں حل کردہ کہ بنہایت امکان سنت و مسائل را بطورے تقریر نمودہ کہ ہم موافق تحقیق اہل اتقان و ہم مطابق حدیث و قرآن ست و اشکالات و اغلاط را بطرزے دور ساختہ کہ مورث اطمینان و امان ست و بجا بجا ملفوظات سیدنا الحاج محمد امداد اللہ رحمہ اللہ کہ مظہر آنیان و منشا ادیان ست ہم درو شرح مطابق شدہ

حسب فرمایش

محمد شبیر علی مالک اشرف المطابع تھانہ بھون ضلع مظفر نگر طبع شد

بقیہ ربع اول از دفتر رابع کلید مثنوی،عہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرح حبیبی

معالجہ کردن برادر دباغ۔ دباغ را خفیہ بوے سرگیں

خلق را می راند از وے آں جواں	تا علاجش را نہ بینند آں کساں
سر بگوشش برد ہمچو راز گو	پس نہاد آں چیزک بر بینی او
کو بکف سرگیں سگ سائیدہ بود	دارو مغز پلیداں دیدہ بود
چونکہ بوے آں حدث را در کشید	مغز زشتش بوی ناخوش را شنید
ساعتے شد مردہ جنبیدن گرفت	خلق گفتند ایں فسونے بد شگفت
کایں بخواند افسوں بگوشش او دمید	مردہ بود افسوں بفریادش رسید
جنبش اہل فساد آں سو بود	کہ زنا و غمزۂ و ابرو بود
ہر کرا مشک نصیحت سود نیست	جز بدیں بوے بدش بہبود نیست
مشرکاں را زاں نجس خواندہ ست حق	کاندروں پشک زادند از سبق
کرم کو زادست از سرگین ابد	می نگرداند بعنبر خوے خود

عہ دفتر رابع کے شروع سے یہاں تک رسالہ القاسم دیوبند میں شائع ہوا ہے ۱۲ مدیر

چون نزد بر وے نثار رش نور | او ہمہ جسم است نے جان چون قشور
وز زرش نور حق قسمیش داد | ہا ہچو رسم مصر سرگین مرغ زاد
لیک نے مرغ خسیس خانگی | بلکہ مرغ دانش و فرزانگی
تو بداں مانی کزاں نوری تہی | زانکہ بینی بر پلیدے می نہی
از فراقت زرد شد رخسار ورو | برگ زردی میوۂ ناپختہ تو
دیگ ز آتش شد سیاہ و دود خام | گوشت از سختی چنیں ماندست خام
ہشت سالت جوش دادم از فراق | کم نشد یک ذرہ خامیت از نفاق
خامی و ہرگز نخواہی پخت تو | گو ہزاراں بار جوشی از عتو
غورۂ تو سنگ بستہ از سقام | غورہا اکنوں مویزند و تو خام

ہاں تو وہ شخص لوگوں کو ہٹاتا تھا تاکہ وہ لوگ اُسکے علاج کو نہ دیکھیں جب ہٹا چکا۔ تو اُسکے کان سے یوں منہ ملایا جیسے کوئی راز کہتا ہو اور اس طرح وہ گوہ اسکی ناک سے لگا دیا۔ کیونکہ اس نے ہاتھ سے کتے کا گوہ ملا تھا جسمیں اُسکی بو آگئی تھی۔ اور ملا تھا اسلئے۔ کہ اسکو علم تھا کہ گندے دماغ والوں کا علاج یہ ہی ہے۔ بس جبکہ اُس نے گوہ کی بو پہنچی۔ تو اسکے بُرے دماغ نے اُس بدبو کو سونگھا۔ تھوڑی دیر میں اس مردہ نے حرکت شروع کی۔ لوگوں کو اس سے نہایت تعجب ہوا۔ اور انھوں نے کہا۔ کہ یہ تو عجیب منتر تھا۔ کہ اُس نے وہ منتر پڑھ کر اسکے کان میں پھونکا پس حالانکہ وہ مردہ تھا۔ مگر منتر نے اُسکی فریاد سن لی۔ اور اسے جلا دیا۔ پس اس سے تم سمجھو۔ کہ خراب لوگوں کی حرکت بھی اسی طرح کی ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ناز و غمزہ اور ابرو سے ہوتی ہے جو کہ مذموم ہیں۔ اور جسکو مشک نصیحت مفید نہیں ہوتا۔ اُسکو بجز بوے بد معاصی کے فائدہ نہیں ہوتا نیز مشرکین کو حق سبحانہ نے اس لئے نجس کہا ہے کہ وہ پیشتر ہی سے گندگی کفر میں پیدا ہوے ہیں اور اسی سے مانوس ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے۔ کہ وہ عنبر ہدایت کے خوگر نہیں ہوتے کیونکہ جو کیڑا گوبر میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ کبھی عنبر کا عادی نہیں ہوتا۔ چونکہ انپر اس نور کی چھینٹ

نہیں پڑی۔ جو کہ ابتدائے خلقت میں مخلوق پر چھڑکا گیا تھا۔ اسلئے وہ سراسر جسم ہیں اور ان میں جان بالکل نہیں (جان کی نفی اس لئے کی گئی ہے۔ کہ وہ اپنے مقتضیات سے خالی ہے پس گویا کہ وہ معدوم ہی ہے) لہذا ان کی ایسی مثال ہے جیسے چھلکے۔ کہ ان میں فضلہ ہی فضلہ ہوتا ہے۔ اور جوہر بالکل نہیں ہوتا۔ اور صورت ہی صورت ہوتی ہے معنی بالکل نہیں ہوتے ہاں اگر حق سبحانہ نے اُن کو نور کی چھینٹوں کا کوئی حصہ عطا کیا ہے تو وہ باوجود کفر میں پیدا ہونے کے ہدایت پاتے ہیں اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے اہل مصر کے رسم کی بنا پر گوبر سے مرغ پیدا ہو۔ (اہل مصر کا قاعدہ تھا۔ کہ انڈوں کو گوبر میں دبا دیتے تھے۔ اور کچھ خاص شرائط کے ساتھ۔ اسکی حرارت سے بچے نکل آتے تھے۔ اس رسم کی طرف اشارہ ہے) مگر گوبر سے تو ذلیل اور خانگی مرغ پیدا ہوتا ہے۔ یہ ویسے نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ دانش و فرزانگی کا مرغ یعنی ہدایت یافتہ انسان ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ کفر میں پیدا ہونے والے دو قسم کے ہیں۔ شقی ازلی اور سعید ازلی اشقیا کی ایسی مثال ہے جیسے جعل اور سعدا کی ایسی مثال ہے جیسے مرغ جو کہ مصر کی رسم کے مطابق گوبر میں پیدا ہوا ہو۔ یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سنو کہ معشوقہ اپنے عاشق سے کہتی ہے۔ کہ تو چونکہ نور ہدایت سے جو مخلوق پر ابتدا ر خلقت میں چھڑکا گیا تھا۔ خالی ہے کیونکہ میں دیکھتی ہوں۔ کہ تو گوہ پر ناک رکھتا ہے اور معاصی کی طرف میلان رکھتا ہے اور اسلئے تو اُس دبلغ کے مشابہ ہے۔ باوجودیکہ رنج فراق سے تیرے رخسار اور چہرہ سب زرد گئے ہیں۔ مگر ہنوز تو زرد پتے اور کچے میوے سے مشابہ ہے یعنی تجھ میں کمال کی استعداد ہی نہیں۔ یا ہے مگر ہنوز اسکا ظہور نہیں ہوا (زرد پتے سے اشارہ عدم استعداد کمال کی طرف ہے۔ کیونکہ جو پتا خزاں سے زرد ہو جاتا ہے۔ پھر ہرا نہیں ہوتا۔ اور میوۂ ناپختہ سے عدم ظہور کمال مع وجود الاستعداد کی طرف اشارہ ہے) ہانڈی تو آگ سے کالی اور دھوئیں کے رنگ ہو گئی۔ مگر گوشت ہنوز کچا ہے۔ یعنی جسم پر تو بہت کچھ اثر ہوا۔ مگر روح پر کچھ اثر نہ ہوا۔ میں نے تجھے آتش فراق سے آٹھ سال تک جوش دیا۔ مگر تیری نفاق کے سبب تیری خامی میں ذرہ برابر کمی نہیں آئی۔ اور تو کچا کا کچا ہی رہا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ تو کبھی نہ پکے گا۔ اگرچہ ہزاروں مرتبہ جوش کھاوے کیونکہ کچے انگور تو مویز ہو گئے۔ اور ناقصین کامل بن گئے۔ مگر تو کچا کا کچا ہی رہا۔ اس سے معلوم ہوا

کہ تو اپنے مرض کے سبب کچا اور ٹھٹھرا ہوا انگور ہے جسمیں پختگی کی قابلیت ہی نہیں۔

شرح شبیری

برادر دباغ کا اپنے بھائی کا علاج خفیہ طور پر سرگین سگ سے کرنا

خلق رامی راند زوے آنجواں تا علاجش را نہ بینند آں کساں

یعنی وہ جوان لوگوں کو اسکے پاس سے ہٹاتا تھا تاکہ وہ لوگ اُس کے علاج کو دیکھ نہ لیں۔

سر بگوشش برد ہمچوں راز گو پس نہاد آں چرک بر بینی او

یعنی اُسکے کان کے پاس راز گو کی طرح سر لیگیا پھر اُس گوہ کو اُس کی ناک پر رکھ دیا۔

کو بکف سرگین سگ سائیدہ بود دارو مغز پلید ان دیدہ بود

یعنی کہ اس نے ہاتھ میں سرگین سگ مل رکھا تھا۔ اور پلیدوں کی مغز کی دوا کو دیکھے ہوئے تھا

چونکہ بوئے آں حدث را واکشید مغز زشتش بوی ناخوش را سزید

یعنی جب اُس دباغ نے اُس ناپاکی کو کھینچا تو اُس کا مغز زشت ناخوش بوکے لائق تھا نتیجہ یہ ہوا کہ

ساعتے شد مرد جنبیدن گرفت خلق گفتند ایں فسونے بد شگفت

یعنی ایک گھڑی ہوئی کہ اس مرد نے ہلنا شروع کیا لوگوں نے کہا کہ یہ تو ایک عجیب فسوں تھا۔

کایں بخواند افسوں بگوش او دمید مردہ بود افسوں بفریادش رسید

یعنی کہ اس نے افسوں پڑھا اور اسکے کان میں پھونکدیا تو وہ مردہ تھا تو افسوں اسکی فریاد کو پہنچ گیا۔ یعنی افسوں نے اُسپر اثر کیا اور وہ اچھا ہو گیا۔ آگے مولانا انتقال فرماتے ہیں کہ۔

جنبش اہل فساد آنسو بود کہ زناز و غمزہ و ابرو بود

یعنی اہل فساد کی جنبش اُس طرف ہوتی ہے جو کہ ناز اور غمزہ اور ابرو سے ہو۔ مطلب یہ کہ جو حسن کہ ناز و غمزہ و ابرو سے ہوتا ہے اہل فساد تو اس طرف مائل ہوتے ہیں اور جو لوگ اہل صلاح ہوتے ہیں وہ جمال حقیقی باری تعالی کے شیدائی ہوتے ہیں۔

ہر کرا مشک نصیحت سود نیست لاجرم با بوئے بد خو کرد نیست

یعنی جسکو مشک نصیحت کا نفع نہیں ہے وہ یقیناً بوئے بد کی ساتھ خوکرتا ہے۔ مطلب کہ جس شخص کو کہ نصیحت فائدہ نہیں کرتی۔ وہ یقیناً بوئے بد میں رہیگا اور اسکو ہرگز نفع نہیں ہو سکتا۔ ہمیشہ گمراہی میں رہے گا۔

مشرکان را زان نجس خوانده است حق ... کاندرون پشک زادند از سبق

یعنی مشرکوں کو حق تعالیٰ نے اسی لئے نجس کہا ہے کہ وہ نجاست ہی کے اندر ازل سے پیدا ہوئے ہیں۔

کرم کو زادست از سرگین بد ... می نگرداند بعنبر خوئے خود

یعنی جو کیڑا کہ سرگین بد میں پیدا ہوا ہے وہ عنبر سے اپنی عادت کو بدل نہیں سکتا۔ یعنی وہ کرم عنبر شمیم نہیں بن سکتا جسکا کہ نشو و نما گوہ ہی میں ہوا ہو۔

چون نزد بروے نثار رش نور ... او همه جسم است نے جان چون قشور

یعنی جب اسپر رش نور کے نثار نے مارا نہیں تو وہ بالکل جسم ہی جسم ہے۔ نہ کہ جان ہے مثل چھلکوں کے مطلب کہ حدیث میں ہے کہ ان اللہ خلق الخلق فی ظلمۃ فرش علیہ نورہ فمن اصاب منہ اہتدیٰ ومن اخطاء ضل اوکما قال تو جسپر وہ نور پہونچا ہے وہ تو مہتدی ہو گیا اور چونکہ ان کفار و مشرکین کو وہ نور نہیں پہونچا اور اس نور سے یہ محروم رہے ہیں لہذا انکو ہدایت نہیں ہوئی۔ اور یہ گمراہ ہو گئے۔

ور ز رش نور حق قسمیش داد ... همچو رسم مصر سرگین مرغ زاد

یعنی اور اگر رش نور میں سے حق تعالیٰ نے اسکو کوئی حصہ دیا تو مصر کی رسم کی طرح سرگین نے مرغ جنا۔ (مصر میں رسم ہے کہ سرگین میں انڈا دبا دیتے ہیں تو اسکی گرمی سے بچہ نکل آتا ہے) مطلب یہ کہ کفار وغیرہ پر چونکہ وہ نور پہونچا نہیں ہے اسلئے وہ تو گمراہ ہی رہے۔ اور جن لوگونکو اس نور میں سے حصہ ملگیا ہے وہ مہتدی ہو گئے ہیں۔ اور ایسا ہے کہ جیسے سرگین میں سے بچہ نکل آوے۔ کہ ایک ناپاک شے میں سے پاکیزہ شے پیدا ہو گئی ہے اسی طرح وہ ظلمت میں سے نورانی شکل کا انسان پیدا ہو گیا

لیک نے مرغ خسیس خانگی ... بلکہ مرغ دانش و فرزانگی

یعنی لیکن نہ کہ مرغ خسیس خانگی بلکہ مرغ عقل اور فرزانگی کا۔ یعنی وہ جو بیضہ میں سے بچہ نکلا ہے تو وہ بچہ مرغ خانگی کا خسیس اور پلید نہیں ہے بلکہ یہ تو بہت زیادہ پاک اور صاف شے ہے اور یہ

شخص تو بڑا دانا اور عاقل اور فرزانہ ہے آگے اُس معشوقہ کا مقولہ ہے کہ وہ کہتی ہے کہ۔

تو بداں مانی کزاں نورے تہی　　　زانکہ بینی بر پلیدے می نہی

یعنی تو اسکے مشابہ ہے کیونکہ اُس نور سے تو خالی ہے اسلئے کہ تو ناک پلیدی پر رکھتا ہے مطلب یہ کہ اس عاشق کو کہہ رہی ہے۔ کہ جسطرح کہ وہ دباغ تھا کہ اُسکو پلیدی کے سونگھنے سے ہوش آگیا ایسا ہی تو ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ تو اس نور حق سے خالی ہے لہذا تیرے پاس پاکی آتی ہی نہیں اور دلیل اسکی یہ ہے کہ جیسا وہ ناپاکی سے اچھا ہو گیا اور اُس نے ناپاکی کو پسند کیا اسی طرح تو بھی خباثت اور ناپاکی ہی کو پسند کرتا ہے۔

از فراقت زرد شد رخسار و رو　　　برگ زردی میوۂ ناپختہ تو

یعنی فراق کی وجہ سے تیرا رخسار و روزرد ہو گیا تو تو برگ زرد ہے اور تو میوۂ ناپختہ ہے مطلب یہ کہ میوہ زرد ہو کر پک جاتا ہے اور پتا زرد ہو کر خشک ہو جاتا ہے تو تو بھی زرد جو ہو رہا ہے یہ زردی میوہ جیسی زردی نہیں ہے بلکہ یہ زردی پتے کی سی ہے کہ جو دلیل نقص کی ہے۔ آگے ایک مثال دیتی ہے کہ۔

دیگ ز آتش شد سیاہ و دود خام　　　گوشت از سختی چنیں ماند است خام

یعنی ہنڈیا تو آگ سے سیاہ اور دہوئیں کی رنگت کی ہو گئی اور گوشت سختی کی وجہ سے ویسا ہی کچا رہا ہوا ہے۔ مطلب یہ کہ تیرا چہرہ تو زرد ہو گیا اور رنگت بھی تیری بدلگئی مگر کمبخت تیرا دل اسی طرح گناہوں میں مبتلا ہے۔

ہشت سالت جوش دادم در فراق　　　کم نشد یک ذرہ خامیت از نفاق

یعنی آٹھ برس تک میں نے تجھے فراق میں جوش دیا ہے۔ (مگر) تیری خامی نفاق کی وجہ سے کم نہیں ہوئی

خامی و ہرگز نہ خواہی پخت تو　　　گر ہزاراں بار جوشی اے عتو

یعنی تو خام ہے اور تو ہرگز نہ پکے گا۔ اگرچہ تو اے سرکش ہزار بار بھی جوش کرے۔

غورۂ تو سنگ بستہ از سقام　　　غورہا اکنوں مویز ند و تو خام

یعنی تو انگور کچا ٹھہرا ہوا ہے۔ امراض (باطنی) کی وجہ سے اور غورے تو اب مویز ہو گئے اور تو کچا ہے یعنی اور سب تیرے ساتھ کے تو درست ہو گئے اور تو ویسا کا ویسا ہی ہے۔ اس سے

معلوم ہوا کہ تیری اصلاح نہ ہوگی آگے وہ عاشق اپنی اس حرکت کی عذر خواہی کرتا ہے کہ۔

شرح حبیبی

گفت عاشق امتحاں کردم مگیر تا ببینم تو حریفی یا ستیر

من ہمی دانستمت بے امتحاں لیک کے باشد خبر ہمچوں عیاں

آفتابی نام تو مشہور و فاش چہ زیانست ار بکردم ابتلاش

انبیا را امتحاں کردہ عدات تا شدہ ظاہر از ایشاں معجزات

تو منی من خویشتن را امتحاں میکنم ہر روز در سود و زیاں

امتحاں چشم خود کردم بنور اے کہ چشم بد ز چشمانِ تو دور

ایں جہاں ہمچوں خرابہ ست و تو گنج گر تفحص کردم از گنجت مرنج

زاں چنیں بے خردگی کردم گزاف تا زنم با دشمناں ہر بار لاف

تا زبانم چوں ترا نامے نہد چشم ازیں دیدہ گواہیہا دہد

گر شدم در راہ حرمت راہزن آمدم اے مہ بشمشیر و کفن

جز بشمشیر خود اے شاہم مکش بیش ازیں از دوری اے ماہم مکش

جز بدست خود مبرم پا و سر کہ ازیں دستم نہ از دست دگر

از جدائی باز میرانی سخن ہر چہ خواہی کن ولیکن ایں مکن

در سخن آباد ایں دم راہ شد گفت امکاں نیست چوں بیگاہ شد

پوستہا گفتیم و مغز آمد دفیں گر بمانیم ایں نماند ہمچنیں

گر خطائے آمد از مادر وجود چشم می داریم در عفو ای ودود

امتحاں کردم مرا معذور دار — چوں ز فعل خویش گشتم شرمسار

عاشق نے جواب دیا کہ آپ مجھپر مواخذہ نکریں میں نے امتحان کیا تھا۔ کہ دیکھوں آپ اس
فعل میں میری موافقت کرنیوالی ہیں یا عفیفہ گو یہ امر کہ آپ پارسا ہیں مجھے پہلے سے ہی معلوم
تھا لیکن لیس الخبر کالمعائنہ یعنی سنی سنائی بات مشاہدہ کی برابر نہیں ہوتی۔ اس لئے
میں نے چاہا کہ مشاہدہ کروں آپ آفتاب عصمت ہیں اور آپکا نام عفت میں مشہور و معروف ہے
پس اگر میں نے اس بات کی آزمایش کرلی تو کیا گناہ ہوا۔ دشمنوں نے انبیا کا امتحان کیا ہے
جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ان سے معجزات کا ظہور ہوا۔ نیز آپ اور میں ایک ہیں اور میں اپنا ہر روز نفع و
نقصان میں امتحان کرتا رہتا ہوں پس آپکا امتحان کوئی بیجا بات نہیں علی ہذا آپ میری آنکھ
ہیں اور اے خوش چشم خدا کرے آپ کی آنکھوں کو نظر نہ لگے میں اپنی آنکھ کا نور سے امتحان کرتا ہوں تو
آپکا امتحان کوئی قابل تعجب بات نہیں۔ نیز جہاں ایک ویرانہ ہے اور آپ خزانہ کمالات پس
اگر میں نے آپکا خزانہ کمالات تلاش کیا تو کوئی خفا ہونیکی بات نہیں نیز میں نے بیہودگی سے یہ حماقت اسلئے
کی ہے کہ مخالفین کے مقابلہ میں ہر مرتبہ آپکی پارسائی کا بے تکلف دعویٰ کرسکوں اور تاکہ جب میری
زبان پر بھلائی کے ساتھ آپکا نام آئے تو آنکھ اس امر مشاہد کی گواہی دے۔ اچھا اگر میں نے
آپ کی آبرو ریزی کی ہے تو میں سزائے موت کیلئے موجود ہوں اگر آپ مجھے مارنا چاہتی
ہیں تو اپنی ہی تلوار سے ماریئے اور اس سے زیادہ مجھے صدمۂ فراق سے ہلاک نہ کیجئے۔ آپ
میرے پاؤں اور سر اپنی ہی تلوار سے کاٹئے کیونکہ میں آپ کا غلام ہوں نہ کسی دوسرے کا
دیکھئے آپ پھر جدائی کا نام لیتی ہیں آپ جو چاہیں کریں مگر یہ نہ کریں دیکھئے مجھے اسوقت
گفتگو کا موقعہ ملا ہے۔ اور جب ناوقت ہو جاوے گا اسوقت کچھ نہ کہہ سکونگا اسلئے
یہ مختصر گذارش ہے۔ اور جو کچھ عرض کیا ہے یہ اس کے مقابلہ میں جو ہنوز نہیں کہہ سکا بمنزلہ
پوست کے ہے اور مغز ہنوز مدفون ہے۔ اور یہ بھی اسلئے کہا ہے کہ ہم تو رہیں گے مگر یہ صورت
حال نہ رہے گی۔ پس اگر اس ملاقات میں مجھسے کوئی خطا ہوئی ہو تو مجھکو آپ سے معافی
کی امید ہے۔ میں نے جو کچھ کہا تھا وہ امتحاناً تھا۔ اب جبکہ میں اپنی اس حرکت پر نادم ہوں
تو مجھے معذور رکھئے اور معاف کیجئے۔

شرح شبیری

عاشق کا اپنے گناہ کی عذرخواہی کرنا تلبیس اور روپوشی کے ساتھ اور معشوقہ کا اس تلبیس کو سمجھ لینا

گفت عاشق امتحاں کردم مگیر   تا بہ بینم تو حریفی یا ستیر

یعنی عاشق نے کہا کہ میں نے امتحان کیا تھا مجھ سے گرفت مت کرنا تاکہ میں دیکھ لوں کہ تو حریف ہے یا مستورہ ہے مطلب یہ کہ عاشق نے کہا کہ میں نے تجھے آزمایا تھا۔ کہ آیا تو عفیفہ ہے یا نہیں لہذا اب معلوم ہو گیا تو بے شک عفیفہ ہے۔ تو اس امتحان میں مجھ سے گرفت مت کر اب یہاں وہ معشوقہ کہہ سکتی ہے کہ کیا تو مجھے پہلے سے عفیفہ نہ جانتا تھا کیا مجھے اوباش سمجھتا تھا۔ تو اُسکا جواب بطور دفع دخل مقدر کے دیتا ہے کہ

من ہمی دانستمت بے امتحاں   لیک کے باشد خبر ہمچوں عیاں

یعنی میں تجھے بے امتحان ہی جانتا تھا لیکن خبر معائنہ کے مثل کب ہوتی ہے۔ یعنی لیس الخبر کالمعاینۃ پہلے تو صرف خبر ہی تھی اور اب دیکھ لیا۔ تو انیس تو یوں بعید ہوا۔

آفتابی نام تو مشہور و فاش   چہ زیانست ار بکردم ابتلاش

یعنی تو تو آفتاب ہے۔ اور تیرا نام مشہور ہے۔ اور ظاہر ہے تو میں نے کیا نقصان کیا اگر اسکا امتحان کر لیا۔ مطلب یہ کہ اگر آفتاب کا کوئی امتحان کرے تو آفتاب کا اسمیں کیا ضرر ہے۔ اسی طرح تو تو آفتاب ہے۔ اگر میں نے تیرا امتحان کر ہی لیا تو اسمیں تیرا کیا ضرر ہوا۔

تو منی من خویشتن را امتحاں   میکنم ہر روز در سود و زیاں

یعنی تو تو میرا عین ہے۔ اور میں اپنا امتحان بھی ہر روز بے نفع نقصان کے کرتا ہوں یعنی میری تیری حالت من تو شدم تو من شدی الخ کی ہو گئی ہے۔ تو اگر میں نے تیرا امتحان کیا تو گویا اپنا امتحان کیا پھر اپنا تو میں روزمرہ امتحان کرتا ہوں اسمیں حرج ہی کیا ہے۔

انبیا را امتحان کردہ عدات . تا شدہ ظاہر از ایشان معجزات

یعنی دشمنوں نے انبیا علیہم السلام کا امتحان کیا ہے۔ یہانتک کہ اُن سے معجزات ظاہر ہوئے مطلب یہ کہ امتحان میں نقصان تو کیا ہوتا بلکہ نفع ہے اسلئے کہ دیکھو اس امتحان سے تمھاری عفت ظاہر ہو گئی انبیاء کا کفار نے امتحان کیا تو اُن سے معجزات ظاہر ہوئے۔ علی ہذا امتحان میں تو نفع ہی ہے۔

امتحاں چشم خود کردم بنور اے کہ چشم بد ز چشمہاں تو دور

یعنی میں نے اپنی آنکھ کا امتحان نور سے کیا ہے اے وہ کہ چشم بد تیری آنکھوں سے دور ہو مطلب یہ کہ تم تو میری آنکھ ہو میں نے تمھارا امتحان کیا گویا کہ اپنی آنکھ کا امتحان کیا ہے کہ دیکھوں اسمیں نور ہے کہ نہیں تو اسمیں تو نور پہلے سے تھا اب امتحاں سے اور خوب ظاہر ہو گیا۔

ایں جہاں ہمچوں خرابہ است و تو گنج گر تفحص کردم از گنجت مرنج

یعنی یہ جہاں تو مثل ویرانہ کے ہے اور تو خزانہ ہے تو اگر میں نے تیرے خزانہ میں سے تفحص کیا تو خفا مت ہو (اسلئے کہ اگر میں تفحص کرونگا تو معلوم ہو گا کہ اسمیں یہ جوہر ہیں)

زاں چنیں بے خردگی کردم گزاف تا کنم با دشمناں ہر بار لاف

یعنی ایسی بے عقلی سے جو میں نے بیہودگی کی تو اسلئے کہ دشمنوں میں ہر بار شیخی کر سکوں مطلب یہ کہ میں نے امتحان کیا تو صرف اسلئے کیا تاکہ لوگوں میں مجھے کہنے کا موقعہ ملے کہ میں نے خود آزما دیکھا ہے میں وثوق سے کہتا ہوں کہ وہ عفیفہ ہے۔ اور اگر میں نے دیکھ نہ لیا ہوتا تو پھر تو صرف اندازہ اور تخمین ہی سے تمکو عفیف کہہ سکتا تھا۔ اور اسلئے کیا ہے کہ۔

تا زبانم چوں ترا نامے نہد چشم از دیدہ گواہی ہا دہد

یعنی تاکہ میری زباں جب تیرا نام لے تو آنکھ دیکھے ہوئے کی گواہی دے۔ یعنی اگر زباں سے تیری تعریف کروں تو آنکھ کہے بیشک صحیح کہتا ہے ہم نے بھی دیکھا ہے۔

گر شدم در راہ حرمت راہزن آمدم اے مہ بشمشیر و کفن

یعنی اگر میں راہ ادب میں رہزن ہو گیا ہوں تو اے ماہ میں مع شمشیر و کفن کے آیا ہوں۔ پہلے قاعدہ تھا کہ اگر مجرم خود جرم کا اقرار کرتا ہوا حاضر ہوتا تھا تو شمشیر و کفن بھی ساتھ لاتا تھا

اور بزبان حال کہتا تھا کہ ع قتل کرڈالو ہمیں یا جرم الفت بخشدو + لو کھڑے ہیں ہاتھ باندھے ہم تمہارے سامنے - اور یہ اسلئے کہتے تھے تاکہ آقا کو یا معشوق کو جسکا وہ مجرم ہے رحم آجاوے) تو اسی طرح یہ کہتا ہے کہ اگر میں نے بے ادبی کی ہے تو اچھا تو میں حاضر ہوں جو سزا چاہو دے لیکن ایک شرط ہے وہ یہ کہ -

جز بشمشیر خود اے شاہم مکش　　پیش ازیں از دوری اے ماہم مکش

یعنی اپنی شمشیر کے سوا اور کسی سے مجھکو مت مارا وراس سے پہلے اے ماہ مجھے دوری سے مت مار مطلب یہ کہ اگر سزا دو تو اپنے ہاتھ سے ہی دینا تاکہ یہ حالت ہو کہ ع سر بوقت ذبح اپنا اسکے زیر پائے ہے + کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے - اور دوسری شرط یہ ہے کہ سزا کے پہلے پہلے دوری میں مت رکھنا بلکہ اپنے ہی پاس رکھنا تاکہ اخیر وقت میں تو تمھاری دیدار سے مشرف ہولوں اسی کو دوسرے عنوان سے کہتا ہے کہ -

جز بدست خود مبرم پاؤ سر　　کہ ازیں دستم نہ از دست دگر

یعنی اپنے ہاتھ کے سوا میرے ہاتھ پاؤں مت کاٹنا - کیونکہ میں اسی ہاتھ کا ہوں نہ کہ دوسرے ہاتھ کا یعنی میں اسی ہاتھ کا پلا ہوا ہوں تو آج تمنا یہ ہے کہ اسی ہاتھ سے ذبح ہو جاؤں اور کہتا ہے کہ -

از جدائی باز می رانی سخن ،　　ہر چہ خواہی کن ولیکن ایں مکن

یعنی جدائی کی بات کو پھر چلاتی ہو تو جو چاہے کرو مگر یہ نہ کرو - مطلب یہ کہ تم پھر جدائی کو کہتی ہو کہ میں جدا کردونگی تو للہ اسکا تو نام بھی نہ لو اور جو چاہے سزا دیلو مگر اسکا نام نہ لو -

در سخن آبادا ایندم راہ شد　　گفت امکان نیست چون بیگاہ شد

یعنی سخن آباد میں اسوقت میری راہ ہوگئی ہے - (لیکن) کہتا ممکن نہیں ہے جب بیوقت ہوگیا - مطلب یہ کہ وقت تو باتیں کرنیکا ہے مگر کیا کہیں کہنے کا وقت نہیں رہا - لہٰذا چپ ہی رہتے ہیں -

پوستہا گفتیم و مغز آمد و فیں　　گر بمانیم ایں نماند ہمچنیں ،

یعنی اوپر اوپر کی باتیں ہم نے کہی ہیں اور اصل باتیں مدفون ہیں اگر ہم رہے تو یہ اس طرح

نہ رہے گا۔ مطلب یہ کہ ہم نے جو باتیں کی ہیں وہ صرف پوست ہیں باقی اصل باتیں ابھی بیان نہیں کی ہیں۔ اور پھر اگرچہ ہم تو رہیں گے مگر وقت ایسا نہ رہے گا۔

گر خطائے آمد از مادر وجود چشم میداریم در عفو اے ودود

یعنی اگر کوئی خطا ہم سے وجود میں آئی ہے تو اے صاحب لوذت ہم عفو کی امید رکھتے ہیں

امتحاں کردم مرا معذور دار چوں ز فعل خویش گشتم شرمسار

یعنی میں نے امتحان کیا (مگر) مجھے معذور رکھ جبکہ میں اپنے فعل سے (خود) شرمندہ ہوں یعنی میں تو اپنے فعل پر خود مقر ہو کر شرمندہ ہوں لہذا مجھے معذور سمجھو اور معاف کر دو۔ آگے وہ معشوقہ اس کی تلبیس کو رد کرتی ہے۔

شرح حبیبی

در جوابش بر کشاد آں ماہ لب
کہ سوئے مار وز سوئے شست شب

حیلہ ہائے تیرہ اندر داوری
پیش بینایاں چرا می آوری

ہر چہ در دل داری از مکر و رموز
پیش ما رسوا و پیدا ہمچو روز

گر بپوشیمش ز بندہ پروری
تو چرا بیرو نے از حد می بری

از پدر آموز کادم در گناہ
خود فرود آمد بسوئے پائیگاہ

چوں بدید آں عالم الاسرار را
ہر دو پا استاد استغفار را

بر سر خاکستر اندہ نشست
وز بہانہ شاخ تا شاخے نجست

ربنا انا ظلمنا گفت و بس
چونکہ جانداراں بدید از پیش و پس

دیدہ جانداران پنہاں ہمچو جاں
دور باش ہر یکے تا آسماں

کہ ہلا پیش سلیماں مور باش
تا نہ بشگافد ترا ایں دور باش

جز مقام راستی یکدم مایست — هیچ لا الا مرورا چون چشم نیست

کور اگر از پند پالوده شود — هر دمے او باز آلوده شود

آدما تو نیستی کور از نظر — لیک اذا جاء القضا عمی البصر

عمرها باید بپا در گاه گاه — تا که بینا از قضا افتد بچاه

کور را خود این قضا همراهِ اوست — که مراورا اوفتادن طبع وخوست

در حدث افتد نداند بوے چیست — از من است این بوے یا آلودگیست

ور کسے بروے کند مشکے نثار — هم ز خود داند نه از احسان یار

پس دو چشم روشن صاحب نظر — بهتر از صد مادرست وصد پدر

خاصه چشم دل که آن هفتاد توست — پیش چشم حس که خوشه چین اوست

اے دریغا رهزنان بنشسته اند — صد گره زیر زبانم بسته اند

پاے بسته چون رود خوش راهوار — بس گران بندیست این معذور دار

این سخن اشکسته می آید دلا — کاین سخن درست وغیرت آسیا

در اگرچه خرد واشکسته شود — توتیاے دیدهٔ خسته شود

اے در از اشکست خود بر سر مزن — کز شکستن روشنی خواهی شدن

همچنین اشکسته بسته گفتنی است — حق کند آخر درستش کو غنی است

گندم ار بشکست وز هم در شکست — بر دکان آمد که نک نان درست

تو هم اے عاشق چو جرمت گشت فاش — آب وروغن ترک کن اشکسته باش

آنکه فرزندان خاص آدمند — نفخهٔ انا ظلمنا می دمند

حاجت خود عرض کن حجت مجو — ہمچو ابلیس لعین سخت رو

سخت روئے گرد او شد عیب پوش — در ستیز و سخت روئے تو مکوش

آں ابوجہل از پیمبر معجزے — خواست ہمچوں کینہ ور ترک غزے

معجزہ جست از نبیؐ بوجہل سگ — دیدہ نفزودش ازاں الا کہ شک

لیک آں صدیق حق معجز نخواست — گفت ایں رو خود نگوید غیر راست

کے رسد ہمچوں توئی را کز منی — امتحاں ہمچو من یارے کنی

معشوقہ نے اسکے جواب کیلئے تکلم شروع کیا اور کہا کہ ہماری طرف دن ہے اور تیری طرف رات۔ یعنی ہم پر نور بصیرت سے حقیقت منکشف ہے اور تو اپنی ظلمت قلب کے سبب اس ہمارے دراک کا ادراک نہیں کرسکتا پس تو اہل بصیرت کے سامنے اپنی برات کیلئے تاریک عذر کیوں پیش کرتا ہے۔ تیرے دل میں جو جو مکر اور راز ہیں ہم پر سب روز روشن کی طرح ظاہر ہیں اگر ہم انکو بندہ پروری سے چھپا دیں اور تجھپر انکا اظہار نکریں تو تو کیوں اسقدر بے شرمی اختیار کرتا ہی اور کیوں بیہودہ عذر کرتا ہے تجھے اپنے باپ آدم علیہ السلام سے سبق لینا چاہیئے۔ کہ وہ گناہ کرکے عجز و انکسار پر اُتر آئے۔ اور جبکہ اونھوں نے حق سبحانہ کی عظمت و جلال پر نظر کی تو فوراً استغفار کیلئے کھڑے ہو گئے۔ اور غم کی بھوبل پر بیٹھ گئے۔ اور بہانہ کیلئے ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پر نہیں گئے یعنی عذر ہائے بیہودہ نہیں کئے اور جبکہ انھوں نے ملائکہ کو دیکھا جو کہ بوجہ طاعت و معرفت حق کے کامل جاندار کہلانے کے مستحق ہیں تو انھوں نے صرف ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین فرمایا۔ اور کوئی عذر نہیں کیا۔ یعنی انھوں نے ان ذوی الارواح کو جو کہ جان کی طرح مخفی ہیں اس حال میں دیکھا کہ وہ آسمان تک اونچے نیزے لیے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ خبردار سلیمان (حق سبحانہ) کے سامنے چیونٹی (عاجز مسکین) بنو تاکہ یہ نیزے تمھیں نہ چھید دیں خلاصہ یہ کہ اونھوں نے دیکھا کہ فرشتے عظمت حق کو بزبان حال یا بزبان قال ظاہر کر رہے ہیں اور بصورت عدم عجز و مسکنت سزا کی دھمکی دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ سوائے

محل راستی کے اور کہیں مت کھڑے ہو - اور صرف راستی اختیار کرو - اور تجرد نہ ہو اور چشم حق بین سے کام لو - کیونکہ انسان کا خادم آنکھ کی برابر کوئی نہیں - یہ بڑے کام کی چیز ہے دیکھو اندھا چونکہ آنکھیں نہیں رکھتا اسلئے اگر وہ نصیحت سے کبھی صاف بھی ہو جاتا ہے تو پھر سَن جاتا ہے آپ کی چشم بصیرت بحمداللہ صحیح وسالم ہے اور آپ اندھے نہیں ہیں اسلئے آپکو آنکھ سے کام لینا چاہیے اور تذلل و تمسکن اختیار کرنا چاہیئے رہی یہ بات کہ جب آپکی چشم حق بین صحیح وسالم ہے تو پھر آپ سے لغزش کیوں ہوئی اسکا جواب یہ ہے کہ قضاء الٰہی کی مزاحمت نہیں کیجاسکتی - اسلئے جب حکم خداوندی کسی امر کی نسبت ہوتا ہے تو آنکھ اپنا کام نہیں کر سکتی - پس چونکہ خدا کو یہی منظور تھا جسمیں بہت سی مصلحتیں تھیں اسلئے ایسا ہو گیا - اسکے لئے تو بہت بڑے زمانہ کی ضرورت ہے کہ اتفاقاً بینا آدمی کوئیں میں گر پڑے مگر اندھے کے یہ قضا ساتھ رہتی ہے اور وہ گرنے کیلئے ہر وقت تیار رہتا ہے کیونکہ اسکی تو سرشت اور خصلت ہی اسطرح کی واقع ہوئی ہے - ایک بات اندھے میں اور ہوتی ہے وہ یہ کہ اگر وہ پاخانہ یعنی گندگی معصیت میں گرتا ہے تو اسے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کس چیز کی بو ہے - میری ہے یا اسکا منشاء پاخانہ یعنی کوئی امر خارجی ہے - اور اگر کوئی اس پر مشک نثار کرتا ہے یعنی عمدہ حالات اسکے اندر پیدا کرتا ہے تو سمجھتا ہے کہ یہ بو میری ہی ہے اور یار کا احسان نہیں سمجھتا یعنی برائیوں کو تو اپنی طرف منسوب کرنے میں اسے تردد ہوتا ہے مگر بھلائی کو اپنی ہی طرف منسوب کرتا ہے پس اس بیان سے معلوم ہوا کہ صاحب نظر کی دو روشن آنکھیں سو ماں باپ سے بہتر ہیں کیونکہ انکی بدولت وہ آلودگی سے محفوظ رہ سکتا ہے - مگر ماں باپ اسے نہیں بچا سکتے بالخصوص چشم قلب جو کہ اس چشم حس کے مقابلہ میں جو چشم قلب کی خوشہ چین ہے ستر گونہ بڑھی ہوئی ہے وہ تو بالاولیٰ سو ماں باپ (واعظوں اور نصیحت گردں) سے بڑھی ہوئی ہوگی - ہائے افسوس ڈکیت (نااہل) بیٹھے ہوئے ہیں جنھوں نے میری زبان بند کر دی ہے کہ میں انکی مضرت کے خوف سے زیادہ نہیں کہہ سکتا - تم سمجھو تو سہی جسکے پاؤں میں سیسے ہوں وہ عمدہ چال کیونکر چل سکتا ہے پس میری بیڑی نہایت زبردست ہے - میں کیونکر چل سکتا ہوں اسلئے مجھے معذور رکھو - اے دل یہ بات ناقص اور ٹوٹی پھوٹی ہے اور وجہ یہ ہے کہ یہ بات ایک موتی ہے اور غیرت حق چکی - وہ اسکو پیستی ہے تاکہ نااہلوں تک نہ پہونچے - لیکن یہ ٹوٹی پھوٹی

بات بھی فائدہ سے خالی نہیں۔ دیکھو اگر موتی ٹوٹتا بھی ہے تب بھی مریض کی آنکھ کا سرمہ بنتا ہی ہیں اسے شکستہ موتی تو اپنی شکست سے سر نہ پیٹ کیونکہ اسوقت تو آنکھ کی روشنی بنے گا پس یوں ہی یہ ٹوٹی پھوٹی بات بھی جو کہ پورا مطلب نہیں ادا کرتی کہنے کے قابل ہے کیونکہ حق سبحانہ غنی ہیں اُن کے نزدیک کسی ٹوٹی پھوٹی بات کو کامل کر دینا کوئی بڑی بات نہیں۔ وہ اسکو ٹھیک کر دینگے۔ اور وہ ہی کام ہیں گے جو کامل اور پوری بات دیتی۔ دیکھو گیہوں اگر ٹوٹ جاوے اور چور چور ہو جاوے تو کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ کیونکہ دوکان پر آیا اور روٹی بنا۔ پس اے عاشق جبکہ تیرا جرم ظاہر ہو چکا تو تو فضول مت بک اور شکستگی اور عجز و انکسار اختیار کر۔ کیونکہ جو آدم علیہ السلام کے خاص بیٹے ہیں وہ اپنے قصور ربنا ظلمنا کا شور مچاتے ہیں اور اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہیں اچھا تو اپنا مطلب کہہ اور یوں جھگڑ مت جیسے بیحیا ابلیس نے مناظرہ شروع کر دیا تھا اگر اُسکی بیحیائی نے اُسکے زعم میں اُسکے عیب کو چھپا لیا تو چھپائے مگر تو عناداً اور بیحیائی کی کوشش نہ کر دیکھ ابو جہل نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں معاندانہ معجزہ کی درخواست کی تھی جیسے کوئی کینہ ور ترک غز ہو (غز ایک قسم ہے ترکوں کی) اور اُس کتے ابو جہل نے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے معجزہ چاہا تھا اور اس نے دیکھ بھی لیا۔ مگر اس سے اسے کچھ فائدہ نہ ہوا بجز اسکے کہ اور شک بڑھا لیکن صدیق حق نے کوئی معجزہ نہیں چاہا بلکہ یہ کہا کہ جھوٹے کی صورت ایسی نہیں ہوتی پس تجھ سے مدعی عشق کو کب حق حاصل ہے کہ تکبر سے مجھ سے دوست اور محبوب کا امتحان کرے۔

شرح شبیری

معشوق کا عاشق کے عذر اور اسکی تلبیس کو رد کرنا،

در جوابش بر کشاد آں ماہ لب　　　کہ سوئے ما روز و سوئے تست شب

یعنی اُس عاشق کے جواب میں اُس ماہ نے لب کھولے کہ ہماری طرف تو روز ہے اور تیری طرف شب ہے مطلب یہ کہ میرے پاس حیلہ اور تدبیر سے کام نہیں چلتا تو تدابیر باطلہ کرتا ہے۔ مگر ان سبکو مردود سمجھتی ہوں اور میرے آگے یہ سب مکر و فریب کھلم کھلا معلوم ہو رہا ہے۔

حیلہ ہائے تیرہ اندر داوری پیش بینایاں چرا می آوری

یعنی تاریک حیلے معاملہ میں بینا لوگوں کے سامنے تو کیوں لا رہا ہے۔

ہر چہ در دل داری از مکر و رموز پیش ما رسوا و پیدا ہمچو روز

یعنی تو جو کچھ مکر اور رموز دل میں رکھتا ہے وہ سب ہمارے نزدیک دن کی طرح ظاہر ہیں۔

گر بپوشیمش ز بندہ پروری تو چرا بیروئی از حد می بری

یعنی اگر ہم اسکو بندہ پروری کی بنا پر چھپائیں تو تو کیوں بے شرمی کو حد سے لیجاتا ہے یعنی اب جو ہم نے اسکو پوشیدہ کر لیا ہے تو مکر و فریب کر کے اب تو کیوں بے شرم اور بیحیا بنتا ہے۔

از پدر آموز کادم در گناہ خوش فرود آمد بسوئے پایگاہ

یعنی باپ سے سیکھ کہ آدم گناہ میں تواضع کیطرف بالکل اُتر آئے یعنی دیکھو انھوں نے کس طرح جرم کا اقرار کر لیا۔

چوں بدید آں عالم الاسرار را ہر دو پا استاد استغفار را

یعنی جب انھوں نے اس عالم الاسرار کو دیکھا تو دونوں پاؤں پر استغفار کیلئے کھڑے ہو گئے۔

بر سر خاکستر اندہ نشست وز بہانہ شاخ تا شاخے نجست

یعنی غم کی خاک پر بیٹھ گئے اور بہانہ سے ایک شاخ سے دوسری شاخ تک نہ کودے یعنی انھوں نے بہانے نہیں کئے بلکہ گناہ کا اعتراف کر لیا۔ اور بیحد غمگین ہوئے۔

ربنا انا ظلمنا گفت و بس چونکہ جانداراں بدید از پیش و پس

یعنی صرف ربنا ظلمنا ہی کہا جبکہ آگے پیچھے سے جانداروں (ملائکہ) کو دیکھا مطلب یہ کہ جب ملائکہ کو دیکھا کہ وہ کوئی حیلہ و بہانہ نہیں کرتے تو ایک تو انکی طبیعت کے اندر بہانہ نہ تھا اور پھر انکو دیکھ کر اور بھی بہانہ نہیں کیا بلکہ گناہ کا اعتراف کر لیا۔ اور ربنا ظلمنا ہی کہا جس سے اعتراف ذنب ظاہر ہے۔

دیدہ جانداران پنہاں ہمچو جان دور باش ہر یکے تا آسمان

یعنی جانداروں کو دیکھا جو کہ جان کی طرح پوشیدہ تھے کہ ہر ایک کی دور باش آسمان تک تھی۔

کہ ہلا پیش سلیماں مور باش تا نہ بشگافد ترا ایں دور باش

یعنی کہ خبردار سلیمان کے سامنے چیونٹی رہ تاکہ تجھے یہ دور باش چیرنہ دے۔ (دور باش اُس نیزہ کو کہتے ہیں کہ جسکی دو شاخیں ہوتی ہیں۔ اور وہ بادشاہونکی سواری کے آگے نقیب لیکر چلتا ہے اور دور باش کی آواز لگاتا ہے۔ تاکہ لوگ ہٹ جاویں اور اگر کوئی نہ ہٹے تو وہ نیزہ سے اُسکو زخمی کر دیتے ہیں) مطلب یہ ہے کہ ملائکہ کی تسبیح و تہلیل ور آنکی صفائی اس قدر تھی کہ اُنکا تہلیل و تقدیس کا نیزہ اجازت نہ دیتا تھا کہ کوئی مکر و فریب کرے اور جو وہاں مکر و فریب کرے وہ مارا جاوے تو ایک تو آدم علیہ السلام کا خود مکر و فریب سے متنفر ہونا دوسرے پھر یہ موانع تو انھوں نے بالکل مکر و فریب نہ کیا۔ بلکہ معترف ذنب ہو گئے۔ تو بس اسی طرح وہ لڑکی کہتی ہے کہ تو بھی اقرار کر لے۔ اور مکر و فریب مت کر۔ اور وہ فرشتے یوں کہتے تھے کہ۔

جز مقام راستی یکدم مایست ہیچ لالا مرد را چون چشم نیست

یعنی سوائے مقام راستی کے اور کہیں مت کھڑے ہو۔ (کیونکہ) انسان کیلئے کوئی خادم آنکھ جیسا نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ فرشتے کہتے تھے کہ اے آدم راستی ہی میں رہنا راستی کے علاوہ اور کوئی مقام بہتر نہیں ہے۔ اور تم تو خود بینا ہو اور تمھارے تو آنکھیں ہیں تو یاد رکھو کہ آنکھ سے بہتر اور خیر خواہ کوئی خادم نہیں ہے۔ اس سے کام لو اور راستی کو دیکھکر اُسکو اختیار کرو۔

کور اگر از پند پالودہ شود ہر دمے او باز آلودہ شود

یعنی اندھا اگر نصیحت سے صاف ہو جاوے تو وہ ہر دم پھر آلودہ ہو جاتا ہے اسلئے کہ اوسے راستہ نظر ہی نہیں آتا۔ وہ کہیں سے کہیں پھر جا پڑیگا۔ اگر ایک دفعہ تم نے اُسکا ہاتھ پکڑ کر درست کر بھی دیا تو وہ پھر کسی طرف کو چلدیگا۔

آدما تو نیستی کور از نظر لیک اذا جاء القضا عمی البصر

یعنی اے آدم تم تو نظر سے کور نہیں ہو لیکن جب قضا آتی تو بصر اندھی ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ وہ فرشتے کہتے ہیں کہ اندھا تو آلودہ ہو جاتا ہے مگر اے آدم آپ تو بینا ہیں آپ راہ راستی کو خود دیکھ لیجئے اب یہاں شبہ ہوا کہ جب خود بینا ہیں تو پھر اُسکی کیا وجہ ہے کہ پہلے کیوں غلطی ہوئی اور کیوں لغزش ہوئی اُسکا جواب دیتے ہیں کہ بات یہ ہے کہ بینا تو تھے لیکن قضا کے سامنے کسیکی پیش نہیں جاتی۔ چونکہ تقدیر حق اسی طرح تھی کہ یہ اس طرح کریں اور انکو اس طرح دنیا میں بھیجا جاوے

اب اس امر کا اتفاقاً ہو جانا بیان فرماتے ہیں کہ۔

عمرہا باید بنادر گاہ گاہ　　　تا کہ بینا از قضا افتد بچاہ

یعنی بہت سی عمروں کی ضرورت ہے کہ نادراً کبھی کبھار کوئی بینا قضا کی وجہ سے کنوئیں میں گرے مطلب یہ کہ ایسا بہت ہی کم ہوتا ہے کہ کوئی بینا ہو لیکن غلبۂ قضا کی وجہ سے اس سے لغزش ہو ورنہ اکثر غلطی تو اسی وجہ سے ہوتی ہے کہ یہ شخص خود ہی اندھا ہوتا ہے آگے فرماتے ہیں کہ اس اندھے کا بھی لغزش میں پڑنا قضا ہی کی وجہ سے ہے لیکن کچھ اسکی بھی اسمیں شرکت ہوتی ہے فرماتے ہیں کہ۔

کور را خود این قضا ہمراہ اوست　　　کہ مر او را او فتادن طبع و خوست

یعنی اندھے کے خود یہ قضا ہمراہ ہے کہ اسکا گرنا طبعی اور عادی ہے۔ مطلب یہ کہ اندھے کی بابت یہ بھی تو قضا میں لکھا ہے کہ یہ لغزش کریگا اور اسکی لغزش خود اسکی ہی طرف سے ہوگی۔ اور اسکی طبیعت میں داخل ہوگی۔ تو گرا تو قضا کی وجہ سے مگر خود بھی شریک رہا۔ اب آگے اس دل کے اندھے کی مثال ظاہری اندھے کی حالت سے بیان فرماتے ہیں کہ۔

در حدث افتد نداند بوی چیست　　　از من است این بوئے یا آلودگیست

یعنی ناپاکی میں گر جاتا ہے اور اُسے خبر نہیں ہوتی۔ کہ کس شئے کی بو ہے اور یہ بو میرے اندر سے ہے یا (اس) آلودگی کی وجہ سے ہے۔

ور کسے بروے کند مشکے نثار　　　ہم ز خود داند نہ از احسان یار

یعنی اور اگر کوئی اُسپر مشک نثار کر دے تو وہ بھی اپنے ہی اندر سے جانے نہ کہ یار کا احسان۔ مطلب یہ کہ اگر گناہوں اور نافرمانیوں میں مبتلا ہو تو اُسے خبر نہو کہ میری کیا حالت ہے اور میں کس ناپاکی میں مبتلا ہوں۔ اور اگر کوئی نعمت حق تعالیٰ کیطرف سے اسپر فائض ہو تو بھی اُسکو خبر نہو بلکہ اُن کمالات کو اپنی طرف سے اور اپنے اندر سے سمجھیگا۔ جو کہ ظاہر ہے کہ سخت مضر ہے تو دیکھو ایک تو قضا کی وجہ سے گرا اور دوسرے اسوجہ سے کہ اُسکو اسقدر غلط فہمیاں ہو رہی تھیں آگے فرماتے ہیں کہ۔

پس دو چشم روشن صاحب نظر　　　بہتر از صد مادر است و صد پدر

یعنی پس صاحب نظر کی دو روشن آنکھیں سیکڑوں ماؤں اور باپوں سے بہتر ہیں یعنی اس صاحب نظر کی تربیت کرنے کیلئے اور اسکو راہ راست پر لانے کیلئے اسکی یہ دونوں آنکھیں بہت مفید ہیں اور ان سے زیادہ رہنما ہیں۔

خاصہ چشم دل کہ آں ہفتاد تو است پیش چشم حس کہ خوشہ چیں او ست

یعنی خاصکر دل کی آنکھ کہ وہ چشم حس کے سامنے جو کہ اسکی خوشہ چین ہے ستر تہیں ہیں مطلب یہ کہ جب چشم دل روشن ہو تو پھر تو کیا کہنا ہے کیونکہ وہ تو اس چشم حس سے روشنی میں کہیں زیادہ اور بڑھی ہوئی ہے۔ تو وہ تو خوب تربیت کریگی اب یہاں تک قضا کی حالت اور اس سے انسان کا مجبور ہونا بیان کیا تھا آگے اس بیان کو بند کرتے ہیں اور اسکے بند کرنے کا عذر بیان کرتے ہیں کہ۔

اے دریغا رہزنان بنشستہ اند صد گرہ زیر زبانم بستہ اند

یعنی افسوس ہے کہ سیکڑوں ڈاکو بیٹھے ہیں اور میری زبان کے نیچے انھوں نے سیکڑوں گرہیں لگادی ہیں مطلب یہ کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جو اس بیان کو سنکر جبری ہو جاویں گے اور انسان کو مجبور محض خیال کریں گے تو ایسے لوگوں نے مجھے بیان سے روک دیا ہے اور میری زبان کو بند کر دیا ہے۔ کہ میں اب زیادہ بیان نہیں کر سکتا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

پائے بستہ چوں رود بس راہوار بس گراں بندیست ایں معذور دار

یعنی پاؤں بندھا ہوا راہوار کس طرح چلے۔ یہ تو بہت بھاری قید ہے۔ تو معذور رکھو مطلب یہ کہ مجھے جو خیال آگیا ہے کہ اس سے لوگ گمراہ ہو جاویں یہ ایک ایسا خیال ہے کہ جس نے میرے قلم کے پاؤں باندھ دئیے ہیں۔ تو اگر میں نہ بیان کر سکوں اور اس مضمون کو ناقص چھوڑ دوں تو مجھے معذور سمجھنا آگے اس مضمون کے ناقص ہونے ہی میں اسکی خوبی کو ایک مثال سے واضح فرماتے ہیں کہ۔

ایں سخن اشکستہ می آید دلا کایں سخن در است و غیرت آسیا

یعنی اے دل یہ بات ناقص ہی آتی ہے۔ کیونکہ یہ بات تو موتی ہے اور غیرت (حق) پہ چکی ہے مطلب یہ کہ یہ بات تو موتی کی طرح ہے اور غیرت حق چکی ہے۔ جب ہم اسکو بیان کرنا چاہتے

ہیں تو غیرت حق اسکو توڑ دیتی ہے اور آگے نہیں چلنے دیتی۔ لہذا یہ ناقص ہی رہجاتا ہے لیکن یہ سمجھ لو کہ۔

دُر اگرچہ خرد واشکستہ شود ۔۔۔ توتیائے دیدۂ خستہ شود

یعنی موتی اگر شکستہ اور ریزہ ریزہ ہو جاوے تو کسی خستہ کی آنکھ کا سرمہ ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو موتی اگر ٹوٹتا نہیں ہے تو وہ کسی کام کا نہیں ہوتا۔ اور جب ٹوٹ جاتا ہے تو وہ سرمہ میں پڑ کر آنکھ میں جگہ لیتا ہے۔ لہذا اسی طرح اس مضمون کا بھی شکستہ اور ناقص ہی رہنا مناسب ہے۔ یہ اسی حالت میں مفید ہے اور اسی حالت میں راہنما ہے آگے اس مضمون کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ۔

اے دُر از اشکست خود بر سر مزن ۔۔۔ کز شکستن روشنی خواہی شدن

یعنی اے موتی اپنے ٹوٹنے کی وجہ سے پریشان مت ہو کہ ٹوٹنے کی وجہ سے تو روشنی ہو جاویگا۔ مطلب یہ کہ اس نقص ہی کی حالت میں تم کامل اور راہنما ہو گے۔

ہمچنیں اشکستہ بستہ گفتنی است ۔۔۔ حق کند آخر درستش کو غنی است

یعنی اسی طرح ناقص اور بند ہوا قابل کہنے کے ہے حق تعالیٰ اسکو درست کر دینگے کیونکہ وہ غنی ہیں مطلب یہ کہ اس مضمون کو اسی طرح ناقص ہی بیان کرنا چاہیئے حق تعالیٰ ایک دن حال پیدا فرماوینگے تو اسوقت اسکی اصل حقیقت معلوم ہو جاویگی۔ اور حق تعالیٰ اسکو درست کر کے دکھلا دینگے آگے اور مثال بیان فرماتے ہیں کہ۔

گندم ار بشکست و زہم در شکست ۔۔۔ بر دکان آمد کہ ناں نان درست

یعنی گیہوں اگر ٹوٹ گیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تو اب دکان پر آگیا کہ یہ عمدہ روٹی ہے مطلب یہ کہ دیکھو گیہوں بعد ٹوٹنے ہی کے کام آتا ہے بس ایسا ہی یہ مضمون بھی اسی طرح مفید ہے آگے اس معشوقہ کا مقولہ ہے وہ اپنے عاشق سے کہتی ہے کہ۔

تو ہم اے عاشق چو جرمت گشت فاش ۔۔۔ آب و عن ترک کن اشکستہ باش

یعنی اے عاشق جب تیرا جرم ظاہر ہو گیا تو تو بھی تلبیس کو چھوڑ اور شکستہ ہو جا۔ مطلب یہ کہ وہ کہتی ہے کہ اب مکر و حیلہ مت کرو کیونکہ تمھاری شرارت ظاہر ہو گئی ہے لہذا اب صاف صاف

کہدو اور مکر وحیلہ کو چھوڑ دو اور کہنے لگی کہ۔

آنکہ فرزنداں خاص آدم اند　　　نوحہ انا ظلمنا می دمند

یعنی جو لوگ کہ آدمؑ کے اولاد خاص ہیں وہ انا ظلمنا کا نوحہ کرتے ہیں یعنی جو لوگ کہ نیک ہیں وہ اپنی خطا کا اعتراف جلدی ہی کر لیتے ہیں۔ لہذا اے عاشق تو بھی یہ کر کہ۔

حاجت خود عرض کن حجت مجو　　　ہمچو ابلیس لعین سخت رو

یعنی اپنی حاجت کو بیان کر دے اور ابلیس بےحیا کی طرح حجت مت کر۔ مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ جو تیرے دل میں ہے اسکو صاف صاف بیان کر دے اور حجت مت کر۔

آں ابوجہل از پیمبر معجزے　　　خواست ہمچوں کینہ ور ترک غزے

یعنی اُس ابوجہل نے پیمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک معجزہ طلب کیا ایک ترک غز کینہ ور کی طرح۔

معجزہ جُست از نبیؐ بوجہل سگ　　　دید لیکن زوش ازاں الا کہ شک

یعنی ابوجہل کُتّے نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے معجزہ طلب کیا اور اس نے اسکی بصیرت نہیں بڑہائی سوائے شک کے۔

لیک آں صدیق حق معجز نخواست　　　گفت ایں رو خود نگوید غیر راست

یعنی لیکن اُس صدیق حق نے معجزہ نہیں مانگا اور کہا کہ یہ منہ سوائے سچ کے کچھ نہیں کہتا مطلب یہ کہ دیکھو ابوجہل نے حجت کی اور معجزہ وغیرہ طلب کیا اور انکار کیا تو آخر اسکی بصیرت میں کچھ زیادتی نہوئی بلکہ اور اندھا پن ہی زیادہ ہوا اور حضرت صدیق اکبرؓ نے جو حجت نہیں کی بلکہ بے حجت کے مان لیا اور ایمان لے آئے لہذا دیکھئے اُنکا درجہ کس درجہ کو پہونچا۔ اسی طرح اے عاشق تجھے بھی حیلہ وحجت نکرنی چاہیئے بلکہ صاف صاف کہدینا چاہیئے اور مولانا نے جو۔ ایں رو خود نگوید غیر راست۔ کو حضرت صدیق اکبر کا مقولہ کہا ہے اس سے کوئی یہ شبہ نکرے کہ یہ مقولہ تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا ہے پھر اُنکا مقولہ کیسے ہو سکتا ہے تو سمجھ لو کہ یہ روایت بالمعنی کے قبیل سے ہے کہ اگرچہ حضرت صدیق اکبر نے یہ الفاظ نفرمائے مگر برتاؤ ایسا کیا جیسا کہ ان الفاظ کا قائل کرتا تو گویا کہ یہ الفاظ ہی فرمائے اس معنی کر انکا مقولہ کہدینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آگے اُسی معشوقہ کا مقولہ ہے کہتی ہے کہ۔

کے رسد ہمچوں توئی را کز منی　　　امتحاں ہمچو من یارے کنی

یعنی تجھ جیسے (مدعی عشق) کو یہ کب زیبا ہے کہ تکبر سے مجھ جیسے معشوقہ کا امتحان کرے مطلب یہ کہ تو جو میرا امتحان کرتا ہے اور مجھ سے حجت کرتا ہے تجھے یہ ہرگز زیبا نہیں ہے۔ لہذا صاف صاف بات کر۔

شرح حبیبی

مرتضیٰ را گفت روزے یک عنود　　　کو ز تعظیم خدا آگہ بنود

بر سر بامی و قصرے بس بلند　　　حفظ حق را واقفی اے ہوشمند

گفت آرے او حفیظ است و غنی　　　ہستی ما را ز طفلی و منی

گفت خود را اندر افگن ہیں ز بام　　　اعتمادے کن بحفظ حق تمام

تا یقیں گردد مرا ایقان تو　　　و اعتقاد خوب با برہان تو

پس امیرش گفت خامش کن برو　　　تا نگردد جانت زیں جرأت گرو

کے رسد مر بندہ را کو با خدا　　　آزمایش پیش آرد ز ابتلاء

بندہ را کے زہرہ باشد کز فضول　　　امتحان حق کند اے گیج و گول

آں خدا را می رسد کو امتحاں　　　پیش آرد ہر دمے با بندگاں

تا بما ما را نماید آشکار　　　کہ چہ داریم از عقیدہ در سرار

ہیچ آدم گفت حق را کہ ترا ۔۔۔ امتحاں کردم دریں جرم و خطا

تا بہ بینم غایت حلمت شہا ۔۔۔ وہ کرا باشد مجال ایں کرا

عقل تو از بسکہ آمد خیرہ سر ۔۔۔ ہست عذرت از گناہ تو بتر

آنکہ او افراشت سقف آسماں ۔۔۔ تو چہ دانی کردن او را امتحاں

اے ندانستہ تو شر و خیر را ۔۔۔ امتحاں خود را کن آنگہ غیر را

امتحاں خود چو کردی اے فلاں ۔۔۔ فارغ آئی ز امتحان دیگراں

چوں بدانستی کہ شکر دانۂ ۔۔۔ پس بدانی کاہل شکر خانۂ

پس بداں بے امتحانے کہ الٰہ ۔۔۔ شکرے نفرستدت نا جایگاہ

ایں بداں بے امتحان از علم شاہ ۔۔۔ چوں سرے نفرستدت در پایگاہ

ہیچ عاقل افگند درِّ ثمیں ۔۔۔ در میان مستراح پر چمیں

زانکہ گندم را حکیم آگہے ۔۔۔ ہیچ نفرستد بانبار گہے

شیخ را کہ پیشوا و رہبر ست ۔۔۔ گر مریدے امتحاں کرد او خر ست

امتحانش گر کنی در راہ دیں ۔۔۔ ہم تو گردی ممتحن اے بے یقیں

جرأت و جہلت شود عریان و فاش ۔۔۔ او برہنہ کے شود زیں افتتاش

گر بیاید ذرہ سنجد کوہ را ‏‏‏ ‏ بر درد زاں کہ ترازوش ای فتی

کز قیاس خود ترازو می تند ‏ ‏ مرد حق را در ترازو میکند

چوں نگنجد او بمیزان خرد ‏ ‏ پس ترازوے خرد را بر درد

امتحاں ہمچوں تصرف داں درو ‏ ‏ تو تصرف بر چناں شاہی مجو

چوں تصرف کرد خواہد نقشہا ‏ ‏ بر چناں نقاش بہر ابتلا

امتحانے گر بدانست و بدید ‏ ‏ نے کہ ہم نقاش آں بروے کشید

چہ قدر باشد خود ایں صورت کہ ہست ‏ ‏ پیش صورتہا کہ در علم ویست

وسوسۂ ایں امتحاں چوں آمدت ‏ ‏ بخت بد داں کامد و گردن زدت

چوں چنیں وسواس دیدی زود زود ‏ ‏ با خدا گرد و درآ اندر سجود

سجدہ گہ را تر کن از اشک رواں ‏ ‏ کاے خدایا وارہانم زیں گماں

آں زماں کت امتحاں مطلوب شد ‏ ‏ مسجد دین تو پر خروب شد

ہیں چو وسواس آمدت در امتحاں ‏ ‏ باز گرد و بحق آر آں زماں

تا نگہدارد ترا آں ممتحن ‏ ‏ از گمان و امتحان انس و جن

اے ضیاء الحق حسام الدیں بیا ‏ ‏ قصۂ داؤد برگو و بنا

محبوبہ نے کہا تھا "دو کے رسد ہمچوں توئے را کز منی + امتحاں ہمچو من یارے کنی"۔ اسپر مولانا مضمون ارشادی بیان فرماتے ہیں جسکا حاصل یہ ہے کہ آدمی کو خود اپنا امتحان کرنا چاہیے نہ کہ

کسی اور کا کیونکہ یہ نہایت بُری بات ہے۔ اور برائی کی مقدار ممتحن اور ممتحن کے مراتب کے لحاظ سے ہے
چنانچہ حق سبحانہ کا امتحان نہایت مذموم ہے۔ اور شیخ کا امتحان اس سے کم۔ وغیرہ وغیرہ یہ
حاصل تھا اب تفصیل سنو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی معاندا ور مخالف نے جو کہ عظمت
خداوندی سے واقف نہ تھا۔ ایک نہایت عالیشان مکان کی چھت پر یہ سوال کیا۔ کہ میں خدا کے
حافظ ہونیکو نہیں مانتا مگر آپ اُسکے حافظ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو کیا آپ اُسکو دل سے ایسا
جانتے ہیں یا محض آپکا زبانی دعویٰ ہے۔ اور دل سے آپ بھی نہیں مانتے۔ انھوں نے فرمایا کہ
ہاں ہم تصدیق کرتے ہیں کہ وہ غنی ہے اور باوجود غنی ہونے کے بچپن اور وقت وجود سے ہماری
ہستی کا محافظ ہے۔ اس نے کہا اچھا تو آپ اپنے کو کوٹھے سے گرا دیجئے اور خدا کی حفاظت
پر کامل بھروسہ رکھئے۔ تاکہ مجھے معلوم ہو جاوے کہ آپ واقعہ میں اسکا یقین رکھتے ہیں اور آپ
لوگوں کا محض زبانی دعویٰ نہیں ہے۔ اور مجھے آپکا عمدہ اور مدلل اعتقاد متیقن ہو جاوے اور اس سے
مجھے معلوم ہو جاوے کہ خدا حافظ ہے کیونکہ اب تک تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ خود آپ لوگ بھی خدا کو
حافظ نہیں جانتے۔ بلکہ یہ آپ لوگوں کا اختراع ہے اور جبکہ آپ گرینگے تو مجھے معلوم ہو جاویگا
کہ آپ لوگ دل سے اسکے معتقد ہیں اور اس سے میں سمجھ لونگا کہ خدا حافظ ہے۔ گو یہ علم موجب
یقین نہو سگر موجب طمانیت ضرور ہوگا۔ کیونکہ اس سے اتنا معلوم ہوگا کہ آپ کے اس اعتقاد کا کوئی
منشا ہے جو کہ معمولی نہیں ہے نیز آپ کے گرنے کے بعد دو حالتیں ہونگی یا تو آپ محفوظ رہینگے یا نہ رہینگے
اگر آپ محفوظ رہے تو میں سمجھ لونگا کہ آپکا دعویٰ سچا ہے اور اگر محفوظ نہ رہے تو سمجھونگا کہ جھوٹا ہے
یہ تقریر تھی اعتراض کی اب سمجھو کہ اس سوال میں دو احتمال ہیں یا تو مقصود یہ ہو کہ حضرت علی کو
اُبھار کر کوٹھے سے گرا دیا جاوے۔ تاکہ انکا خاتمہ ہو جاوے۔ اور یہ اسکی ملمع کاری ہو۔ دوسرا
یہ کہ اس سے تحقیق حق مقصود ہو بہرصورت اسکے دو جواب ہیں ایک عام دوسرا خاص خاص
جواب تو یہ ہے کہ اولاً خدا کا حافظ ہونا یا اسکے حافظ ہونیکا ہمارا معتقد ہونا۔ اسکو مستلزم نہیں کہ
ہم کوٹھے سے گریں کیونکہ ہم سے اُسکا وعدہ نہیں کیا گیا کہ تم کوٹھے سے گروگے تو ہم بچالیں گے
بلکہ ایسا کرنے کی ممانعت کیگئی ہے۔ نیز اُسکے حفیظ ہونے کے یہ معنی بھی نہیں کہ وہ ہر حالت میں
حفاظت کرتا ہے اور کبھی ہلاک ہونے ہی نہیں دیتا۔ اس جواب کے اندر دو احتمال ہیں یا تو

خود امیر المومنین ہی نے غیر ضروری سمجھا ہو اور جواب عام کو کافی سمجھا ہو۔ یا یہ کہ مولانا نے غیر متعلق بالمقام سمجھکر ترک کر دیا ہو۔ عام جواب یہ ہے کہ میرے گرانے اور میرے اعتقاد کے جانچنے سے تمھارا مقصود خدا کا امتحان کرنا ہے۔ کہ وہ حافظ ہے یا نہیں۔ اور خدا کی امتحان کا تمکو کوئی حق نہیں اس جواب کو مولانا بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امیر المومنین نے فرمایا کہ چپ رہ اور جا ایسا نہو کہ اس گستاخی کی سزا میں تیری جان محبوس قہر الٰہی ہو جاوے تو خدا کا امتحان لیتا ہے بندہ کو کیا حق ہے کہ امتحان کیلئے کوئی صورت امتحان خدا کے سامنے پیش کرے۔ اور اوبیوقوف احمق بندہ کی کیا طاقت ہی کہ بیہودگی سے خدا کا امتحان کرے ہاں خدا کو حق حاصل ہے کہ ہر وقت امتحان کی ایک نئی صورت بندہ کے سامنے پیش کرے نہ اسلئے کہ خود کوئی علم غیر حاصل حاصل کرے بلکہ اسلئے کہ ہم پر ظاہر ہو جاوے کہ ہمارا مخفی عقیدہ اسکی نسبت کیا ہے۔ تو غور تو کر کہ جب آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی اور اسپر وہ معتوب بعتاب شفقت ہوئے تو کیا اسوقت اونھوں نے یہ کیا تھا کہ میں نے اس قصور سے آپکا امتحان کیا تھا کہ مجھے معلوم ہو جاوے۔ کہ آپ کس درجہ حلیم ہیں تو بہ توبہ کسکی مجال ہے کہ ایسا کرے تیری عقل نہایت مختل ہے اور تیرا عذر امتحان جرم گستاخی سے بدتر ہے۔ بھلا جس نے اپنے کمال علم و حکمت و قدرت سے سقف آسمان کو بلند کیا ہے۔ اسکے امتحان کرنے کا تجھے کیا سلیقہ۔ اب یہاں سے مولانا انتقال فرماتے ہیں اور خطاب کو عام کرکے کہتے ہیں کہ اے مخاطب جاہل جو کہ نہایت قلیل علم رکھتا ہی اور جو کہ شر و خیر سے بخوبی واقف نہیں ہے پہلے اپنا امتحان کرلے جب تجھے معلوم ہو جاوے کہ تجھ میں کوئی نقص نہیں جو کہ ناممکن ہی اسوقت کسی اور کا امتحان کر میں سچ کہتا ہوں کہ جب تو اپنا امتحان کریگا تو تجھے اسی سے فرصت نہ ہوگی اور دوسروں کے امتحان سے بیفکر ہو جائیگا جب تو نے اپنا امتحان کرلیا اور تجھے معلوم ہو گیا کہ میں شکر کا دانہ اور کامل ہی تو اس سے تجھے یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ میں شکر خانہ اور مقام کریم میں رہنے کے قابل ہوں پس بدون امتحان کے تجھے یہ جان لینا چاہئے کہ جب تو شکر ہے تو خدا تجھے بے جگہ نہ بھیجے گا۔ اور حق سبحانہ کے علم کامل کی بنا پر بدون امتحان کے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جب تو سر ہے تو وہ تجھے پاؤں کی جگہ نہ بھیجیگا کیونکہ خدا علیم و حکیم ہے۔ اور کسی عاقل کا یہ شیوہ نہیں ہے کہ وہ قیمتی موتی کو گوہ

سے بھرے ہوئے پاخانہ میں ڈالدے - نیز اسلئے کہ کوئی حکیم دانا گیہوں کو کبھی بھوسے کی انبار میں نہیں ڈالتا - پس خلاصہ یہ کہ جب تمہیں حق سبحانہ کے حسن معاملہ کو معلوم کرنا ہو تو خدا کا امتحان نکرو بلکہ خود اپنے کو دیکھ لو - کہ تم اچھے ہو یا نہیں - اگر تم اچھے ہو تو تمکو یقین رکھنا چاہیئے کہ ہم سے اچھا ہی معاملہ کیا جاویگا - اور اگر اچھے نہیں ہو تو اچھے ہونے کی کوشش کرو - اب جو کہ جسطرح حق سبحانہ کا امتحان بندہ کو زیبا نہیں یوں ہی شیخ بنا لینے کے بعد شیخ کا امتحان بھی مرید کو مناسب نہیں - اگر کوئی مرید اپنے شیخ کا جسکو وہ اپنا پیشوا اور رہبر سمجھ چکا ہے امتحان کرے تو وہ نہایت احمق ہے - اگر تو دین کے رستہ میں اپنے شیخ کا امتحان کریگا تو یہ اسکا امتحان نہوگا بلکہ اس سے خود تیرا امتحان ہوجاویگا کیونکہ اس سے تیری گستاخی اور جہالت ظاہر ہوگی اس تفتیش سے اسکی حالت کا پتہ نہیں چل سکتا - کیونکہ اگر ذرہ پہاڑ کو تولنے آوے تو اس سے پہاڑ تو نہ تل سکیگا - ہاں اس پہاڑ سے خود اسکی تراز و پھٹ جاویگی - پس یہی حالت اس مرید کی ہی کیونکہ یہ اپنے قیاس کو ترازو بناتا ہے - اور ایک اللہ والے کو اس ترازو میں رکھتا ہے پس جبکہ وہ اسکی عقل کی ترازو میں نہ سما سکیگا تو لامحالہ اسکی عقل کی ترازو پھٹ جائیگی - پس اے مرید تو سمجھ لے کہ شیخ کا امتحان کرنا اسپر ایک قسم کا تصرف کرنا ہے اور تجھے نہیں چاہیئے کہ ایسے بادشاہ پر تصرف کرے بلکہ خود اپنے کو اسکا تختۂ مشق تصرف بنانا چاہیئے - پس جبکہ مرید کو شیخ کے امتحان کا مجاز نہیں - تو مخلوقات امتحان کیلئے ایسے خالق کامل پر کیونکر تصرف کرسکیں گے جسکے تصرف سے انکی کوئی چیز باہر نہیں - چنانچہ اگر انھوں نے امتحان کی کوئی صورت تجویز کی اور سمجھی ہے یہ بھی اسی کا تصرف ہے اور یہ تصویر بھی اسی نے بنائی ہے - ورنہ امتحان کرنا تو در کنار خود صورت امتحان بھی ان کے ذہن میں نہ آتی یہ تصویریں جو اس نے بنائی ہیں اور یہ مخلوقات جو اس نے پیدا کی ہیں انکی تو اسکی ان صورتوں کے سامنے جو اس کے علم میں ہیں اور جن پر وہ قادر ہیں کوئی بھی حقیقت نہیں بلکہ وہ تو ان سے کہیں زیادہ عمدہ صورتیں بنانے پر قادر ہے - پس جسکی یہ شان ہو اُسکے امتحان کا کسی کو کیا مجاز ہے - لہذا اگر کبھی اسکے امتحان کا وسوسہ آئے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ کھوٹے دن آگئے اور موت کا وقت آگیا - کیونکہ جب چیونٹی کے موت کے وقت آتے ہیں تو اسکے پر نکلتے ہیں اس سے بچنے کی صورت ہے

کہ جب بار بار یہ وسوسہ آئے تو خدا کی طرف متوجہ ہو اور سجدہ میں جاؤ۔ اور اتنا رو و کہ سجدہ گاہ تر ہو جاوے۔ اور کہو کہ اے اللہ تو مجھے اس خیال سے نجات دے۔ یاد رکھو کہ جب تمہیں امتحان کی خواہش ہوئی اسی وقت سمجھ لینا چاہیئے کہ ہماری دین کی مسجد میں خروب گھاس پیدا ہو گیا ہے جسکی خاصیت یہ ہے کہ جس مکان میں وہ پیدا ہوتا ہے اسے ویران کر دیتا ہے یعنی تمھاری دین کی بربادی کا سامان ہو گیا ہے۔ پس جبکہ تمھیں امتحان کا وسوسہ آئے فوراً توبہ کرو۔ اور حق سبحانہ کی طرف متوجہ ہو۔ تاکہ وہ مستحق امتحان تمہیں اس وسوسۂ شیاطین انس و جن کے اس امتحان سے بچا وے جنمیں تم مبتلا ہو گئے ہو۔ یا آیندہ مبتلا ہونیکا اندیشہ ہے کیونکہ یہ وسوسہ بھی شیطانی ہے۔ جو کہ خود بھی امتحان ہے اور دروازہ ہے دیگر امتحانوں کا یہ گفتگو تو ختم ہوئی۔ بس اب ضیاء الحق حسام الدین آپ تشریف لائیں اور چونکہ اوپر گیاہ خروب کا تذکرہ آگیا ہے اسلئے داؤد علیہ السلام کا قصہ اور بنائے بیت المقدس کا واقعہ بیان فرمائے جسمیں خروب کی تاثیر کا بیان ہے۔

چوں در آمد عزم داودی بہ تنگ | کہ بسازد مسجد اقصےٰ بسنگ
نیست در تقدیر ما آنکہ تو ایں | مسجد اقصےٰ بر آرے اے گزیں
گفت جرمم چیست آئے دانائے راز | کہ مرا گوئی کہ مسجد را مساز
گفت بے جرمے تو خونہا کردۂ | خون مظلوماں بگردن بردۂ
کہ ز آواز تو خلقے بے شمار | جاں بدادند و شدند آنرا شکار
خون بے رفت است بر آواز تو | بر صدائے خوب جان پرداز تو
گفت مغلوب تو بودم مست تو | دست من بربستہ بود از دست تو
نے کہ ہر مغلوب شد مرحوم بود | نے کہ المغلوب کالمعدوم بود

گفت اے مغلوب معدومیت کو
جز بہ نسبت نیست معدوم الفتو

اینچنیں معدوم کو از خویش رفت
بہترین ہستہا افتاد زفت

او بہ نسبت با صفات حق فناست
در حقیقت در فنا او را بقاست

جملہ ارواح در تدبیر اوست
جملہ اشباح ہم تاثیر اوست

آنکہ او مغلوب اندر لطف ماست
نیست مضطر بلکہ مختار ولاست

منتہائے اختیار آنست خود
کاختیارش گردد اینجا مفتقد

اختیارش گر نبودی چاشنی
کے بگشتے آخر او محو از منی

درجہاں گر لقمہ و گر شربت است
لذت او فرع محو لذت است

گرچہ از لذات بے تاثیر شد
لذتے بود او و لذت گیر شد

ہر کہ او مغلوب شد مرحوم گشت
در بحار رحمتش معدوم گشت

نے چناں معدوم کز اہل وجود
ہیچ بروے چیر یدا اندر گاہ جود

بلکہ واے گشت موجودات را
بے گمان و بے نفاق و بے ریا

بے مثال و بے مکاں و بے نشاں
بے زبان و بے چنین و بے چناں

بے شکال و بے سوال و بے جواب
دم مزن واللہ اعلم بالصواب

جبکہ داؤد علیہ السلام مسجد اقصےٰ بناتے بناتے دق ہو گئے اور وہ ہر دفعہ گر پڑتی تھی تو آپ نے سوچا کہ اب کے پختہ اور پتھر کی بنانی چاہیے۔ اسوقت حق سبحانہ کی طرف سے وحی آئی۔ کہ

آپ اس خیال کو چھوڑ دیجئے۔ اسلئے کہ یہ عمارت تمھاری ہاتھ سے نہ بن سکے گی۔ کیونکہ ہمنے یہ امر مقدر بھی نہیں کیا۔ کہ یہ مکان تمھارے ہاتھ سے بنجاوے۔ اسپر انھوں نے عرض کیا کہ میرا کیا قصور ہے جو میں اس شرف سے محروم کیا جاتا ہوں۔ اور مجھسے کہا جاتا ہی کہ تو مسجد نہ بنا۔ اسپر حکم ہوا کہ تم نے بے قصور بہت سے خون کئے ہیں اور ان مظلوموں کا خون اپنی گردن پر لیا ہے۔ اور وجہ اسکی یہ ہے کہ بہت سی مخلوق نے تمھاری آواز سے جان دیدی ہے اور وہ اسکا شکار ہوگئی ہے۔ اور تمھاری آواز اور تمھاری جان لیوا صدا کے سبب بہت سے خون ہوئے ہیں اونھوں نے معذرت کی کہ میں تو آپکا مغلوب اور آپکا مست تھا اور میرا اختیار آپ کے اختیار سے وابستہ تھا اور جو کوئی آپکا مغلوب ہو اُسکو مرحوم ہونا چاہیئے نہ کہ مقہور کیونکہ مغلوب تو بمنزلہ معدوم کے ہے میری فہم ناقص تو یہی حکم کرتی ہے اب آپ میری غلطی کو ظاہر فرمادیں اسپر حکم ہوا کہ تم مغلوب ضرور ہو۔ مگر معدوم یا مثل معدوم نہیں ہو کہ تمھارے افعال قابل تعرض ہی نہ رہیں تم کو ایسی بات نہ کہنی چاہیئے کیونکہ تمھاری معدومیت اضافی ہے نہ کہ حقیقی اور ایسا معدوم جو اپنے کو مرضیات حق میں فنا کرچکا ہو حقیقی معدوم کہلانے کا مستحق نہیں بلکہ وہ تو دیگر موجودات میں بہتر اور اعلی درجہ کا موجود ہے اور دیگر موجودات اسکے مقابلہ میں معدوم ہیں۔ پس جبکہ دیگر موجودات کے افعال قابل تعرض ہیں تو تم اپنے کو معدوم بتا کر کیسے بری الذمہ ہوتے ہو۔ سنو وہ معدوم جو خودی کو فنا کرچکا ہے گو ہمارے صفات کے مقابلہ میں معدوم ہے لیکن حقیقت میں اسکے لئے اس فنا میں بھی ایک اعلیٰ درجہ کی بقا ہے۔ کیونکہ ارواح اُسکے زیر تصرف اور تمام اجسام اُسکے زیر قدرت ہیں (جیسا عنقریب اسکی شرح آتی ہے) اسلئے جو شخص ہمارے لطف میں مغلوب ہے وہ حقیقت میں مضطر نہیں بلکہ مختار ہے جسکو وہ اختیار ہماری دوستی سے ملا ہے اسکو وہ اضطرار سمجھتا ہے یہ اسکی غلطی ہے بلکہ یہ اسکا انتہائی اختیار ہے کہ اُسکا اختیار ہمارے اختیار میں محو ہوجاوے۔ اسلئے کہ پہلے تو صرف اسی کا اختیار تھا اب ہمارا اختیار بھی اسکا معاون ہوگیا۔ اور جسطرح وہ اپنے اختیار سے کام لیتا تھا قریب قریب اسیطرح اب وہ ہمارے اختیار سے کام لیتا ہے۔ اور یہی وہ اختیار ہے جسکی لذت نے اُسے اپنی خودی کے مٹانے پر مجبور

کیا ہے کیونکہ اگر اسے اس اختیار کی چاٹ نہ ہوتی۔ تو بھلا کہیں وہ خودی کو مٹا سکتا تھا۔ ہم نے کہا ہے کہ فنائے اختیار ہی کمال اختیار ہے۔ اور اسکی چاٹ نے اُسے فنائے اختیار پر مجبور کیا ہے۔ شاید یہ مضمون آسانی سے تمھاری سمجھ میں نہ آئے اسلئے ہم اسکو ایک حسی مثال سے ظاہر کرتے ہیں دیکھو دنیا میں جتنی کھانے پینے کی چیزیں ہیں سب کی لذت کاملہ انکی لذت ناقصہ کے مٹا دینے پر متفرع ہے۔ اسلئے کہ لذت حسیہ کے دو درجے ہیں ایک لذت مع الاحساس پہلا دوسری وہ لذت جسمیں لذت کا بھی احساس نہ رہے۔ لذت اول ناقصہ ہے اور لذت ثانیہ کاملہ جسکو مولانا نے محو لذت سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور لذت ثانیہ اسی وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ پہلی قسم کی لذت نہ رہے پس جبکہ وہ لذات ناقصہ کو فنا کرتا ہے تو اگرچہ وہ لذات ناقصہ سے غیر متاثر ہوتا ہے مگر اس سے ہی اسے لذت حاصل ہوتی اور مزہ ملتا ہے۔ اور اسی مزہ کے حاصل کرنے کیلئے وہ لذات ناقصہ کو فنا کرتا ہے۔ اب دونوں باتیں آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہیں۔ یہ بھی کہ فنائے اختیار اختیار کامل ہے۔ اور یہ بھی کہ وہ اختیار کامل ہی کے لذات کیلئے اختیار ناقص کو فنا کرتا ہے یہ سچ ہے کہ جو شخص مغلوب حق ہو جاتا ہے مرحوم ہو جاتا ہے۔ اور اسکے بحار رحمت میں فنا ہو جاتا ہے لیکن وہ ایسا معدوم نہیں ہوتا۔ کہ کوئی موجود غیر فانی تصرف میں اسپر غالب آجائے بلکہ یہ شخص ایک اعتبار سے تمام موجودات پر حاکم ہوتا ہے کیونکہ موجودات کے حاکم حقیقی کیساتھ اسے اتحاد عرفی ہوتا ہے اور وہ لو اقسم علی اللّٰہ لابرہ کا مصداق ہو جاتا ہے اسلئے اسکی یہ حالت ہو جاتی ہے جیسے وہ خود حاکم ہو اور اسوقت اسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ نہ اسے شک ہوتا ہے نہ اسمیں نفاق ہوتا ہے اور نہ ریا ہوتی ہے اور صفات ربانیہ کے غلبہ سے اسکی یہ حالت ہوتی ہے جیسے بے مثال اور بے مکان اور بے نشان اور بے زبان اور بے کیف ہو نہ اسے کوئی اشکال ہوتا ہے اور نہ سوال وجواب کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ اسپر حقائق مکشوف ہوتے ہیں۔ اور یہ نفی اشکال وسوال وجواب اضافی ہے ورنہ خود حضرت داؤد کو ہی اشکال ہوا اور سوال و جواب کی ضرورت ہوئی۔ اچھا اب خاموش رہو۔ ہم جسقدر سمجھے تھے وہ بیان کر دیا اور امر صواب کو خدا ہی خوب جانتا ہے۔

اس مقام پر بعض امور تحقیق طلب ہیں اسلئے انکی تحقیق کیجاتی ہے۔ اول یہ کہ مغلوبیۃ اور فنائے اختیار سے کیا مراد ہے۔ سو اسکا مطلب اختیار عبد کا غالب احوال ہیں مرضی حق سبحانہ کے تابع ہو جانا ہے نہ کہ اسکا فی نفسہ معدوم ہو جانا اور نہ تمام احوال ہیں اسکا تابع ہونا۔ کیونکہ پہلی صورت میں جبر لازم آئیگا اور دوسری صورت میں لازم ہوگا کہ اہل اللہ سے لغزش ہی نہو۔ وکلاھما باطل۔ دوسرے مقام ارواح واجسام پر حکومت۔ اور ان میں تصرف اور ان کے زیر تدبیر و قدرت اللہ داخل ہونے سے کیا مراد ہے۔ سو اسکے یہ معنی تو نہیں ہو سکتے کہ وہ حقیقۃ تمام ارواح واجسام میں اپنے اختیار سے تصرف کرتے ہیں کیونکہ یہ شرک جلی ہے۔ بلکہ معنی یہ ہیں کہ ان کا اختیار گو فی نفسہ اختیار محدود اور متناہی اور دیگر انسانوں کے مماثل ہوتا ہے۔ لیکن اختیار آلہی انکا معاون ہو جاتا ہے۔ اور جس چیز کو وہ چاہتے ہیں بشرطیکہ کسی حکمت آلہیہ کے معارض نہو وہ شے انکے چاہنے اور اپنے اختیار ناقص کو کام میں لانے سے باختیار خداوندی وجود میں آجاتی ہے جیسے شق قمر کا یہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی قدرت سے باہر تھا ہاں اسقدر انکے اختیار میں تھا کہ وہ اس فعل کو چاہیں اور اپنے اختیار کو جسقدر بھی ہے کام میں لائیں۔ چنانچہ آپ کے اختیار میں اتنا تھا کہ آپ اسے حکم کریں اسلئے آپنے انگلی کے اشارہ سے حکم کیا اور قدرت آلہیہ نے اسکی تکمیل کردی۔ اور اسکے دو ٹکڑے ہوگئے۔ اس بنا پر اگر مجازاً یوں کہا جاوے کہ چاند آپ کے اختیار میں ہے اور آپ کے تحت و تصرف میں ہے وغیرہ وغیرہ تو بتاویل مذکور بجا ہے۔ اسی مضمون کو مولانا نے دفتر ثالث میں ما رمیت اذ رمیت کی شرح میں بذیل سرخی جمع و تفریق میان نفی و اثبات یک چیز از روئے نسبت و اختلاف جہت واضح طور پر بیان کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے ما رمیت اذ رمیت از نسبت است + نفی اثبات است ہر دو مثبت است + آن تو افگندی چو بر دست تو بود + تو نیفگندی کہ قوت حق نمود + زور آدم زادہ را حدے بود + مشت خاک اشکست لشکر کے شود + مشت مشت تست افگندن زماست + زین دو نسبت نفی و اثباتش رواست + تیسری بات یہ ہے کہ لوگو نکا نہ مرنا حضرت داؤد علیہ السلام کے اختیار میں تھا پھر ان کے مرجانے پر آپکو عتاب کیوں ہوا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اہل اللہ جو حال اپنے اوپر طاری کرنا چاہیں کر سکتے ہیں اسلئے انکو چاہیے تھا کہ عوام کے مجمع میں اپنا اوپر

ایسا حال طاری نکرتے۔ جسکے پرتو کے قلوب عوام متحمل نہیں ہوسکتے تاکہ وہ ہلاکت سے بچ جاتے۔ لیکن انکو اس طرف التفات نہوا۔ اور وہ ہلاک ہو گئے۔ اسلئے تنبیہ فرمائی گئی ہے تاکہ اس امر کا لحاظ رکھیں۔

شرح شبیری

ایک یہودی کا علیؓ سے کہنا کہ اگر حفاظت حق پر اعتماد ہے تو اس کھڑکی ہی سے گر پڑو۔ اور حضرت علیؓ کا اُسکو جواب دینا

مرتضٰے را گفت روزے یک عنود　　کو ز تعظیم خدا آگہ نبود،

یعنی مرتضیٰ رض کو ایکروز ایک عنود نے جو کہ خدا کی تعظیم سے آگاہ نہیں تھا کہا کہ

بر سرِ بامی و قصرے بس بلند　　حفظ حق را واقفی اے ہوشمند

یعنی اے عاقل ایک بہت اونچے کوٹھے اور محل کے اوپر تم حفاظت حق کے معتقد ہو؟

گفت آرے او حفیظ است و غنی　　ہستئ ما را ز طفلی و منی

یعنی حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ ہاں وہ ہماری ہستی کا بچپن سے اور وجود کے وقت سے محافظ ہے اور غنی ہے۔

گفت خود را اندر افگن ہیں ز بام　　اعتمادے کن بہ حفظ حق تمام

یعنی اُس یہودی نے کہا کہ اپنے کو کوٹھے سے پھینک دو اور حفاظت حق پر پورا بھروسہ کرو۔

تا یقیں گردد مرا ایقان تو　　و اعتقاد خوب با برہان تو

یعنی تاکہ مجھے آپ کے یقین ہونیکا اور آپ کے اچھے اور مدلل اعتقاد کا یقین ہو جاوے

پس امیرش گفت خامش کن برو　　تا نگردد جانت زیں جرأت گرو

یعنی پس امیرؓ نے فرمایا کہ ارے چپکا چلا جا کہیں اس جرأت کی وجہ سے تیری جان گرو نہو جاوے اس لئے کہ۔

کے رسد مر بندہ را کو با خدا — آزمایش پیش آرد ز ابتلا

یعنی بندہ کو کب لائق ہے کہ خدا کی ساتھ امتحان کے طور پر آزمایش کو آگے لاوے۔

بندہ را کے زہرہ باشد کز فضول — امتحان حق کند ای گیج گول

یعنی ارے بیوقوف بندہ کی کیا مجال ہے کہ فضول حق تعالیٰ کا امتحان کرے۔

آں خدا را می رسد کو امتحاں — پیش آرد ہر دمے با بندگاں

یعنی اُس خدا کو لائق ہے کہ وہ ہر دم بندوں کے ساتھ امتحاں کو سامنے لاوے۔

تا بما ما را نماید آشکار — کو چہ داریم از عقیدہ در سرار

یعنی تاکہ ہمارے میں سے ہمکو ظاہر طور پر دکھلاوے۔ جو کہ ہم عقیدہ پوشیدگی میں رکھتے ہیں مطلب یہ کہ بندہ کی مجال نہیں ہے کہ وہ امتحان حق تعالیٰ کا کر سکے۔ بلکہ خدا کو حق ہے کہ وہ ہمارا امتحان کرے۔ اور ہماری حالت کو اس امتحان سے ہم پر ظاہر کر دے۔ کہ تمھارا عقیدہ ضعیف ہے یا قوی ہے۔ اور کیا حالت ہے باقی بندونکی کیا مجال ہے اور ان کو کیا مناسب ہے کہ وہ امتحان حق کریں۔

ہیچ آدم گفت حق را کہ ترا — امتحاں کردم دریں جرم و خطا

یعنی کیا کسی آدمی نے حق تعالیٰ سے کہا ہے کہ میں نے آپکا (نعوذ باللہ) اس جرم و خطا میں امتحان کیا ہے۔

تا بہ بینم نہایت حلمت شہا — وہ کرا باشد مجال ایں کرا

یعنی تاکہ اے بادشاہ میں آپ کے حلم کو دیکھوں ارے بھلا کسکو اسکی مجال ہے۔ مطلب یہ کہ بھلا کوئی آدمی خدا سے کہنے لگے کہ میں نے آپکا امتحان اسلیئے کیا تھا تاکہ مجھے معلوم ہو جاوے۔ کہ آپ کسقدر حلیم ہیں تو بھلا کسطرح کسی کو اسکی مجال ہو سکتی ہے نعوذ باللہ منہ۔

عقل تو از بسکہ آمد خیرہ سر — ہست عذرت از گناہ تو بتر

یعنی تیری عقل بہت ہی خیرہ سر ہے۔ اور تیرا عذر گناہ سے بھی بدتر ہے۔ مطلب یہ کہ اگر تم ایسا کرو اور نعوذ باللہ امتحان حق کرنے لگو تو سمجھ لو کہ تمھاری سخت بیہودگی ہے اور اگر اسکے بعد تم اسکا عذر یہ بیان کرو کہ میں نے آزمایش حلم کیلئے کیا تھا تو سمجھ لو کہ یہ عذر گناہ بدتر

از گناہ کا مضمون ہو جاویگا۔

آنکہ او افراشت سقف آسماں ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ تو چہ دانی کردن او را امتحاں

یعنی جس نے کہ آسمان کی چھت کو بلند کیا ہے تو اسکا امتحان کرنا کیا جانتے۔

اے ندانستہ تو شر و خیر را ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ امتحاں خود کن انگہ غیر را

یعنی ای وہ شخص کہ جو (اپنے) خیر و شر کو نہیں جانتا۔ تو اپنا امتحان تو کر اسوقت کسی دوسریکا امتحان کرنا۔

امتحاں خود چو کردی ای فلاں ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ فارغ آئی ز امتحان دیگراں

یعنی اے فلاں جب تونے اپنا امتحان کر لیا ہے تب تو دوسرے لوگوں کے امتحان سے فارغ آویگا۔ مطلب یہ کہ پہلے اپنی حالت کی تو خبر لے لو اسکے بعد ہی کسی دوسریکا امتحان کرنا

چوں بدانستی کہ شکر دانہ ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ پس بدانی کاہل شکر خانہ

یعنی جب تونے جان لیا کہ تو شکر دانہ ہے تو پھر جانے گا کہ شکر خانہ کے لوگوں میں سے ہے۔ مطلب یہ کہ جب تجھے معلوم ہو جاویگا کہ تو اچھا ہے اور جنتی ہے اسوقت تجھے کچھ کہنا زیبا ہے اور یہ معلوم ہوگا بعد مرنے کے لہذا اس سے پہلے کسی اور کا امتحان کرنا کسقدر سخت نادانی ہے جبکہ خود ہی خبر نہیں ہے کہ ہم کس حال میں ہیں اچھے یا برے۔

پس بداں بے امتحانے کہ آلہ ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ شکرے نفرستدت تا جائیگاہ

یعنی بس جان لو کہ بے امتحان کے حق تعالی تمھاری جگہ پر شکر نہ بھیجیں گے۔

ایں بداں بے امتحان از علم شاہ ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ چوں سرے نفرستدت تا پایگاہ

یعنی اسکو جان لو کہ علم شاہ میں سے بے امتحان کے کوئی بھید مقام تک نہ بھیجیں گے۔ مطلب یہ کہ بے امتحان کے حق تعالی کے علم سے تم کو کوئی سر پہونچ نہیں سکتا بلکہ ہمیشہ امتحان ہوگا

ہیچ عاقل افگند در ثمیں ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ درمیان مستراح پرچمیں

یعنی کیا کوئی عاقل قیمتی موتی کو میلا بھرے ہوئے بیت الخلاء میں ڈال دے گا۔

زانکہ گندم را حکیم آگہے ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ ہیچ نفرستد بانبار کہے

یعنی اسلئے کہ گیہوں کو کوئی حکیم آگاہ کسی گھاس کے ڈھیر میں تو نہ بھیجیگا۔ مطلب یہ کہ دیکھو

کوئی شخص موتی کو پاخانہ میں نہیں ڈال دیتا۔ بلکہ خوب سوچ سمجھکر اور دیکھ بھال کر ڈالتا اور رکھتا ہے علی ہذا کوئی شخص گیہونکو گھاس میں نہیں پھینکدیتا۔ تو بس اسی طرح حق تعالی بھی تمھارا امتحان کرینگے۔ اور بعد امتحان کے اسرار و معارف تمکو بخشیں گے لیکن تمکو کوئی حق نہیں ہے کہ حق تعالی کا امتحان کرو۔ اسلئے کہ تم بندے اور وہ خدا ہے۔ اور تم اُسکو کیا شے بخشوگے جو تم امتحان کرنے بیٹھو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

شیخ راکہ پیشوا و رہبر است ۔۔۔ گر مریدے امتحاں کرد او خر است

یعنی شیخ کا جو کہ پیشوا اور رہبر ہے اگر کوئی مرید امتحان کرے تو وہ گدھا ہے۔

امتحانش گر کنی در راہ دیں ۔۔۔ ہم تو گردی ممتحن اے بے یقیں

یعنی اس (شیخ) کا امتحان تم راہ دین میں کرو تو خود تم ہی ممتحن ہوجاؤ گے۔ ای بے یقین۔ مطلب یہ کہ اگر شیخ کا امتحاں مرید دین میں کرنے لگے تو خود اس مرید ہی کا امتحان ہوجاوے۔ اور اس ہی کی قلعی کھلجاوے اسلئے کہ خود ممتحن کیلئے بھی تو عالم ہونا ضروری ہے۔ اور تم ایسے ہو نہیں۔ اور اُس شیخ کے پایہ کے نہیں ہو تو آخر ذلیل و خوار ہوگے اور کیا ہوگا۔

جرأت و جہلت شود عریاں و فاش ۔۔۔ او برہنہ کے شود زیں اقتباس

یعنی جرأت اور جہل تیرا ظاہر اور فاش ہوجاویگا۔ اور وہ اس جستجو سے کب برہنہ ہوگا یعنی اس امتحان سے اُسکا تو کوئی ضرر نہوگا مگر تمھارا جہل سبکو معلوم ہو ہی جاویگا۔

گر بیاید ذرہ سنجد کوہ را ۔۔۔ بر درد زاں کہ ترازوش ای فتیٰ

یعنی اگر ذرہ آوے کہ پہاڑ کو تولے۔ تو اے جواں اس پہاڑ سے اُس ذرہ کی ترازو ٹوٹ جاویگی کیونکہ

کز قیاس خود ترازو می تند ۔۔۔ مرد حق را در ترازو می کند

یعنی اسلئے کہ اپنی لائق ہی ترازو بناویگا اور مرد حق کو ترازو میں کریگا۔

چوں نگنجد او بمیزان خرد ۔۔۔ پس ترازوئے خرد را بر درد

یعنی جب وہ عقل کی ترازو میں نہ سماوے تو وہ عقل کی ترازو کو توڑ دیگا۔ مطلب یہ کہ شیخ کی امتحان کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی ذرہ ایک پہاڑ کو تولنا چاہے تو ظاہر ہے کہ جیسا خود ذرہ ہے اسی طرح کی ترازو بھی ہوگی یعنی کمزور اور لچر ہوگی تو پہاڑ اسکو ایکدم میں توڑ دیگا۔ اسیطرح مرید

جب امتحان شیخ کریگا تو اُسکا آلہ امتحان بھی ایسا ہی ہوگا۔ جیسا وہ خود ہے۔ لہذا اس شیخ کے آگے اگر اُسکا آلہ امتحان ٹوٹ پھوٹ جاویگا۔

امتحاں ہمچوں تصرف داں درو　　　تو تصرف برچناں شاہے مجو

یعنی امتحان مثل تصرف کے اُسمیں جانو تو تم ایسے بادشاہ پر تصرف مت ڈھونڈو۔ مطلب یہ کہ کسی کا امتحان کرنا تو اُسکے اندر تصرف کرنا ہے تو بھلا ایسے شاہ زمین وزمان پر تصرف کرنے کی جرأت کرنا سخت نالائقی ہے ایسا خیال کبھی مت کرنا۔ کیونکہ۔

چوں تصرف کرد خواہد نقشہا　　　برچناں نقاش بہر ابتلاء

یعنی جب تصرف کریگا تو اسکو بہت سے نقوش کی ایسے نقاش پر امتحان کے واسطے ضرورت ہوگی۔ مطلب یہ کہ تصرف کیلئے ضرورت ہوتی ہے اس امر کی کہ اس سے پہلے سے بہت سے نقوش ایسے ہوں جن سے اندازہ ہو سکے کہ آیا یہ امتحان میں ٹھیک ہے یا غلط ہے تو بھلا حق تعالیٰ کے امتحان کیلئے کون سے نقوش آوینگے بلکہ اصل تو یہ ہے کہ۔

امتحانے گر بدانست و بدید　　　نے کہ ہم نقاش آں بروے کشید

یعنی اگر کوئی امتحان اسلئے جانتا ہے اور دیکھا ہے تو کیا اُس نقاش نے اسپر نہیں بنایا۔ مطلب یہ کہ جو امتحان یہ کر رہا ہے اسکو بھی تو حق تعالیٰ ہی نے اسے بتایا ہے ورنہ اسکو کہاں خبر تھی۔ اور اگر اسکو پیدا نہ فرماتے تو یہ امتحان کے قابل ہی کہاں سے ہوتے۔ اور اگر اسکے ذہن میں امتحان کی یہ صورت نہ ڈالتے تو یہ کہاں سے اسکو پیدا کر لیتے۔ لہذا اسی سے اندازہ کر لو کہ۔

چہ قدر باشد خود ایں صورت کہ بست　　　پیش صورتہا کہ در علم وے ست

یعنی اس شخص نے جو صورت باندھی ہے۔ یہ ان صورتوں کے آگے جو حق تعالیٰ کے علم میں ہیں کیا قدر رکھتی ہے۔ مطلب یہ کہ اُسکے علم کے آگے اسکا یہ خیال امتحان کیا حیثیت رکھتا ہے اُسکے علم میں ایسے ایسے غیر متناہی صورتیں ہیں اُسکے امتحان کا خیال کرنا بھی کیسی نادانی اور کیسی حماقت ہے آگے بطور نصیحت کے فرماتے ہیں کہ۔

وسوسۂ ایں امتحاں چوں آمدت　　　بخت بد داں کامد گردن زدت

یعنی اس امتحان کا وسوسہ تجھے آوے تو اسکو بدبختی سمجھو۔ کہ اُسنے تمہاری گردن ماری ہے۔

چون چنین وسواس دیدے زود زود　　با خدا گردو در آ اندر سجود

یعنی جب تو ایسا وسوسہ دیکھے تو جلدی سے خدا کی طرف متوجہ ہوجا۔ اور سجدہ میں آجا۔

سجدہ گہ را تر کن از اشک رواں　　کای خدایا وارہانم زین گماں

یعنی سجدہ کی جگہ کو آنسوؤں سے تر کردو۔ (اور دعا کرو) کہ اے خدا مجھے اس خیال سے بچالے۔

آن زماں کت امتحان مطلوب شد　　مسجد دین تو پر خروب شد

یعنی جسوقت کہ تجھے یہ امتحان مطلوب ہوا تیسے دین کی مسجد اسوقت خروب سے پر ہوگئی (خروب ایک گھاس ہے۔ وہ جہاں اوگتا ہے۔ زمین خراب کردیتا ہے) تو کہتے ہیں کہ جب تجھے ایسا خیال آیا کہ تو امتحان حق کرے تو سمجھ لے کہ تیرا دین خراب ہوگیا۔

ہیں چو وسواس آمدت در امتحاں　　باز گردو رو بحق آر آن زماں

یعنی ارے جب تجھے امتحان کے وسوسے آئیں تو تو حق تعالیٰ کیطرف متوجہ ہوا ور منہ حق تعالیٰ کی طرف موڑ۔

تا نگہدارد ترا آں ممتحن　　از گمان امتحان انس و جن

یعنی تاکہ وہ امتحان کرنے والا تجھے انسان اور جن کے وساوس امتحان سے بچائے یعنی جن اور انسان جو امتحان حق کے وسوسے ڈالتے ہیں اس سے حق تعالیٰ تمکو بچالیں اور اپنی حفاظت میں رکھیں چونکہ اوپر کہا تھا کہ اگر تم امتحان حق کروگے تو تمہارے دین کی مسجد یعنی دین پر خروب ہوجاویگا یعنی دین خراب ہوجاویگا۔ پس اس مناسبت سے آگے داؤد علیہ السلام کا مسجد اقصےٰ کو بنانے کا قصد کرنے کا اور پھر اُس مسجد کا خراب ہوجانا اور اسمیں خروب کا اوگنا غرضکہ صرف اس مناسبت سے آگے اُس قصہ کو اول سے بیان فرماتے ہیں اسیکو فرماتے ہیں کہ۔

اے ضیاء الحق حسام الدین بیا　　قصۂ داؤد بر گو و بنا

یعنی اے ضیاء الحق حسام الدین آؤ اور داؤد علیہ السّلام اور تعمیر مسجد کا قصہ بیان کرو۔ مطلب یہ کہ داؤد علیہ السّلام کے مسجد اقصےٰ کے بنانے کا قصہ بیان کرو کہ کس طرح وہ بنانا چاہتے تھے۔ اور وہ خراب ہو ہوجاتی تھی آگے قصہ بیان فرماتے ہیں سنئے۔

مسجد اقصےٰ کا قصہ اور اسمیں خروب گئی کا اور سلیمان علیہ السلام سے پہلے داؤد علیہ السلام کا مسجد کی بنانیکا قصد کرنا اور اسکا موقوف رہنا

چوں درآمد عزم داؤدی بہ تنگ — کہ بسازد مسجد اقصےٰ بہ سنگ

یعنی جب داؤد علیہ السلام کا قصد تنگ ہوگیا۔ کہ وہ مسجد اقصےٰ کو پتھر سے بناویں مطلب یہ کہ داؤد علیہ السلام یہ قصد کرتے تھے کہ مسجد اقصےٰ کو پتھر کی عمارت سے پوری کردیں لیکن جب وہ بناتے تھے اسمیں سے کچھ نہ کچھ خراب ہوجاتا تھا۔ اور وہ پوری نہوتی تھی۔ تو وہ قصد کرتے کرتے تنگ ہوگئے اور مسجد پوری نہوئی۔

وحی کردش حق کہ ترک این بخواں — کہ زدستت بر نیاید ایں مکاں

یعنی حق تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ تم اسکو چھوڑدو کہ تمھارے ہاتھ سے یہ مکان پورا نہ ہوگا۔

نیست در تقدیر ما آنکہ تو ایں — مسجد اقصےٰ برآری اے گزیں

یعنی اے برگزیدہ ہماری تقدیر میں یہ بات نہیں ہے۔ کہ تم اس مسجد اقصےٰ کو پورا کرو مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے جو امور مقدر کر رکھے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس مسجد اقصےٰ کو تم پورا نہیں کرسکتے۔ اور یہ تمھارے ہاتھوں پوری نہوگی۔

گفت جرمم چیست اے دانائے راز — کہ مرا گوئی کہ مسجد را مساز

یعنی داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے دانائے راز میری کیا خطا ہے کہ جو آپ مجھسے (تکوینًا) فرماتے ہیں کہ مسجد کو مت بنا مطلب یہ کہ جب مسجد ان کے ہاتھوں پوری نہوئی اور جب وہ بناتے تھے جب ہی کوئی خرابی اسمیں واقع ہوجاتی تھی۔ اگرچہ حق تعالیٰ نے اس سے قبل انکو صراحۃً ممانعت نہیں کی تھی کہ تم نہ بناؤ اور نہ اسکی اطلاع کی تھی کہ تقدیر حق اسطرح ہے کہ یہ مسجد تمھارے ہاتھوں پوری نہوگی۔ لیکن انکا یہ فرمانا کہ آپ مجھے منع فرماتے ہیں اس معنی کر ہے کہ آپ تکوینًا منع کررہے ہیں کہ میں بناتا ہوں اور آپ بننے نہیں دیتے تو آخر میرا کیا جرم ہے

جسکی وجہ سے یہ بات ہو رہی ہے۔ اور اب یہ معلوم ہو ہی گیا کہ میری تقدیر میں اسکو پورا کرنا ہے ہی نہیں۔ تو اسپر ارشاد ہوا کہ۔

گفت بی جرمے تو خونہا کردۂ　　خون مظلوماں بگردن بردۂ

یعنی ارشاد حق ہوا کہ تم نے بلا کسی جرم کے بہت سے خون کئے ہیں اور مظلوموں کے خون کو تم نے گردن پر لیا ہے۔

کہ ز آواز تو خلقے بے شمار　　جاں بدادند و شدند آنرا شکار

یعنی کہ تمھاری آواز سے ایک بیشمار خلقت نے جان دیدی ہے۔ اور اُس آواز کے شکار ہو گئے ہیں۔

خون بسے رفتست بر آواز تو　　بر صدائے خوب جان پرواز تو

یعنی تمھاری آواز پر بہت سے خون چلے ہیں تمھاری آواز خوب جان کی خالی کر دینے والی ہے۔ مطلب یہ کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا الٰہی میری کیا خطا ہے جو یہ مسجد میرے ہاتھوں پوری نہو گی تو اُسپر ارشاد ہوا کہ تمھاری یہ خطا ہے کہ تمھاری جو آواز اچھی ہے اس سے بہت سے لوگ مرے ہیں بس اسوجہ سے تمھارے ہاتھوں یہ کام پورا نہو گا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام زبور کی تلاوت فرماتے تھے تو اسقدر لوگوں پر گریہ طاری ہوتا تھا کہ لوگ روتے روتے مرجاتے تھے۔ اور آپکی مجلس میں سے کئی کئی جنازے ایک ساتھ اٹھا کرتے تھے۔ تو ارشاد حق ہوا کہ تمھارا یہ جرم ہے کہ تم نے بہت سے بیخطا لوگوں کا خون کیا ہے۔ اب یہاں یہ سمجھ لو کہ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس لوگوں کے مرجانے سے حضرت داؤد علیہ السلام نعوذ باللہ گنہگار ہوتے تھے اور ان لوگوں کے خون ان کی گردن پر رہتے تھے ہرگز نہیں حاشا وکلا۔ بلکہ بات یہ ہے کہ بعض امور میں تکوینا علاقہ ہوتا ہے کہ اگر ایسا ہو گا تو اسپر یہ اثر مرتب ہو گا۔ خواہ فاعل گنہگار ہو یا اسکو ثواب ملے جو بھی لیکن تکوینا بعض اشیاء میں علاقہ ہوتا ہے تو اسی طرح یہاں بھی حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز سے لوگوں کے مرجانے کو تکوینا اس سے علاقہ تھا۔ کہ یہ تعمیر مسجد اقصے نکر سکیں گے باقی اُنکو ذرہ برابر بھی اسکا گناہ نہوتا تھا۔ کہ کیوں یہ خون ہوئے خوب سمجھ لو۔ بس اُس

علاقہ تکوینی ہی کیوجہ سے وہ مسجدہ بنتی تھی اور اسکو جرم کہدینا صرف ظاہراً ہے ورنہ اصل جرم ہرگز نہیں ہے۔ خوب سمجھ لو۔ اسکو سنکر حضرت داؤد علیہ السلام عرض کرتے ہیں کہ۔

گفت مغلوب تو بودم مست تو　　دست من بربستہ بود از دست تو

یعنی داؤد علیہ السّلام نے عرض کیا کہ میں تو آپکا مغلوب اور آپکا مست تھا اور میرے ہاتھ تو آپ کے ہاتھ سے بندھے ہوئے تھے۔ مطلب یہ کہ انھوں نے عرض کیا کہ یا الٰہی اسمیں میرا کیا جرم ہے میں تو بالکل بے اختیار تھا تمام افعال سب آپ ہی صادر کراتے ہیں اسمیں میرا کیا اختیار تھا اور عرض کیا کہ۔

نے کہ ہر مغلوب شہ مرحوم بود　　نے کہ المغلوب کالمعدوم بود

یعنی کیا یہ بات نہیں ہے کہ مغلوب شہ مرحوم ہوتا ہے اور کیا یہ بات نہیں ہے مغلوب مثل معدوم کے ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ انھوں نے عرض کیا کہ جو شخص کسی کا تابع محض اور مغلوب ہے وہ تو قابل رحم ہوتا ہے۔ اور جو شخص مغلوب ہوتا ہے وہ تو معدوم کی طرح ہوتا ہے اسکا تو بذاتہ کوئی اختیار ہوتا ہی نہیں۔ تو پھر میری اسمیں کیا خطا ہے آگے اسکا جواب ہے جسکو اجمالاً حضرت والا دام ظلہم نے خود اپنے قلم سے تحریر فرماکر عطا فرمایا ہے اول اسکو بعینہٖ درج کرتا ہوں اسکے بعد ایک ایک شعر کا مطلب انشاء اللہ عرض کرونگا۔ وھوھٰذا۔ " گفت اے مغلوب الخ یہاں سے جواب ہے سوال داؤد علیہ السّلام کا کہ میں اس امر میں غیر مختار ہوں اور یہاں ایک نفس جواب ہے ایک ترقی فی الجواب ہے۔ پس نفس جواب تو یہ ہے کہ تم غیر مختار نہیں ہو بلکہ اس طرح مختار ہو کہ تلاوت بکیفیت خاص (کہ ایسے آثار کے ترتب کے انعدام کا قصد نہیں کیا) تمھارا فعل اختیاری ہے۔ اور اس سے یہ ہلاک ناشی ہوا۔ تو نظراً الی تقرب داؤد علیہ السّلام یہ امر خلاف اولیٰ ہوا۔ تم اسپر بھی قادر تھے کہ انعدام مذکور کا قصد کرتے تو یہ آثار مرتب نہوتے۔ تو ایسا کیوں نہ کیا۔ یہ تو نفس جواب ہوگیا۔ دوسرا ترقی فی الجواب ہے وہ یہ کہ تم ایسے مختار ہو کہ اوروں سے بھی زیادہ ہو اسطرح کہ تم فانی ہو اور فانی فی الحق بوجہ اتصاف بصفات الحق اختیار میں بھی اوروں سے اکمل ہے پس اشعار این چنین معدوم کو از خویش رفت الخ اسی ترقی جواب کی تقریر ہیں اور چونکہ ترقی فی الجواب نفس جواب کو بھی مستلزم ہے

اسلئے نفس جواب کی مستقل تقریر کی ضرورت نہوئی انتہی بلفظہ اب اس اجمال کو اشعار سے سمجھ لو۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔

گفت ای مغلوب معدومیت کو　　　جز بہ نسبت نیست معدوم انصتوا

یعنی ارشاد حق ہوا کہ اے مغلوب تیری معدومی کہاں ہے بجز معدوم نسبی کے نہیں ہے چپ رہو۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے عرض کرنے پر یہ ارشاد حق ہوا کہ تم مغلوب سہی لیکن اس سے عدم اختیار تو لازم نہیں آتا اسلئے کہ وہ جو عدم اختیار ہے وہ تو امر نسبی ہے کیونکہ انسان کی جو صفات ہیں وہ مظہر ہیں صفات حق کا تو اختیار انسانی بھی مظہر ہے اختیار حق کا سو اگر اس مظہریت کی نسبت سے دیکھو گے کہ باعتبار ظاہر کے اس مظہر میں کیا نسبت ہے اسوقت تو وہ مغلوب ہونگے اور فانی کہلائیں گے اور اگر قطع نظر اس مظہریت کے دیکھا جاوے تو اختیار موجود ہے کہ انسان جو کام کرتا ہے اپنے اختیار سے کرتا ہے لہذا اسپر جرم بھی قائم ہوتا ہے اور اس اختیار ہی کی بدولت اسکو انعامات بھی ملتے ہیں تو اب یہاں بھی حضرت داؤد علیہ السلام کے اختیار میں یہ بات تھی کہ اپنی اس کیفیت کو روک لیتے۔ کہ جس سے یہ آثار مرتب نہوتے۔ اسلئے کہ تجربہ ہے کہ اگر کوئی صاحب حال کسی امر کو بیان کرے تو اسکی تین صورتیں ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ وہ اس بیان کے وقت اس امر کا قصد بھی کرے کہ سامعین پر اس کا فلاں اثر مرتب ہو تو اس قصد سے جسکو کہ تصرف کہتے ہیں وہ اثر سامعین پر ہو جاتا ہے اگرچہ عارفین کاملین نے اس امر کو پسند نہیں کیا اسلئے کہ اسکے اندر بھی ایک استقلال اور خود مختاری جیسی شان ہے کہ یہ خود متصرف بنتے ہیں تو کاملین اور عارفین اسکو بھی پسند نہیں فرماتے۔ کہ ہم اپنے اتنے نام کے تصرف اور اختیار کو بھی ظاہر کریں جیسا کہ ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ العارف لا ھمۃ لہ۔ کہ عارف کو ہمت نہیں رہتی۔ اور ہمت سے مراد تصرف ہے یعنی عارف تصرف نہیں کیا کرتے۔ اسلئے کہ وہ اپنے کو اس درجہ کا سمجھتے ہی نہیں جو وہ تصرف کریں لہذا اگرچہ یہ کاملین کے نزدیک محمود نہیں لیکن اگر کوئی صاحب حال اس قسم کا تصرف کرنا چاہے تو اسکا اثر ضرور ہوتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نہ قصد تصرف ہو اور نہ کف ہو بلکہ طبیعت کو آزاد چھوڑ دیا جاوے کہ خواہ اثر مرتب ہو یا

نہو اسمیں بھی اثر ہوتا ہے تیسری صورت یہ ہے کہ یہ قصد کرے کہ اثر نہو اس صورت میں ہرگز اثر نہیں ہو سکتا۔ اسکی تائید میں ایک قصہ حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم کا جسکو راقم نے خود حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم سے ہی سنا ہے عرض کرتا ہے۔ وہ یہ کہ فرمایا کہ ایک مرتبہ کانپور میں محرم کے زمانہ میں بعض لوگوں کی یہ رائے ہوئی کہ آجکل جو سنی اکثر مرثیوں میں جاکر شریک ہوتے ہیں اور مجلس میں شریک ہوتے ہیں اسکی زیادہ وجہ یہ ہے کہ وہاں انکو حصے ملتے ہیں ورنہ اور کوئی غرض نہیں ہوتی اسلئے اگر یہاں بھی ایسا انتظام ہو جاوے کہ بطور وعظ کے بیان ہو جایا کرے جس سے لوگونکو احکام بھی معلوم ہوں گے اور وہاں جانے سے بھی رکیں گے غرض کہ اسکے لئے ایک مکان تجویز ہوا۔ اور اسمیں حضرت حکیم الامۃ نے بیان حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات سے لیکر بالترتیب آخیر تک سب کی وفات کا ایک ایک دن کیا تو ان بیانوں میں لوگوں کی یہ حالت ہوئی کہ ماہی بے آب کی طرح لوٹے جاتے تھے آخر ایکروز وہ ہوا کہ حضرت امام حسین رضؓ کی وفات کے بیان کا نمبر آیا۔ اسروز اکثر سنی اور تمام شیعی حضرات خوب اہتمام کرکے آئے تھے۔ کہ آج خوب روویں گے اور ماتم کریں گے لیکن حضرت حکیم الامۃ کو اسکا پہلے سے خیال تھا لہذا اسکا یہ انتظام فرمایا کہ بیان کے وقت یہ قصد فرمایا کہ کسی کو رونا نہ آوے اور اس بیان کا کسی پر اثر نہو۔ پس یہ قصد کرکے حضرت شہید کربلاؑ کی شہادت کا کل قصہ بیان فرما گئے اور کسی ایک شخص کا ایک آنسو بھی نہ گرا۔ حالانکہ بہت ہی کوشش بھی کی منہ بھی بنایا لیکن آنسو نہ نکل سکا بعد وعظ ہر شخص کو حیرت تھی کہ آج نہ معلوم کیا کر دیا ہے کہ باوجود اہتمام کے کوئی بھی نہ رو سکا۔ تو وجہ یہی تھی کہ روز تو طبیعت کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا اور آج کف اثر کا قصد کیا پس اثر نہ ہوا۔ اب سمجھو کہ حضرت داؤد علیہ السّلام پر جو جرم قائم کیا گیا اسکی بھی یہی وجہ تھی۔ کہ اگرچہ انکا یہ فعل غیر اختیاری تھا اور وہ مجبور تھے کیونکہ تمام افعال ان کے تابع تھے لیکن یہ چونکہ ابو الوقت اور ابو الحال تھے کہ نبی تھے اگر یہ قصد فرما لیتے کہ میری اس کیفیت کا اثر دوسرے پر نہو تو ہرگز اثر نہوتا اور وہ لوگ جو مر جاتے تھے نہ مرتے تو بس ان کے اختیار کو اسقدر دخل ہوا کہ انھوں نے اس کیفیت کے روکنے کا کیوں قصد نہ کیا۔ اگر قصد کف اثر کرتے تو ممکن نہ تھا کہ اثر ہو جاتا۔ جیسا کہ ابھی حضرت حکیم الامۃ

کے قصہ سے معلوم ہوا بھلا جب اس زمانہ میں بعض اولیاء اسپر قادر ہیں تو جو کہ انبیا تھے وہ
تو بدرجہ اولیٰ بلکہ اس سے بھی کہیں اور اول درجہ سے قادر تھے کہ اسکو روک لیتے اور اگرچہ
باوجود اس نہ روکنے کے بھی کوئی اسمیں گنہگار نہیں ہے۔ مثلاً کسی کامل پر یہ کیفیت ہو اور
وہ اسکو نہ روکے اور طبیعت کو آزاد رہنے دے اور اس سے کوئی مرجاوے۔ تو اسکو اس کا
کوئی گناہ نہیں ہے۔ لیکن حضرت داؤد علیہ السلام پر اس لئے جرم قائم ہوا کہ کسی نے کہا ہے
کہ حسنات الابرار سیئات المقربین۔ حضرت داؤد علیہ السلام چونکہ نبی تھے اسلئے ان سے کہا گیا
کہ تمکو کیوں اس طرف توجہ نہوئی۔ اور کیوں اسقدر جانوں کو ہلاک کیا۔ خوب سمجھ لو اب یہاں
ایک اشکال اور بھی ہوتا ہے کہ جس معنی کر حضرت داؤد علیہ السلام کو فانی کہا گیا اور کاملین
کو کہا جاتا ہے کہ وہ مظہر ہیں صفات حق کے اور ظاہر مظہر کے آگے فانی ہی ہوتا ہے۔ تو اس طرح
تو تمام عالم فانی ہی ہے۔ تمام عوام و خواص سب فانی ہیں پھر کاملین ہی کو کیوں اس لقب سے
ملقب کیا جاتا ہے تو بات یہ ہے کہ مابہ الفرق صرف اسقدر ہے کہ جو عوام ہیں وہ تو اس کا
مشاہدہ نہیں کرتے اگرچہ وہ مظہر ہیں لیکن انکو خبر نہیں اور وہ دیکھتے نہیں۔ اور کاملین دیکھتے ہیں
اور مشاہدہ کرتے ہیں لہذا ان کاملین کو فانی کہا جاتا ہے۔ اور انکو نہیں کہا جاتا فافهم
یہانتک تو اس نفس جواب کا ذکر تھا جسکو حضرت حکیم الامۃ کی تقریر میں اجمالاً آپ حضرات
سن آئے ہیں آگے اس جواب سے ترقی کرکے دوسرا جواب ارشاد ہوتا ہے جسکا اجمال تو پہلے
سن آئے ہیں آگے تفصیل سنئے ارشاد ہوتا ہے کہ۔

این چنین معدوم کو از خویش رفت ＊ بهترین ہستہا افتاد و زفت

یعنی ایسا معدوم جو کہ اپنے سے جاتا رہا۔ وہ تو سب موجودین سے بہتر اور قوی واقع ہوا۔

او بہ نسبت با صفات حق فناست ＊ در حقیقت در فنا او را بقا ست

یعنی وہ صفات حق کی نسبت کر تو فنا ہے اور حقیقت میں فنا میں اسکو بقا ہے مطلب یہ کہ
جس شخص نے کہ اپنی صفات کو صفات حق کا مظہر دیکھ لیا اور اسمیں انکو گم کر دیا اسکی صفات تو اور
موجودات کی صفات سے بہت زیادہ قوی ہونگی۔ اسلئے کہ وہ اپنی صفات کیلئے ایک
بہت بڑی زبردست قوت پاتا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ میری جسقدر بھی صفات ہیں وہ اس قادر

مطلق کی صفات کا ظل ہیں جو کہ اکمل بجمیع صفات الکمال ہے پھر جب اُسکو اسقدر بڑی
پشت و پناہ ملتی ہے تو اُسکو جسقدر قوت بھی ہو کم ہے تو بس جب کسی نے اپنے اختیار کو
اختیار حق کے تابع اور اُسمیں فنا مشاہدہ کر لیا۔ تو وہ تو اور سب سے زیادہ مختار اور صاحب
اختیار ہو گا اور اُسکا اختیار تو سب سے قوی ہو گا۔ لہذا حضرت داؤد علیہ السلام سے ارشاد ہوتا
کہ جب تم نے اپنے اختیار کو اختیار حق میں فنا کر ڈالا تو تم اور زیادہ مختار ہوئے نہ کہ غیر مختار
ہوئے پھر تمھارا کہنا کہ میں بے اختیار تھا کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے۔ اُسکی قدرت اور اُس کے
اختیار کی تو یہ حالت ہو جاتی ہے کہ

جملۂ ارواح در تدبیر اوست جملۂ اشباح در تاثیر اوست

یعنی تمام ارواح اُسکی تدبیر میں ہیں اور تمام اجسام اُسکی تاثیر میں ہیں مطلب یہ کہ وہ اسقدر
قوی ہو جاتا ہے کہ اگر تمام ارواح کی تدبیر اُسکے متعلق کر دی جائے تو وہ سب کی تدبیر اُسکے
اور پھر اُس تدبیر روحانی سے اجسام پر بھی آثار مرتب ہوں مثلاً اُس نے روح میں کوئی تدبیر
کی اُس سے خشوع پیدا ہوا تو جسم پر بھی خشوع کا اثر ہونے لگا۔ تو وہ موثر فی الاجسام و مدبر
فی الارواح ہو جاتا ہے لہذا حاصل ارشاد ہوتا ہے کہ۔

آنکہ او مغلوب اندر لطف ماست نیست مضطر بلکہ مختار ولاست

یعنی جو شخص کہ ہمارے لطف میں مغلوب ہو گیا وہ مضطر نہیں ہے بلکہ مختار ہے دوستی کا۔
مطلب یہ کہ ارشاد حق ہوتا ہے کہ جس نے اپنے اختیار کو ہمارے اختیار میں فانی مشاہدہ
کر لیا وہ اس قرب کی وجہ سے اور زیادہ مختار ہو گیا۔ وہ غیر مختار ہرگز نہیں ہے۔

منتہائے اختیار آنست خود کاختیارش گردد اینجا مفتقد

یعنی اختیار کا انتہائی درجہ خود یہ ہے کہ اُس (مختار) کا مختار اسجگہ (یعنی اختیار حق کے آگے)
گم ہو جاوے۔ مطلب یہ کہ جسکا اختیار مختار حقیقی کے آگے فنا اور گم ہو گیا اُسکو تو پورا اختیار
اور اسکا انتہائی درجہ ملیسر ہو گیا آگے فرماتے ہیں کہ۔

اختیارش گر نبودے چاشنی کے بگشتے آخر او محو از منی

یعنی اگر اختیار حق اُسکی چاشنی نہ ہوتی تو وہ ہستی سے محو کیوں ہوتا مطلب یہ کہ اگر اوسے

اختیار حق کا مشاہدہ نہ ہوگیا ہوتا تو وہ اپنی ہستی اور اپنے اختیار کو کیوں زائل کرتا اس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ اسکو کوئی ایسی لذت ملی ہے کہ جس سے اس نے اپنی ہستی کو بھی خیر باد کہدیا اور وہ اسمیں ہی محو ہوگیا۔ اور ضرور اسکو اسکے اختیار سے زیادہ کوئی اختیار حاصل ہوا ہے جس سے کہ وہ اپنے اختیار کو مٹا چکا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

درجہاں گر لقمۂ وگر شربت است　　لذت او فرع محو لذت است

یعنی جہاں میں اگر کوئی لقمہ اور کوئی شربت ہے تو وہ اس محو لذت ہی کی لذت ہی مطلب یہ کہ انکو جہان میں جس شے میں بھی لطف آتا ہے اور لذت ملتی ہے وہ اسی وجہ سے ملتی ہے کہ پہلے لذات کو مٹا چکے ہیں۔

گرچہ از لذات بی تاثیر شد　　لذتے بود او و لذت گیر شد

یعنی اگرچہ لذات سے بے تاثیر ہوگیا (لیکن) اسکی ایک لذت تھی جسکا وہ لذت گیر ہوا ہے مطلب یہ کہ اگرچہ بظاہر اس نے تمام لذات کو فنا کیا ہے لیکن اسکو ایک لذت ایسی ملگئی ہے کہ اس مجموعہ لذات میں بھی وہ لذت نہ تھی جو اس ایک میں ہے۔ اسلئے اس نے ان سبکو ترک کرکے ایک لذت کو لے لیا آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہر کہ او مغلوب شد مرحوم گشت　　در بحار رحمتش معدوم گشت

یعنی جو شخص کہ مغلوب ہوا وہ مرحوم ہوا اور حق تعالی کے بحار رحمت میں معدوم ہوا۔

نے چناں معدوم کز اہل وجود　　ہیچ بروے چیر باند در گاہ جود

یعنی نہ ایسا معدوم کہ موجودات میں سے کوئی اسپر وجود میں غالب آجاوے۔

بلکہ والی گشت موجودات را　　بے گمان و بی نفاق و بے ریا

یعنی بلکہ وہ تمام موجودات کا حاکم ہوگیا۔ بے شک و شبہ کے اور بے ظاہر داری کے۔ مطلب یہ کہ اسکا وجود تو تمام موجودات سے اکمل و اعلی ہوگا جیساکہ اوپر بیان کیا گیا نہ اسمیں کوئی شبہ ہے نہ اسمیں کوئی ظاہر داری ہے بلکہ نفس الامر یہی ہے اور اسکی شان بحیثیت مظہر حق ہونے کے یہ ہوتی ہے کہ

بے مثال و بے نشان و بی مکاں　　بے زمان و بی چنین و بی چناں

یعنی بے مثال اور بے نشان و مکان اور بے زمان اور بے کیف ہوتا ہے۔

بے اشکال و بی سوال و بی جواب · دم مزن و اللہ اعلم بالصواب

یعنی بے اشکال کے اور بے سوال کے اور بے جواب کے بس چپ رہو واللہ اعلم بالصواب۔ مطلب یہ کہ وہ درجۂ مظہریت میں بے مثالی وغیرہ وغیرہ سب ہی کچھ ہوتا ہے۔ نہ اسمیں کوئی اشکال ہے نہ اسپر کوئی سوال و جواب ہے بلکہ حقیقت یہی ہے بس آگے چپ رہو خدا کو خبر ہے کہ کیا بات ہے۔ پوری طرح بیان نہیں کر سکتے۔ لہذا واللہ اعلم بالصواب۔ آگے مولانا حق تعالیٰ کا داؤد علیہ السلام کو تسلی فرمانا اور اسکے آگے ارواح انبیاء و اولیاء اللہ کا باعتبار صفات کے متحد ہونا بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

پس خطاب آمد بداؤدؑ از خدا	کاے گزین پیغمبر نیکو لقا
دل مدار اندر تفکر زین خبر	رہ مدہ در خود ملال و غم مخور
گرچہ بر ناید بجہد و زور تو	لیک مسجد را بر آرد پور تو
گرچہ بر ناید بجہدت این مقام	لیک پور تو کند او را تمام
کردۂ او کردۂ تست اے حکیم	مومنان را اتصالے داں قدیم
مومنان معدود لیک ایمان یکے	جسم شاں معدود لیکن جان یکے
غیر فہم و جاں کہ در گاؤ خر ست	آدمی را عقل و جان دیگر است

باز غیر عقل و جان آدمی   ہست جانے در ولے و در نبی
جان حیوانی ندارد اتحاد   تو مجو این اتحاد از روح باد
گر خورد این نان نگردد سیر آن   در کشد بار این نگردد آن گران
بلکه این شادی کند از مرگ او   از حسد میرد چو بیند برگ او
جان گرگان و سگاں ہر یک جداست   متحد جانہائے شیران خداست
جمع گفتم جانہاشان من باسم   کان یکے جان صد بود نسبت بہ جسم
ہمچو آن یک نور خورشید سما   صد بود نسبت بصحن خانہا
لیک یک باشد ہمہ انوارشان   چونکه برگیری تو دیوار از میان
چون نماند جانہا را قاعدہ   مومناں باشند نفس واحدہ
فرق و اشکالات آید زین مقال   زانکه نبود مثل باشد این مثال
فرقہا بیحد بود از شخص شیر   تا بہ شخص آدمی زاد دلیر
لیک در وقت مثال ای خوش نظر   اتحاد از روئے جانبازی نگر
کان دلیر آخر مثال شیر بود   نیست مثل شیر در جملہ حدود
متحد نقشے ندارد این سرا   تا کہ مثلے وانمایم مر ترا
ہم مثال ناقصے دست آورم   تا ز حیرانی خرد را واخرم
شب بہر خانہ چراغے می نہند   تا بنور آن ز ظلمت می رہند
آن چراغ این تن بود نورش چو جان   ہست محتاج فتیل این و آن
وان فتیله پنج دارد از حواس   جملگی بر خواب و خورد دارد اساس

بے خور و بے خواب نزید نیم دم | با خور و با خواب نزید نیز ہم

بے فتیل و روغنش نبود بقا | با فتیل و روغن او ہم بیوفا

زانکه نور علتی اش مرگ جو است | چوں زید که روز روشن مرگ اوست

جمله حسهائے بشر ہم بے بقاست | زانکه پیش نور روز حشر لاست

نور حس و جاں ناپایان ما | نیست کلّی فانی و لا چوں گیا

لیک مانند ستاره و ماہتاب | جمله محو اند از شعاع آفتاب

آنچنانکه سوز و درد زخم کیک | محو گردد چوں در آید مار لیک

آب ذکر حق و زنبور ایں زماں | ہست یاد ایں فلاں و آں فلاں

دم بخور در آب ذکر و صبر کن | تا رہی از فکر و وسواس کہن

بعد ازاں تو طبع آں آب صفا | خود بگیری جملگی سر تا بپا

آنچناں کز آب آں زنبور شر | می گریزد از تو ہم گیرد حذر

بعد ازاں خواہی تو دور از آب باش | که بسر ہم طبع آبے خواجه تاش

پس کسانے کز جہاں بگذشته اند | لا نیند و در صفات آغشته اند

در صفات حق صفات جمله شاں | ہمچو اختر پیش آں خور بے نشاں

گر ز قرآں نقل خواہی اے حروں | خواں جمیع ہم لدینا محضروں

محضروں معدوم نبود نیک بیں | تا بقائے روحہا دانی یقیں

روح محجوب از بقایش در عذاب | روح واصل در بقا پاک از حجاب

زیں چراغ حس حیوان المراد | گفتمت ہاں تا نجوئی اتحاد

روح خود را متصل کن اے فلاں | زود با ارواح قدس سالکاں
صد چراغت ار مرند ار بیستند | پس جدا اند و یگانہ نیستند
زاں ہمہ جنگ اند ایں اصحاب ما | جنگ کس نشنید اندر انبیا
زانکہ نور انبیا خورشید بود | نور حس ما چراغ و شمع و دود
یک بمیرد یک بماند تا بروز | یک بود پژمردہ دیگر با فروز
جان حیوانے بود مے از غذے | ہم بمیرد او بہر نیک و بدے
گر بمیرد ایں چراغ و طے شود | خانہ ہمسایہ مظلم کے شود
نور آں خانہ چو بے ایں ہم بپاست | پس چراغ حس ہر خانہ جداست
ایں مثال جان حیوانی بود | نے مثال جان ربانی بود
باز از ہندوئے شب چوں ماہ زاد | در سر ہر روزنے نورے فتاد
نور آں صد خانہ را تو یک شمر | کہ نماند نور ایں بے آں دگر
تا بود خورشید تاباں بر افق | ہست در ہر خانہ نور او قتق
باز چوں خورشید جاں آفل شود | نور جملہ خانہا زائل شود
ایں مثال نور آمد مثل نے | مر ترا ہادی عدو را رہزنے
بر مثال عنکبوت آں زشت خو | پردہائے گندہ را بر بافد او
از لعاب خویش پردہ نور کرد | دیدۂ ادراک خود را کور کرد
گردن اسپ ار بگیرد بر خورد | ور بگیرد پاش بستاند لگد
کم نشیں بر اسپ توسن بے لگام | عقل و دیں را پیشوا کن والسلام

اندریں آہنگ منگر سست و پست	کاندریں رہ صبر و شق النفس است
باز گرد و قصۂ مسجد بگو	با سلیمانؑ نبی نیکخو،

خطاب مذکورہ بالا کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کو یوں خطاب ہوا کہ اے نیک لقا اور برگزیدہ پیغمبر آپ اس خبر سے فکر میں نہ پڑیئے اور اپنے اندر ملال کو راہ نہ دیجئے اور غمگین نہ ہو جیئے۔ اگرچہ یہ مسجد آپ کی کوشش اور قوت سے تیار نہو گی لیکن آپ کے صاحبزادے سلیمان اسکو تیار کریں گے اور یہ مقام عبادت اگرچہ آپ کی کوشش سے نہ بنے گا لیکن آپکے فرزند ارجمند اسکو مکمل کریں گے۔ اور انکا فعل آپ ہی کا فعل ہے اور آپکو سمجھنا چاہیئے کہ مومنین میں آپسمیں ایک اتصال و اتحاد ہے جسکی بنا پر ایک کا فعل دوسرے کا کہا جا سکتا ہے اسلئے کہ مومن گو متعدد ہیں لیکن انکا ایمان ایک ہی ہے کیونکہ متعلق سب کے ایمان کا ایک ہے۔ اور گو انکے اجسام متعدد ہیں لیکن جان سب کی ایک ہے اسپر کوئی یہ شبہ نکرے کہ جان میں تو جاندار سب برابر ہیں پس اگر جان ایک ہے تو سب جانداروں کی ایک ہے۔ اور اگر متعدد ہے تو سبکی متعدد ہے۔ یہ کیا کہ مومنین کی جان ایک ہے اور ونکی نہیں۔ کیونکہ سب جانداروں کو یکساں سمجھنا ہی غلط ہے۔ چنانچہ جانوروں کی فہم و جان اور ہے اور عوام کی فہم و جان اور انبیا و اولیاء کی جان اور جبکہ یہ مضمون استطرادی معلوم ہو چکا تو اب سنو کہ ہم نے تین قسم کی جانیں بتلائی ہیں جنکے سبب جانداروں میں ایک کو دوسرے سے امتیاز ہے۔ ان تینوں میں سے جانوروں کی جان تو ہمارے مقصود سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ اسلئے ہم اسکا ذکر ہی نہیں کرتے رہیں دو باقی سو ان میں سے جان انبیاء و اولیاء جسکو ہم جان ربانی کہتے ہیں اس کا بیان تو ہمارا مقصد اصلی ہے اسلئے اسے بیان کرتے ہیں اور جان عوام جسکو ہم کبھی بوجہ غلبہ صفات بہیمیہ کے جان حیوانی کہتے ہیں اور کبھی بوجہ اسکے روح حیوانی مصطلح اہل طب کے ساتھ اقتضا میں مشابہت رکھنے کے روح باد کہتے ہیں اسکا بیان ہم کو اصالۃً مقصود نہیں لیکن چونکہ وہ روح انبیاء و اولیاء کی ضد ہے۔ والاشیاء تعرف باضدادہا۔ اسلئے اسکو بھی بیان کرتے ہیں

جب یہ مضمون تمہیدی سن چکے تو اب سنو کہ جان عوام جسکو ہم جان حیوانی کہتے ہیں اسمیں تو اتحاد یعنی توافق اغراض نہیں اور تم کو یہ اتحاد اس روح میں ڈھونڈھنا بھی نہ چاہیے کیونکہ وہ مشابہ ہے اُس روح کے جو ہوا ہے جسکا مقتضاء تضاد و تزاحم ہے۔ ایسی جان والوں میں اتحاد نہونیکی علامت یہ ہے کہ اگر ایک روٹی کھاتا ہے تو اس سے دوسرے کا پیٹ نہیں بھرتا۔ اور اگر ایک بوجھ کھینچتا ہے تو دوسرے پر اسکا بوجھ نہیں ہوتا یعنی انمیں ایک کی راحت سے دوسرے کو راحت اور ایک کی تکلیف سے دوسرے کو تکلیف نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک کو دوسرے کی موت سے خوشی ہوتی ہے۔ اور جب وہ دوسرے کا ساز و سامان دیکھتا ہے تو حسد سے جل مرتا ہے پس ثابت ہوا کہ ان گرگ و سگ سیر توں کی جانیں علیحدہ علیحدہ ہیں برخلاف اسکے شیران خدا یعنی اہل اللہ کی جانیں متحد ہیں۔ کوئی یہ شبہ نکرے کہ جب آپ اہل اللہ کیلئے ارواح بصیغہ جمع استعمال کرتے ہیں تو اتحاد کہاں رہا۔ اسلئے کہ میں نے لفظوں میں اسے اسلئے جمع کہا ہے کہ ارواح متعلق ہیں اجسام سے اور اجسام امزجہ وغیرہ کے لحاظ سے متعدد ہیں تو اُن کے تعدد سے ارواح میں بھی گونہ اختلاف و تعدد آگیا۔ کہ کسی میں رحم غالب ہے کسی میں غصہ وغیرہ وغیرہ۔ اور اجسام کے لحاظ سے ایک جان بنگئی جیسے آفتاب کا نور آنگنوں کے لحاظ سے متعدد و متکثر ہے۔ لیکن اگر تم دیواروں کو درمیان سے الگ کردو تو اس سرے سے اُس سرے تک ایک نور ہے۔ علی ہذا ارواح کاملین میں بھی تعدد اجسام کے لحاظ سے ہی مگر جب ان جانوں کی کرسی یعنی جسم نرہے تو مومن سب کے سب ایک جان ہیں۔ (ف) جمع گفتم سے چوں نماند تک اشعار کی ایک اور توجیہ بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ میں نے لفظوں میں اسے اسلئے جمع کہا ہے کہ اُنکا تعلق اجسام متعدد الذوات کے ساتھ ہے اس تعدد کی وجہ سے ان میں کثرت پیدا ہو گئی ہے جسطرح سے کہ نور خورشید صحنوں کے لحاظ سے متکثر ہے مگر جب تم دیواریں الگ کردو۔ تو وہ سب ایک ہو جاتے ہیں جب یہ امر تم کو معلوم ہو گیا تو اب ہم تم کو اس اتحاد کا منشا بتاتے ہیں سنو قاعدہ یہ ہے کہ جب ارواح کی کرسی یعنی جسم فنا ہو جاتا ہے اور صفات بہیمیہ اس سے دور ہو جاتے ہیں تو سب لوگ مومن کامل ور ایک جان ہو جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ارواح

ہیں جو اجسام کے لحاظ سے تعدد آیا ہے اسکا منشا یا تو تکثر ذوات اجسام ہے یا اختلاف
صفات باطنہ در امر جہ بہر دو تقدیر چون نماند جا نہارا قاعدہ سے مراد یا تو تطبیق مثال
یا ممثل لہ ہے یا بیان میں لم اتحاد۔ یہ چار توجیہیں ہوگئیں جنمیں سے ہم نے دو توجیہیں
لکھی ہیں اور دو کو اس اجمال میں ظاہر کرکے تفصیل کو ناظرین کیلئے چھوڑ دیا ہے) اس
گفتگو سے ناظرین کے ذہن میں مختلف وجوہ فرق درمیان مثال وممثل لہ اور متعدد اشکالات
پیدا ہونگے۔ مثلاً یہ کہ اتحاد و تعدد ارواح کی تمثیل تعدد و اتحاد نور شمس سے صحیح نہیں۔ کیونکہ نور
شمس بلحاظ محل کے قابل انقسام ہے برخلاف ارواح کے نیز ارواح میں اتحاد بمعنی توافق اغراض
ہے برخلاف انوار صحن خانہا کے وغیرہ وغیرہ۔ اور وجہ اشکالات وفروق یہ ہے کہ یہ مثال
ہے مثل نہیں۔ اور مشبہ اور مشبہ بہ میں علاوہ وجہ شبہ کے دوسرے وجوہ سے فرق ہوتا ہی
چنانچہ شیر اور بہادر آدمی میں بکثرت وجوہ فرق ہیں لیکن شیر اور بہادر آدمی میں اتحاد تم کو
شجاعت کی جہت سے دیکھنا چاہیئے۔ نہ تمام حیثیتوں سے کیونکہ شجاع شیر کی مثال ہے
اور تمام امور میں اسکے مثل نہیں۔ اسلئے وجوہ فرق ہونا لازم ہے۔ علیٰ ہذا نوبھی ارواح کی
مثال ہے نہ مثل اسلئے آمیں بھی وجوہ فرق نکلتی ہیں۔ اس نکتہ کو ذہن میں رکھنا چاہیئے
تاکہ تم دام اشکالات وفروق سے محفوظ رہو۔ کیا کہوں مجبور ہوں کہ دنیا میں کوئی ایسا محسوس
ہی نہیں جو یوں متحد ہو جیسے ارواح۔ تاکہ بجائے مثال کے تمہیں مثل دکھلا سکوں اسلئے
مثال اختیار کیگئی۔ یہ تو اتحاد ارواح کاملین کی تمثیل تھی اب تعدد ارواح عوام کیلئے بھی
ایک ناقص مثال حاصل کرتا ہوں۔ تاکہ ناظرین کی عقل کو تحیر سے بچاؤں۔ اچھا سنو۔
رات کے وقت ہر گھر میں ایک چراغ رکھتے ہیں تاکہ اسکی روشنی کے سبب تاریکی سے نجات
پاویں۔ جب یہ امر معلوم ہوگیا تو اب تم چراغ کو تو بمنزلہ جسم کے سمجھو اور اسکے نور کو مثل روح
حیوانی یعنی جان عوام کے پس جسطرح روشنی ہر مکان کی جداگانہ ہے یوں ہی روح حیوانی
بمعنی مذکور بھی علیحدہ ہے کیونکہ بوجہ غلبۂ صفات بہیمیہ کے اسکا مقتضے جداگانہ ہے۔ یہ
تو تمثیل تھی اب مناسب ہے کہ ہم ارواح حیوانی کے اُس وصف کو بھی استطراداً بیان کردیں
جسمیں وہ چراغ کے مشارک ہیں یعنی عدم بقا سو سنو کہ یہ چراغ تن مختلف قسم کے فتیلوں کا

محتاج ہے اور وہ مختلف قسم کے فتیلہ حواس خمسہ ہیں اس چراغ تن کا دارو مدار روغن خواب
وخور وغیرہ پر ہے۔ اور بے خواب وخور کے ذراسی دیر بھی نہیں جی سکتا۔ بلکہ ہم تو کہتے ہیں
کہ خواب وخور کے ساتھ بھی نہیں جی سکتا۔ اور بے فتیلہ وروغن تو باقی رہتا ہی نہیں یا فتیلہ
وروغن بھی وفا نہیں کرتا اور وجہ اسکی یہ ہے کہ اس چراغ کا نور مریض (روح حیوانی سقیم)
حالاًطالب موت ہے۔ اسلئے زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور زندہ رہ کیسے سکتا ہے۔ روز روشن
یعنی روح ربانی یا تجلیات ربانیہ اسکے لئے موت ہے۔ اور جسطرح طلوع روز روشن سے چراغ
کا نور فنا اور مضمحل ہو جاتا ہے یوں پرتو روح انسانی یا تجلیات ربانیہ سے روح حیوانی من
حیث روح حیوانی فنا ہو جاتی ہے یعنی اسکی صفات بہیمیہ جن سے وہ حیوانی کہلاتی
تھی زائل ہو جاتے ہیں اور جسطرح روح حیوانی فانی ہے یوں ہی تمام حواس بشریہ بھی باقی
رہنے والے نہیں۔ بلکہ نور روز حشر کے سامنے فانی ہیں اور جبکہ تجلیات ربانیہ یا روح کامل
کا پرتو ان پر پڑتا ہے تو اُنکی بھی کایا پلٹ ہو جاتی ہے یعنی نفس کے تسلط سے نکلکر روح کے
تابع ہو جاتے ہیں۔ (ف) نور روز حشر میں چند احتمالات ہیں اول یہ کہ وہ نور جو روز حشر میں
علی وجہ الکمال ظاہر ہوگا۔ اسمیں دو احتمال ہیں یا تو تجلیات مراد ہوں۔ یا نور روح انسانی
دوسرے وہ نور جو قائم بروز حشر ہے۔ اسوقت روز حشر سے استعارہ ہوگا تجلیات سے یا
روح کامل سے کیونکہ جسطرح روز حشر مُردونکو زندہ اور زندونکو مردہ کرتا ہے۔ یوں ہی یہ بھی
مبقی ومفنی ارواح وحواس ہیں۔ واللہ اعلم) اور یہ ہم نے نور حس وجان کو بے بقا کہا ہے
اس سے تمکو اُنکے فنائے محض کا شبہ نہونا چاہیئے۔ کیونکہ ہمارا نور حس وجان حیوانی ناپائدار
گھاس کیطرح فانی مطلق نہیں۔ بلکہ وہ فنائے مصطلح کی حالتمیں چاند تارونکی طرح تجلیات حق
سبحانہ یا نور روح کامل میں محو ہو جاتا ہے جسطرح کہ بچھو کے ڈنک کی سوزش اور تکلیف اسوقت
محو ہو جاتی ہے جبکہ سانپ تمھاری طرف آتا ہے یا کوئی شخص شہد کی مکھیوں کے خوف سے
پانی میں غوطہ لگاتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ان مکھیوں کے ڈنک سے بچ جاتا ہے۔
اور مکھیاں اُسکے اوپر اسلئے گھومتی رہتی ہیں کہ جب وہ نکلے تو اُسے نہ چھوڑیں۔ اور فوراً
ڈنک لگائیں اس تمثیل میں مقصود صرف پانی میں غوطہ لگانا ہے کہ اس سے اُسکو فنائے مطلق

حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ فنائے اضافی یعنی محویت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور زنبور وں کا خوف اور انکا اس تک نہ پہونچ سکنا یہ بیان واقعہ ہے اور تمہید ہے۔ ایک مضمون ارشادی کی جسکو مولانا یوں بیان فرماتے ہیں کہ تم جانتے ہو کہ پانی کیا چیز ہے اور زنبور کیا ہے سنو پانی ذکر حق ہے اور زنبور انتشار افکار و خیالات۔ پس اگر تمکو ان مکھیوں سے نجات پانی ہے تو اس پانی میں گھسکر دم گھونٹ لو۔ تاکہ تمکو افکار و وساوس کہنہ سے نجات ملے۔ ایک عرصہ تک تمکو ایسا کرنا ہوگا۔ اُسکے بعد اس صفات پانی کی خاصیت تمھارے اندر پیدا ہو جائیگی۔ کیونکہ وہ آب ذکر تمھارے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاویگا اور جسطرح وہ مکھیاں پانی سے بھاگتی تھیں یوں ہی خود تم سے بھاگنے لگیں گی جسوقت تمہاری یہ حالت ہو جاویگی۔ اسوقت اگر تم چاہو تو آب ذکر ظاہر سے الگ بھی ہو سکتے ہو۔ کیونکہ اسوقت حقیقت میں تم پانی کے ہم طبع ہو گئے ہو۔ یہانتک اس مضمون استطرادی کو بیان فرما کر پھر ماسبق کیطرف عود کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ ہم نے[۵۸] اول روح کو فانی کہا تھا اسکے بعد اسکے فنا کے معنی بتلائے کہ یہ فنا بمعنی محویت ہے نہ کہ بمعنی انعدام محض اسپر تم یہ شبہ نکرنا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ روح معدوم ہو جاتی ہے کیونکہ بہت سے آدمی پیدا ہوئے اور مر گئے۔ پھر کیسے کہا جاتا ہے کہ روح باقی ہے کیونکہ اول تو ہماری گفتگو اس فنا و بقا سے متعلق نہ تھی جو تم سمجھے ہو بلکہ ہماری گفتگو فنا و بقائے مصطلح میں تھی۔ لیکن ہمیں اس جواب کی ضرورت نہیں اسلئے ہم اسی معنی کی بنا پر جواب دیتے ہیں جو تم سمجھے ہو سنو بہت سے لوگ جو اس جہان سے گذر گئے ہیں وہ فانی مطلق نہیں ہیں بلکہ حق سبحانہ کی صفات جلالیہ و جمالیہ میں مخلوط ہیں اور انکی صفات صفات حق میں ملکر یوں ہی بے نشان ہو گئی ہیں جسطرح آفتاب کے سامنے ستارے۔ یہ ایک دعویٰ ہے جسکے لئے دلیل کی ضرورت ہے اور سب سے بڑی دلیل قرآن ہے پس اگر قرآن سے اسکا ثبوت چاہتے ہو تو ہم اسکے لئے بھی تیار ہیں سنو حق سبحانہ فرماتے ہیں ان کل لما جمیع لدینا محضرون اور یہ بیان ہے حالت بعد الموت کا یعنی موت کے بعد

---

۵۸ ربط بیت بس کہ انسے الخ کی دوسری تقریر یہ ہے کہ ابتک تو ہم نے فنا اصطلاحی میں بقا ثابت کی تھی۔ اب ہم ترقی کر کے کہتے ہیں کہ فنا متعارف کی حالت میں بھی وہ فانی مطلق نہیں ہے بلکہ من وجہ باقی ہے الخ وہذا اخصر واوضح واوجہ ۱۲ منہ

سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کئے گئے ہیں۔ پس جنکو محضرون فرمایا گیا ہے وہ معدوم نہو نگے کیونکہ محضرون معدوم نہیں ہو سکتے۔ اس مضمون کو غور سے سمجھ لوتا کہ تمام ارواح کی بقا یقینی طور پر معلوم ہو جاوے۔ اور تم سمجھ لو کہ ارواح تمام باقی ہیں مگر اس بقا کے نتائج مختلف ہیں چنانچہ محجوبین کی ارواح تو اپنی بقا کے سبب مبتلائے عذاب اور صفات جلالیہ میں محو ہیں۔ اور ارواح واصلین اپنی بقا کی حالت میں حجاب سے پاک اور صفات جمالیہ میں محو ہیں۔ جب یہ مضمون استطرادی ختم ہو چکا تو اب سنو کہ میں نے اس چراغ حس حیوانی کی حالت بیان کر دی ہے جبردار تم اسمیں اتحاد کو نہ ڈھونڈھنا۔ اگر تمہیں ضرورت ہے کہ تمھاری ارواح حیوانیہ میں اتحاد ہو تو اسکی صورت یہ ہے کہ تم اپنی ارواح کو ارواح سالکان کے ساتھ ملاؤ تا کہ انکی حیوانیت فنا ہو اور انسانیت پیدا ہو۔ اور اسوقت وہ ارواح انسانیہ بنکر آپسمیں متحد ہو جائیں اور جب تک یہ بات نہو اور جسم باقی رہے ایسی حالتمیں اگر تمھارے چراغ سو دفعہ مریں اور مر کر پھر زندہ ہوں ناممکن ہی کہ انمیں اتحاد ہو وہ جدا ہی رہیں گے اور متحد نہو نگے چونکہ ہمارے لوگوں میں حیوانیت و جسمانیت موجود ہے اسی لئے وہ سراپا جنگ و جدل ہیں ورنہ انبیاء کو تو کسی نے بھی آپسمیں لڑتے نہیں سُنا اور وجہ اسکی یہی تھی کہ انکی ارواح مثل نور خورشید کے متحد تھیں اور ہمارے اور ہمارے حس و جان کا نور مثل چراغ و شمع اور دھوئیں کے متعدد ہے اسی لئے یہ حالت ہے کہ ایک گل ہوتا ہے اور دوسرا دن تک باقی رہتا ہے ایک ٹمٹما ہے اور دوسرا خوب مشتعل ہے نیز چونکہ جان حیوانی کا مدار حیات اسکی غذا پر ہے اور اسلیئے وہ غذا نہ ملنے سے اور دیگر اسباب مختلفہ سے مر بھی جاتی ہے پس اگر اس بنا پر یہ چراغ کسی وقت گل اور ختم ہو جائے تو اس سے پڑوسی کے گھر میں اندھیرا نہو گا اور وہ اسی طرح روشن رہے گا پس امر ظاہر ہے کہ ایک گھر کا نور دوسرے گھر کے بغیر بھی قائم ہے تو ثابت ہوا کہ ہر گھر کا چراغ اور ہر جسم کی روح جدا ہے۔ یہ حالت جان حیوانی ہی کی ہو سکتی ہے اور جان ربانی کی یہ حالت نہیں ہو سکتی۔ اسکی حالت اسکے برخلاف ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں وہ حالت تو ارواح ربانیہ کی آپس کے لحاظ سے تھی اب ہم دوسروں کے اعتبار سے انکی

حالت بیان کرتے ہیں سنو۔ مگر اول اتنا سمجھ لو کہ جب شب تاریک میں چاند نکلتا ہے تو بشرائط مخصوصہ ہر روزن میں اسکا نور پہونچتا ہے مگر اس سیکڑوں گھروں کے نور کو تم کو ایک ہی سمجھنا چاہیئے۔ اور تکثر کا شبہ نکرنا چاہیئے کیونکہ ایک گھر کا نور بدون دوسرے گھر کے نور کے نہیں رہ سکتا ہے۔ اور یہ صریح دلیل ہے اتحاد کی جب یہ امر معلوم ہوچکا تو اب سمجھو کہ بالکل یہی حالت خورشید روح ربانی کی ہے۔ کہ جب تک وہ سرگرم افاضہ رہتی ہے اسوقت تک بشرائط مخصوصہ ہر خانۂ جان میں انکا نور فیض پہونچتا ہے۔ اور جب یہ خورشید جان ربانی غروب ہوجاتا ہے یعنی افاضہ اسکا بند ہوجاتا ہے تو تمام خانہا جان سے نور سلب ہوجاتا ہے جیساکہ قرب قیامت میں واقع ہوگا۔ کہ کوئی اللہ کا نام لینے والا نہ رہے گا بس دنیا میں جسقدر نور ہدایت ہے سب ارواح ربانیہ کا پرتو ہے یہ مثال نور ماہتاب بھی نور روح ربانی کی مثال ہے مثل نہیں یہ مثال متبعین وحی کیلئے ہادی ہے اور غیر متبع وحی کیلئے رہزن کیونکہ وہ اسکو مثل سمجھکر نور روح کے لئے وہی امور ثابت کریگا۔ جو نور ماہتاب کیلئے ہیں اور مکڑی کی طرح اپنے اوہام سے موٹے اور دبیز پردہ تیار کریگا جسطرح مکڑی نے اپنے لعاب سے ایک پردہ حاجب نور بنالیا۔ اور اپنے نور بین آنکھ کو اندھا کرلیا۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ اگر وہ گھوڑے کی گردن پکڑیگا تو اسکی سواری سے منتفع ہوگا اور اگر پاؤں پکڑے گا تو لات کھائیگا۔ یعنی اگر اس مثال کو صحیح طور پر سمجھا تو اُسکا فائدہ ہے ورنہ نقصان دیکھو سرکش گھوڑے پر بے لگام نہ بیٹھو یعنی ان مضامین عالیہ میں بے سامان حفاظت کے خوض نہ کرو بلکہ عقل ودین کو پیشوا کرو۔ یہ ہے سامان حفاظت اور اس راہ یعنی عقل ودین کو پیشوا بنانے کو معمولی بات نہ سمجھو کیونکہ اسکے لئے ضرورت ہی صبر کی اور صبر اس راہ میں نہایت ہی تکلیف دہ اور ناگوار خاطر ہے۔ اچھا اب اس مضمون کو ختم کرو۔ اور بیان کرو۔ کہ مسجد کا سلیمان علیہ السلام کیساتھ کیا واقعہ ہوا

چون سلیمان کرد آغاز بنا	پاک چون کعبہ ہمایون چون منےٰ
در بنایش دیدہ می شد کر و فر	نے فسردہ چون بناہائے دگر

در بنا ہر سنگ کز کہ می شکست ۔ فاش سیر وابی ہمیں گفت از نخست
ہمچو از آب و گل آدم کدہ ۔ نور ز آں کہ پارہا تاباں شدہ
سنگ بے حمال آئندہ شدہ ۔ واں در و دیوارہا زندہ شدہ
حق ہمی گوید کہ دیوار بہشت ۔ نیست چوں دیوارہا بیجان و زشت
چوں در و دیوار تن باآگہی است ۔ زندہ باشد خانہ چوں شاہنشہی است
ہم درخت و میوہ ہم آب زلال ۔ با بہشتے در حدیث و در مقال
زانکہ جنت را نہ ز آلت بستہ اند ۔ بلکہ از اعمال و نیت بستہ اند
ایں بنا ز آب و گل مردہ بدست ۔ آں بنا از طاعت زندہ شدہ است
ایں باصل خویش ماند بے خلل ۔ واں باصل خود کہ علم ست و عمل
ہم سریر و قصر و ہم تاج و ثیاب ۔ با بہشتے در سوال و در جواب
فرش بے فراش پیچیدہ شدہ ۔ خانہ بے کناس روبیدہ شدہ
تخت او سیار بے حمال شد ۔ حلقہ و در مطرب و قوال شد
خانۂ دل بیں ز غم ژولیدہ شد ۔ بے کناس از توبہ روبیدہ شد
ہست در دل زندگی دار الخلود ۔ در زبانم چوں نمی آید چہ سود
چونکہ گشت آں مسجد اقصٰے تمام ۔ ز اہتمامات سلیمان و السلام
چوں سلیمان در شدے ہر بامداد ۔ مسجد اندر بہر ارشاد عباد
پند دادے کہ بگفت و لحن و ساز ۔ گہ بفعل اعنے رکوع یا نماز
پند فعلی خلق را جذاب تر ۔ کہ رسد در جان ہر با گوش کر

واندراں وہم امیدے کم بود		درچشم تاثیرآں محکم بود

جب سلیمان نے اس مسجد کی تعمیر شروع کی جو کعبہ کیطرح پاک اور جنتی کی طرح مبارک تھی تو اسکی تعمیر میں اہل دل کو ایک عجیب معنوی شان وشوکت محسوس ہوتی تھی۔ اور وہ دیگر عمارتوں کی طرح افسردہ نہ تھی تعمیر کے متعلق جو پتھر کہ پہاڑ سے توڑتا تھا صاف طور پر کہتا تھا کہ پہلے مجھے لیچلو۔ اور جس طرح اس خمیر سے جو جسم آدم علیہ السلام کیلئے تیار کیا گیا تھا ایک نور چمکتا تھا یوں ہی ان پہاڑ کے ٹکڑوں سے بھی نور چمکتا تھا گویا پتھر بے لانے والوں کے چلے آرہے تھے اور درو دیوار انوار و برکات سے جو کہ حیات معنوی ہیں زندہ تھے۔ غرض ایک عجیب شان تھی۔ جب گفتگو حیات دیوارہائے مسجد تک منجر ہوئی تو اب مولانا اس سے حیات جنت کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ جنت کی دیواریں ورد دیوار کی طرح بیجان اور مری نہیں ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ان الدار الآخرۃ لھی الحیوان اس سے تمکو تعجب ہوگا مگر ہم تمھاری استعجاب کو یوں زائل کرتے ہیں کہ دیوار ہائے جسم باوجود خانۂ روح ہونیکے با احساس ہیں تو وہ گھر بھی زندہ ہوگا جسکا تعلق شہنشاہ حقیقی سے ہے۔ پس ثابت ہوا کہ دیوار ہائے جنت زندہ ہیں اور صرف دیواریں ہی زندہ نہیں بلکہ درخت ہائے جنت اُسکے میوے اور اُسکا شیریں پانی سب زندہ ہیں۔ اور جنتیوں کے ساتھ ہم کلام ہونگے اور راز اسکا یہ ہے کہ بہشت سامان معروف سے جو کہ مردہ ہے نہیں بنی ہے بلکہ لوگوں کے اعمال و نیت سے بنی ہے اور عمارات دنیویہ تو آب و گل بے جان سے بنی ہیں اور عمارت جنت طاعت الٰہی سے بنی ہے۔ جو کہ زندہ ہے اسلئے عمارات دنیویہ اپنی ممثل اصل کے مشابہ ہیں اور عمارت جنت اپنی اصل سے جو کہ علم و عمل ہیں لہٰذا تخت محل۔ تاج اور کپڑے وغیرہ سب کے سب جنتیوں سے ہم کلام ہونگے۔ اور سوال و جواب کریں گے اور فرش بے فراش کے لپٹ جاویگا مکان بے جھاڑو دینے والے کے صاف ہوجاویگا۔ اور اہل بہشت کا تخت بلا اٹھانے والوں کے چلدیگا۔ اور زنجیر دروازہ گائیں بجائیں گے تمکو شاید خیال ہو کہ مکان بے صاف کرنے والے کے کیونکر صاف ہوجاویگا اسلئے ہم اُسکو ایک نظیر سے سمجھاتے ہیں

دیکھو خانۂ دل غم سے پریشان ہوتا ہے لیکن بلا جھاڑو دینے والے کے محض توبہ سے صاف ہو جاتا ہے۔ اس سے تمکو معلوم ہوا ہوگا کہ دل کو جنت سے مشابہت ہے سو یہ سچ ہے اور اسمیں جنت کی سی زندگی ہے میری زبان سے یہ مضمون پوری طرح ادا نہیں ہوتا۔ پھر اسکو طول دینے سے کیا حاصل۔ اسلئے اتنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

(**ف**) اس مضمون میں مولانا نے طاعت کو زندہ کہا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ اثر اور خاصہ حیات ہے اسلئے گویا کہ وہ زندہ ہی ہے۔ نیز مولانا نے فرمایا ہے کہ جنت اعمال صالحہ سے بنی ہے اور اعمال صالحہ اُسکی اصل ہیں اسکی دو توجیہیں ہوسکتی ہیں۔ اول یہ کہ اجزائے جنت حقیقۃً اعمال ہی ہیں مگر اختلاف اتحاد وجود سے اُن کے آثار اور خصوصیات مثل جوہریت وعرضیت وغیرہ میں اختلاف ہے۔ دوم یہ کہ جنت اعمال سے بنا بر نسبت بنی ہے۔ اور چونکہ اعمال سبب بنائے جنت ہیں اسلئے گویا کہ وہ ہی اسکی اصل ہیں واللہ اعلم

اب مولانا پھر مضمون سابق کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب مسجد اقصٰی سلیمان علیہ السلام کے اہتمام سے تمام اور مکمل ہوگئی تو جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام اسمیں ہر صبح کے وقت لوگوں کو ہدایت کرنے اور انکو وعظ و نصیحت فرمانے جاتے تو کبھی الفاظ و عبادات سے نصیحت فرماتے اور کبھی فعل یعنی رکوع و نماز وغیرہ سے غرضکہ جیسا حالت اور موقع کے مناسب ہوتا تھا اُسی طرح نصیحت فرماتے تھے۔ اب تمکو جاننا چاہیئے کہ فعلی نصیحت مخلوق کو زیادہ پہنچتی ہے کیونکہ قولی تو صرف سننے والوں ہی کے کان میں پہونچتی ہے۔ اور فعلی کان والوں اور بہروں دونوں کو پہونچتی ہے۔ نیز اسمیں تحکم کا وہم نہیں ہوتا۔ لہذا متبعین پر اسکا اثر زیادہ ہوتا ہے۔

شرح شبیری

شرح (حدیث) انما المومنون اخوۃ اور (قول) العلما کنفس واحدۃ کی خاصکر اتحاد داؤد علیہ السلام و سلیمان علیہ السلام اور تمام

ابنیاء کا کہ اگر ایک کا منکر ہو تو سب کا انکار لازم ہے جیسے کہ
بہت سے مکانات اس طرح ہوں کہ اگر ایک کو گرایا جاوے
تو اور سب بھی گر پڑیں اسی طرح سب ابنیاء میں بھی اتحاد ہے
کہ اگر ایک کا انکار کیا تو سب کا انکار لازم ہے جیسا کہ قرآن شریف
میں ہے لانفرق بین احد من رسلہ۔ اور عاقل کو تو اشارہ ہی
کافی ہے لیکن یہاں تو قرآن شریف میں صراحۃً ہی بیان
فرما دیا ہے

اس سرخی کے ذیل میں مولانا کو چونکہ اتحاد ارواح کا بیان مقصود ہے اسلئے مولانا نے
اُسکے مناسب حدیث اور قول اور آیت لکھدی ہیں۔ اب آگے قصہ بیان کرتے ہیں
اور اُسی سے اتحاد ارواح کو ثابت فرماویں گے فرماتے ہیں کہ

پس خطاب آمد بداؤد از خدا　　　کائے گزین پیغمبر نیکو لقا

یعنی پھر حق تعالیٰ کیطرف سے داؤد علیہ السلام کی طرف خطاب آیا۔ کہ اے پیغمبر
مقبول نیک خصلت۔

دل مدار اندر تفکر زین خبر　　　رہ مدہ در دل ملال و غم مخور

یعنی اس (مسجد نہ بنا سکنے کی) خبر سے دلکو فکر مند مت کرو۔ اور دل میں ملال مت
آنے دو۔ اور غم مت کھاؤ (کیونکہ)۔

گرچہ بر ناید بجہد و زور تو　　　لیک مسجد را بر آرد پور تو

یعنی اگرچہ تمھاری کوشش اور زور سے یہ پوری نہو گی لیکن مسجد کو آپکے صاحبزادے
صاحب اوسکو پورا فرماویں گے۔

گرچہ بر ناید بجہدت این مقام　　　لیک پور تو کند آنرا تمام

یعنی اگرچہ تمھاری کوشش سے یہ مقام پورا نہوگا لیکن تمھارے صاحبزادے اسکو
پورا کردیں گے۔

کردۂ او کردۂ تست اے حکیم　　　مومناں را اتصالے داں قدیم

یعنی اے حلیم اُسکا کیا ہوا تمھارا ہی کیا ہوا ہے۔ اور مومنین کیلئے ایک قدیمی اتصال جانو۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے داؤد (علیہ السّلام) تم اس سے غمگین مت ہو کہ مسجد تم نہ بنا سکے اسلئے کہ تم سے نہ بنی تو تمھارے صاحبزادے اسکو بناویں گے اور انکا بنانا گویا تمھارا ہی بنانا ہے لہذا غم مت کرو۔ اور شعر کردۂ او الخ کا مصرعہ ثانیہ یعنی مومناں را اتصالے الخ سے قول مولانا کا ہے۔ کہ فرماتے ہیں کہ مومنین میں قدیم سے ایک اتصال ہے جس سے کہ آپسمیں تعلق ہے اور اس تعلق ہی کی بنا پر یہ کہا گیا کہ انکا کرنا گویا کہ آپ ہی کا کرنا ہے۔ اور یہاں قدیم سے قدم اضافی مراد ہے قدم حقیقی مراد نہیں ہے۔ اسلئے کہ ارواح باعتبار اجسام کے قدیم ہی ہیں اگرچہ خود بھی حادث ہوں۔ آگے مولانا بہت دور تک اس اتحاد ارواح ہی کو بیان فرماتے ہیں یہ بات تو یہاں بتلا ہی دی ہے کہ مومنین کاملین کی ارواح میں ایک اتحاد پہلے سے چلا آتا ہے اب آگے فرماتے ہیں کہ

مومناں معدود لیک ایماں یکے ۔۔۔ جسم شاں معدود لیکن جاں یکے

یعنی مومنین بہت سے ہیں لیک ایمان ایک ہے اون کے اجسام مختلف ہیں لیکن جان ایک ہے مطلب یہ ہے کہ دیکھو مومنین جسقدر ہیں وہ خواہ کامل ہوں یا غیر کامل وہ باعتبار اجسام کے تو معدود اور مختلف ہیں لیکن انکا ایمان متحد بالنوع ہے علی ہذا اُن کے اجسام میں تعدد ہے لیکن اُنکی جان ایک ہے یعنی متحد بالنوع ہے۔ ایمان اور جان میں اتحاد نوعی موجود ہے جسکو ہر شخص تسلیم کرتا ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

غیر فہم و جان کہ در گاؤ خرست ۔۔۔ آدمی را عقل و جانِ دیگر است

یعنی علاوہ فہم اور جان کے جو کہ گاؤ خر میں ہے آدمی کیلئے عقل اور جان دوسری ہے مطلب یہ کہ دیکھو حیوانات میں تو صرف روح حیوانی مع اپنی صفات کے ہے اور انسان میں روح حیوانی مع الصفات اور اسکے علاوہ ایک روح انسانی بھی ہے۔ جو کہ اس روح حیوانی کے علاوہ ہے۔ اور اس بیان میں مولانا نے جہاں جان اور روح کا اطلاق کیا ہے اُس سے صفات و کمالات روح مراد لئے ہیں جیسا کہ اس شعر میں مولانا نے فہم و

جان اور عقل و جان سے اسکی طرف اشارہ کر دیا۔ کہ صرف جان مراد نہیں ہے بلکہ جان کے ساتھ فہم جوکہ صفت جان میں سے ہے مراد ہے۔ اور حضرت حکیم الامۃ نے بھی اسکا اپنی تحریر میں بایں الفاظ ارشاد فرمایا ہے کہ "یہاں روح سے مراد متعارف روح نہیں ہے الخ تو بس روح سے مراد صفات روح ہوئے۔ تو مقصود مولانا کا یہ ہوا کہ ایک تو وہ کمالات ہیں جوکہ حیوانات میں ہیں مثل اکل و شرب وغیرہ کے۔ جو کہ انکی روح کا مقتضا ہے اور ایک وہ کمالات ہیں جوکہ انسان کی روح میں پائے جاتے ہیں۔ وہ اسکے مقتضیات ہیں آگے فرماتے ہیں کہ۔

باز غیر عقل و جان آدمی   ہست جانے در نبی و در ولی

یعنی پھر علاوہ عقل اور روح انسانی کے ایک جان نبی اور ولی میں ہے۔ مطلب یہ کہ جو صفات روح انسانی کی اندر ہوتی ہیں اور جو اسکے مقتضیات ہیں ان کے علاوہ انبیاء و اولیا میں کچھ اور کمالات بھی ہیں جنکی وجہ سے وہ ان دیگر انسانوں سے ممتاز ہیں آگے فرماتے ہیں کہ۔

جان حیوانی ندارد اتحاد   تو مجو ایں اتحاد از روح باد

یعنی جان حیوانی اتحاد نہیں رکھتی تم اس اتحاد کو روح بادی میں مت تلاش کرو۔ مطلب یہ کہ روح حیوانی جوکہ ایک بخار لطیف ہے اسمیں تم اور کمالات کو مت تلاش کرو۔ کہ جسکی وجہ سے یہ اتحاد ان میں ہے کہ اُن کے اغراض و مقاصد باہم متحد ہیں ان اغراض کا اتحاد اسی وجہ سے ہے کہ اُن کے اندر ایسے کمالات ہیں جو اس امر کو مقتضی ہیں اور روح بادی یعنی حیوانی میں وہ کمالات نہیں ہیں جنکی وجہ سے انکی اغراض میں اور اُن کے مقاصد میں تغائر و تزاحم ہے بس اسکو مولانا نے اتحاد روح سے تعبیر فرمایا ہے تو گویا کہ یہ کہا جاویگا کہ اس سے مراد اتحاد عرفی ہے آگے اسکے تائیدات بیان فرماتے ہیں کہ۔

گر خورد ایں نان نگردد سیر آں   ور کشد بار ایں نگردد آں گراں

یعنی اگر یہ روٹی کھاوے تو وہ سیر نہیں ہوتی اور اگر یہ بار کھینچے تو وہ گراں نہیں ہوتی مطلب یہ ہے کہ اس روح بادی اور حیوانی میں تو اسدرجہ تخالف اور تزاحم ہے اور انکے اغراض

اسقدر متفاوت ہیں کہ ایک پر اگر کلفت ہے تو دوسرے کو پرواہ نہیں ہے اور اگر اسکو راحت ہے تو دوسرے کو کوئی خوشی نہیں ہے آگے اس سے بھی ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ۔

بلکہ این شادی کند از مرگ او　　　　وز حسد میرد چو بیند برگ او

یعنی بلکہ اُسکے مرنے سے یہ خوشی کرتی ہے اور اگر اُسکا ساز و سامان دیکھے تو حسد سے مری جاتی ہے مطلب یہ کہ اُنکا تخالف اور تضاد تو اسدرجہ بڑھا ہوا ہے کہ ایک کی راحت کو دوسرا دیکھ نہیں سکتا۔ اگر ایک راحت میں ہے تو دوسرے کو رنج ہے ہاں اگر اُسکو تکلیف ہو تو وہ خوش ہیں اور جو اولیاء اللہ ہیں اُنکو دوسرے کی تکلیف سے تکلیف اور اسکی راحت سے راحت ہوتی ہے۔ تو اسکی وجہ وہی کمال ہے کہ اُس کمال نے اُنکی اغراض کو متحد کر دیا ہے اور اس وجہ سے اُنمیں تخالف اور تضاد نہیں ہوتا آگے فرماتے ہیں کہ۔

جان گرگان و سگان ہر یک جداست　　　　متحد جانہائے شیران خداست

یعنی بھیڑیوں اور کتونکی ہر ایک کی جان جدا ہے۔ اور شیران خدا کی جانیں سب متحد ہیں (اتحاد سے وہی اتحاد اغراض مراد ہے) مطلب یہ کہ شیرونکی ارواح سب متحد بالنوع ہوتی ہیں اور کتوں اور بھیڑیوں کی ارواح مختلف ہوتی ہیں لہذا غیر مقبولین جو کہ کتوں وغیرہ کی طرح ہیں اُنکی ارواح میں تو تخالف ہے اور اولیاء اللہ جو کہ مانند شیروں کے ہیں اُنکی ارواح میں اتحاد ہے یہاں بظاہر ایک شبہ واقع ہوتا ہے آگے اُسکا جواب فرماتے ہیں شبہ یہ ہوا کہ جب اولیاء کی ارواح متحد ہیں تو پھر تم نے انکو جمع سے کیوں تعبیر کیا۔ کہ یوں کہا کہ "متحد جانہائے شیران خدا" تو جانہائے کیوں کہا۔ جان کیوں نہ کہا آگے اسی کا جواب دیتے ہیں کہ

جمع گفتم جانہاشان من بااسم　　　　کان یکے جان صد بود نسبت بجسم

یعنی میں نے اُنکی جانونکو نام کے اعتبار سے جمع کہدیا کہ وہ ایک جان بہ نسبت جسم کے سو ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ وہ جان جو کہ متحد فی النوع ہے باعتبار تشخصات کے مختلف و متعدد ہوتی ہے اسلئے ظاہر کے اعتبار سے میں نے جمع کہدیا ورنہ اصل میں تو متحد ہی ہیں اور ان کے اغراض و مقاصد بالکل متحد ہی ہیں آگے اسکی کہ اصل میں ایک ہو ظاہر میں متعدد ہوں ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

ہمچو آں یک نور خورشید سما   صد بود نسبت بصحن خانہا۔

یعنی اس آسمان والے ایک خورشید کیطرح کہ وہ گھروں کے صحنوں کی نسبت سے سیکڑوں ہوتے ہیں مطلب یہ کہ دیکھو نور خورشید حالانکہ ایک ہی ہے اور اسمیں تعدد نہیں ہے لیکن چونکہ مختلف امکنہ میں پڑتا ہے اور ان امکنہ کے تعدد صور کی وجہ سے اسمیں تعدد آگیا ہے لیکن حقیقتاً میں وہ واحد ہے۔ اور اسکے اندر اتحاد ہی ہے بس اسی طرح اگرچہ تشخصات جسمانیہ مختلف ہوں اور ان تشخصات کی وجہ سے تعدد آجاوے لیکن روح اصل میں متحد بالنوع ہے اسکے اندر ان تشخصات کے تعدد سے کوئی تعدد نہیں آگیا خوب سمجھ لو اسی کو آگے خود بیان فرماتے ہیں کہ

لیک یک باشد ہمہ انوارشاں   چونکہ برگیری تو دیوار از میاں

یعنی لیکن ان سب کے انوار ایک ہی ہوتے ہیں جبکہ تم دیوار کو درمیاں سے ہٹالو مطلب یہ کہ نور میں جو تعدد پیدا ہوا ہے تو ان امکنہ کی وجہ سے اور ان حجابات کیوجہ سے ہوگیا ہے ورنہ اگر ان مکانوں کو الگ کردو اور حجابات ہٹادو تو تمام نور پھر ایک ہے اسمیں کوئی بھی فرق نہیں ہے۔

چوں نماند خانہا را قاعدہ   مومناں باشند نفس واحدہ

یعنی جب گھروں کی بنیاد نہ رہے تو مومنین سب نفس واحدہ ہوجاویں مطلب یہ کہ اجسام نہ رہیں اور تشخصات زائل ہوجاویں تو تمام مومنین باعتبار صفات واغراض ایک ہوجاویں اور کوئی فرق باہمی نہو آگے فرماتے ہیں کہ۔

فرق واشکالات آید زیں مقال   لیک نبود مثل ایں باشد مثال

یعنی اس کہنے سے بہت سے فرق اور اشکالات واقع ہوتے ہیں لیکن یہ مثل نہیں ہے یہ مثال ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے جو کمالات کے اتحاد عرفی اور تعدد تشخصی کو آفتاب کے اتحاد اور تعدد سے مثال دی ہے اس سے لوگوں کو شبہ ہوگا کہ جسطرح آفتاب میں اتحاد حقیقی ہے اسی طرح کمالات میں بھی اتحاد حقیقی ہے اور جسطرح آفتاب کے یہ سب اجزاء تحلیلیہ ہیں اسی طرح انسان کے بھی یہ سب اجزاء تحلیلیہ ہوں تو فرماتے ہیں کہ یہ نہیں ہے اسلئے

کہ کمال تو کوئی مرکب شئے نہیں ہے جس سے اجزار تحلیلیہ نکل سکیں بلکہ یہ توہم نے مثال کے طور پر کہدیا ہے جسمیں مشبہ اور مشبہ بہ کا من کل الوجوہ متحد ہونا ضروری نہیں بلکہ اگر کسی ایک صفت میں بھی اتحاد ہے تو اس سے تشبیہ دے سکتے ہیں ہاں مثل میں یہ بات ہے کہ جب یہ کہا جاوے کہ فلاں شئے فلاں کے مثل (بکسر المیم) ہے اسوقت اسکا من کل الوجوہ مثل ہونا ضروری ہے تو یہ مثال ہے مثل نہیں ہے خوب سمجھ لو۔ اس مقام کی تقریر بھی حضرت قبلہ حکیم الامۃ دام ظلہم نے خود تحریر فرماکر عنایت فرمائی ہے۔ جسکو ذیل میں ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔ وھو ھذا۔

قولہ فرق و اشکالات الخ۔ اشکال یہ ہے کہ نور خورشید تو واحد بالشخص ہے۔ اور اسکے یہ قطعات اسکے اجزار تحلیلیہ ہیں بخلاف کمال مقبولین کے کہ وہ واحد بالشخص ہیں اور نہ اسکے افراد اسکے اجزار تحلیلیہ ہیں۔ جواب یہ ہے کہ یہ مثال ہے مماثل نہیں وجہ تشبیہ مطلق عدم تخالف ہے گو ایک جگہ اسکا تحقق وحدۃ شخصیہ کے ضمن میں ہو اور دوسری جگہ اتحاد اغراض میں انتہی بلفظہ۔ آگے ایک اور مثال سے اس امر کو بتلاتے ہیں کہ دیکھیو مثال میں من کل الوجوہ مشابہت ضروری نہیں فرماتے ہیں کہ۔

فرقہا بیحد بود از شخص شیر تا بہ شخص آدمی زاد دلیر

یعنی شیر کے جسم میں اور آدمی زاد دلیر کے جسم میں بیحد فرق ہوتے ہیں۔

لیک در وقت مثال ای خوش نظر اتحاد از روئے جانبازی نگر

یعنی لیکن اے خوش نظر مثال کے وقت اتحاد جانبازی کی حیثیت سے دیکھو۔

کان دلیر آخر مثال شیر بود نیست مثل شیر در جملہ حدود

یعنی کہ وہ دلیر آخر شیر کی مماثل تھا نہ کہ تمام حدود میں اسکے مثل تھا مطلب یہ ہے دیکھو بولتے ہیں کہ فلاں شخص تو بالکل شیر ہے۔ حالانکہ کہاں شیر اور کہاں آدمی زمین و آسمان کا فرق مگر بولتے ہیں تو مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ دلیری میں شیر کی طرح ہے باقی صفات مثل درندگی وغیرہ میں یا صورت میں اسکے مثل نہیں ہے تو اسی طرح یہاں بھی مثال ہے کہ آپس کے تخالف اور تضاد کو مثال دینا منظور ہے۔ اگرچہ اور

تمام صفات میں تشابہ نہیں ہے خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

متحد نقشے ندارد این سرا تاکہ مثلے وانمایم من ترا

یعنی یہ عالم کوئی نقش متحد نہیں رکھتا تاکہ میں تمکو کوئی مثل دکھلادوں۔ مطلب یہ کہ اس جہان میں کوئی ایسی شے نہیں ہے کہ جو بالکل اسی کی طرح اور اسکی مثل ہو اور میں تمکو اسکو کہدوں کہ اُن قلوب کاملین میں کمالات کی وجہ سے ایسا اتحاد ہے جیساکہ فلاں شے میں ہے لہذا اُنکا اتحاد مثالوں ہی سے بیان کیا جاویگا۔ لیکن۔

ہم مثال ناقصے دست آورم تاز حیرانی خرد را واخرم

یعنی ایک ناقص مثال ہی لاتا ہوں تاکہ عقل کو حیرانی سے چھڑاؤں۔ مطلب یہ کہ اُس اتحاد کی کوئی شے مماثل تو ہے نہیں اسلئے ایک مثال ہے جو کہ اُسکے سامنے بالکل ناقص ہے بیان کرتا ہوں۔ کہ اُس سے تمھاری عقل کی حیرانی کچھ تو کم ہو۔ اور تم کچھ سمجھو تو آگے روح حیوانی کی مثال بیان کرتے ہیں کہ۔

شب بہر خانہ چراغے می نہند تا بنور آن ز ظلمت وارہند

یعنی رات کو ہر گھر میں ایک چراغ رکھتے ہیں تاکہ اُسکے نور کی وجہ سے اندھیرے سے چھوٹیں۔

آن چراغ این تن بود نورش چو جاں ہست محتاج فتیل این و آں

یعنی وہ چراغ تو یہ بدن ہے اور اُسکا نور جان کی طرح ہے اور وہ اِسکے اور اُس کے فتیلہ کا محتاج ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھو رات کو ہر گھر میں چراغ جلاتے ہیں تاکہ روشنی ہو لیکن وہ چراغ اسکا محتاج ہوتا ہے کہ اُسمیں بتی ہو تیل ہو۔ تب وہ جلتا ہے اور نور دیتا ہے۔ ورنہ گل ہو جاتا ہے۔ تو اسی طرح روح حیوانی جو کہ حقیقت میں ایک بخار لطیف ہے جب تک اُسکو کھانا پینا ملتا رہے اسوقت تک تو رہتی ہے اور جہاں یہ بند ہوا اور وہ فنا ہوئی۔

واں فتیلہ پنج دارد از حواس جملگی بر خواب و خور دارد اساس

یعنی وہ حواس کی پانچ بتیاں رکھتی ہے جو کہ سب کے سب خواب و خور پر بنیاد رکھتی ہیں۔

مطلب یہ کہ جسطرح کہ چراغ ہوتے ہیں کہ ہر ایک خودغرض ہوتا ہے اُسکو دوسرے کی پرواہ نہیں ہوتی ہے اسی طرح روح حیوانی کی اغراض علیحدہ علیحدہ ہیں ہر ایک ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائے ہوئے ہے، ایک کی غرض کچھ ہے اور دوسرے کی کچھ ہے چونکہ اوپر چراغوں اور روح حیوانی کے دو وصف بیان کئے تھے ایک تو انکا محتاج اسباب ہونا اور دوسرا انکا عدم بقار تو اگرچہ یہاں مقصود تو وصف اول ہے لیکن صفت ثانی یعنی عدم بقار کو بھی استطراداً بیان فرمانے لگے اصل مقصود مقام تو یہاں ختم ہو گیا آگے مضمون استطرادی ہے۔

بیخور و بے خواب نزید نیم دم　　　یا خور و با خواب نزید نیز ہم

یعنی بے خواب و خور کے تو ایک گھڑی بھی زندہ نہیں رہ سکتی (لیکن) خواب و خور کے ساتھ بھی (ہمیشہ کیلئے) زندہ نہیں رہ سکتی (خواب و خور سے مراد ستہ ضروریہ) مطلب یہ کہ ان چیزوں کے نہونے سے تو وہ فنا ہو ہی جاتی ہے لیکن باوجود ان اشیا کے ہونے کے بھی اُسکو بقار ابدی نہیں ہے۔ بلکہ جب بھی فانی ہی ہے۔ جیسا کہ۔

بے فتیلہ و روغنش نبود بقا　　　با فتیلہ و روغن او ہم بیوفا

یعنی بے فتیلہ اور تیل کے اُسکو بقا نہیں ہے اور مع فتیلہ اور تیل کے بھی وہ بیوفا ہے مطلب یہ کہ جیسا کہ چراغ کہ اگر اسمیں تیل بتی ہو تب بھی وہ ایک وقت مقرر کے بعد گل کر دیا جاتا ہے اور فنا ہو جاتا ہے اور اگر تیل بتی نہو تب تو اسکو بقا سے ہی نہیں۔

زانکہ نور علتی اش مرگ جو است　　　چون زید کہ روز روشن مرگ اوست

یعنی اسلئے کہ نور ضعیف اُسکا موت کا متلاشی ہے تو وہ کیونکر جئے کہ روز روشن اُسکی موت ہے مطلب یہ کہ چراغ کا نور جو کہ ایک نور ضعیف ہے وہ بھلا کس طرح زندہ رہ سکتا ہے جبکہ روز روشن آویگا تو اسکو تو عادۃً موت آہی جاویگی اور وہ فنا کر ہی دیا جاویگا۔ بھلا وہ نور ضعیف اُس نور روز کے آگے کب ٹھیر سکتا ہے۔

جملہ حسہائی بشر ہم بے بقا است　　　زانکہ پیش نور روز حشر لا است

یعنی تمام حواس بشری بھی بے بقار ہیں اسلئے کہ روز حشر کے نور کے آگے سب فانی ہیں

مطلب یہ کہ روح حیوانی کو بقار ابدی نہیں ہے۔ بلکہ وہ فانی ہے کیونکہ قیامت کے روز تو جو عذاب وثواب ہوگا وہ نسمہ پر ہوگا۔ اسلئے اوس روح حیوانی کی حاجت نہ رہی اور جیسے کہ چراغ کی قریب صبح حاجت نہیں رہتی اسلئے اسکو پہلے ہی گل کردیتے ہیں بس اسی طرح روح حیوانی کو بھی حشر بپا ہونے سے پہلے ہی یعنی موت کیساتھ ہی فنا کردیتے ہیں کیونکہ وہاں اُسکا کوئی کام ہی نہیں ہے۔ پھر اسکو اسوقت کیلئے کیوں رکھا جاوے اب یہاں چونکہ روح حیوانی کے عدم بقار کو استطرادًا بیان کیا تھا تو آگے اسی مناسبت سے روح انسانی کے بقا کو بھی استطرادًا بیان فرماتے ہیں کہ

نور حس و جان ناپایان ما ۔۔۔ نیست کلی فانی ولا چوں گیا

یعنی ہمارا نور حس اور جان ابدی بالکلیہ فانی اور نیست گھاس کی طرح نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح کہ روح حیوانی موت سے فنا ہوجاتی ہے روح انسانی موت سے فنا نہیں ہوتی۔ بلکہ اسکو بقار ابدی حاصل ہے جیسا کہ اکثر صوفیہ اور بعض علمار ظاہر اس طرف گئے ہیں کہ خلق الانسان للابد یعنی انسان ابدی ہے ہاں ازلی ابدی نہیں ہے۔ بلکہ صرف ابدی ہے اسمیں کوئی استحالہ لازم نہیں آتا تو روح انسانی کو موت سے فنا نہیں۔ یہاں یہ شبہ ہوا کہ اگر روح انسانی موت سے فنا نہیں ہوتی اُسکے آثار دنیا میں کیوں ظاہر نہیں ہوتے۔ تو جواب اُسکا یہ ہے کہ چونکہ روح انسانی خواہ وہ کافر کی ہو یا مومن کی (کیونکہ روح انسانی سب میں ہوتی ہے) موت کے بعد تجلیات جمالیہ سے (جبکہ وہ روح مومن ہو) اور تجلیات جلالیہ سے (جبکہ وہ روح کافر ہو) مغلوب ہوجاتی ہے اسلئے اسکے آثار دنیا میں سے مٹ جاتے ہیں اور آثار ظاہر نہیں ہوتے۔ آگے تین مثالوں سے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ۔

لیک مانند ستارہ و آفتاب ۔۔۔ جملہ محو اند از شعاع آفتاب

یعنی لیکن ستارہ اور آفتاب کی طرح کہ سب شعاع آفتاب کی وجہ سے محو ہوتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جسطرح کہ ستارے آفتاب کے نکلنے کے وقت منطمس ہوجاتے ہیں۔ کہ اُن کے آثار مثل نور وغیرہ کے کچھ باقی نہیں رہتے۔ اسی طرح روح انسانی کے آثار بھی موت کے بعد

منطمس ہوجاتے ہیں اور دوسری اشیا رکا (یعنی تجلیات کا) غلبہ اسپر ہوجاتا ہے تو وہ مثل فانی کی معلوم ہوتی ہے اسی کی ایک دوسری مثال دیتے ہیں کہ۔

آنچنانکہ سوز و درد و زخم کیک — محو گردد چوں در آید مار الیک

یعنی جسطرح کہ درد اور سوزش پسو کے زخم کی محو ہوجاتی ہے جبکہ تمھاری طرف سانپ آوے مطلب یہ کہ ایک شخص کے پسو نے کاٹ لیا تھا اسکی تکلیف ہورہی تھی اور اسمیں درد اور جلن ہورہی تھی کہ اسی شخص کے سانپ نے کاٹ لیا۔ تواب باوجودیکہ پسو کے کاٹنے کی بھی تکلیف تو ہے لیکن اس سانپ کے کاٹے کے سامنے وہ اسقدر ہیچ ہے کہ گویا نہیں ہے اسی طرح روح انسانی بوجہ غلبہ تجلیات کے باوجود موجود ہونیکے اسقدر مغلوب ہوتی ہے گویا کہ بالکلیہ فانی ہے آگے تیسری مثال دیتے ہیں کہ۔

آنچنانکہ عور اندر آب جست — تا در آب از زخم زنبوران برست

یعنی جسطرح کوئی ننگا پانی میں کودا ایسا تاکہ پانی میں بھڑونکے زخم سے چھوٹا مطلب یہ کہ کوئی شخص پانی میں کودجاوے تو حالانکہ وہ موجود ہے لیکن بظاہر معدوم ہے یہی حالت روح انسانی کی بعد الموت ہوجاتی ہے۔ اصل مقصود مثال تو یہاں ختم ہوگیا آگے استطرادًا تتمیم مثال کیلئے دوسرے مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ کوئی کودتا ہے تو اسلئے کودا کرتا ہے بس اس وجہ سے مصرعہ ثانی میں اُسکی حالت کو بیان فرمانے لگے۔

می کند زنبور بر بالا طواف — چوں بر آرد سر ندارندش معاف

یعنی بھڑیں اوپر گھوم رہی ہیں جوں ہی وہ سر نکالے تو اسکو معاف نہ رکھیں گی مطلب یہ کہ کسی برہنہ کو بھڑیں لپٹ گئیں تو وہ اُن کے ڈر کے مارے پانی میں کودجاوے تاکہ ان کے کاٹنے سے چھوٹے تو وہ بھڑیں اوپر ہی گھومتی رہتی ہیں اور اس نے ذرا سر ابھارا اور انھوں نے ڈنک لگایا۔ اس سے مولانا کا ذہن ایک مضمون ارشادی کی طرف منتقل ہوگیا۔ آگے اسی کو بیان فرماتے ہیں۔

آب ذکر حق و زنبور این زماں — ہست یاد این فلان و آن فلاں

یعنی پانی تو ذکر حق ہے اور زنبور اسوقت اسکی اور اس کی یاد ہے مطلب یہ کہ جسطرح کہ پانی بنے

اُس شخص کو زنبوروں سے بچالیا اسی طرح اگر تو ذکر حق شروع کردیگا تو وہ ذکر حق تجھے وساوس وخیالات شیطانی سے بچالیگا۔ اسی کو خود فرماتے ہیں کہ۔

دم بخور در آب ذکر و صبر کن تا رہی از فکر و وسواس کہن

یعنی آب ذکر میں غوطہ لگا اور صبر کرتا کہ تو فکر اور وساوس کہنہ سے چھوٹ جاوے مطلب یہ کہ ادہر اودہر کے قصوں کو چھوڑ کر تم ذکر حق میں مشغول ہوجاؤ۔ تو پھر تم وساوس سے بچ جاؤگے

بعد ازاں تو طبع آں آب صفا خود بگیری جملگی سر تا بپا

یعنی اسکے بعد تو اُس آب صاف کی طبیعت خود سرتاپا لے لوگے۔ مطلب یہ کہ پھر جب ذکر تمھارے اندر سرایت کرجاویگا تو تم کو پھر اس ذکر متعارف کی ضرورت بھی نہ رہے گی بلکہ تمھارے اندر ایک ایسی بات پیدا ہوجاوے گی اور ذکر اس طرح سرایت کرجاویگا کہ اس ذکر متعارف کی تمکو ضرورت نہ رہے گی جیسا کہ کاملین میں مشاہد ہے کہ بعد کمال انکو کثرت ذکر کی ضرورت نہیں رہتی۔ بلکہ یہ حالت ہوجاتی ہے۔

آنچناں کز آب آں زنبور شر می گریزد از تو ہم گیرد حذر

یعنی جس طرح کہ وہ زنبور شر پانی سے بھاگتی ہے تجھسے بھی پرہیز کریگی۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم ذکر حق میں مشغول ہوگے اور اسمیں لگ جاؤگے تو پھر تم خود متصف بہ صفات حق ہوجاؤگے۔ اور تمھاری شان بی یسمع اور بی یبصر کی ہوجاویگی اور جسطرح کہ شیطان ذکر حق سے بھاگتا تھا خود ...... تمھاری ذات سے بھاگنے لگے گا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ان الشیطان یفر من ظل عمر (رض) یعنی حضرت عمر رض کے سایہ سے شیطان بھاگتا ہے تو اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ انکو وہ درجۂ کمال حاصل ہوگیا تھا جسکی وجہ سے وہ متصف بصفات حق ہوگئے تھے۔ اور شیطان خود انکی ذات سے بھاگنے لگا تھا۔ آگے فرماتے ہیں کہ

بعد ازاں خواہی تو دور از آب باش کہ بسی ہم طبع آبی خواجہ تاش

یعنی اسکے بعد اگر تو چاہے تو پانی سے دور رہ کیونکہ باطن میں تو تو بھی ہم طبع آب ہے۔ اے خواجہ تاش۔ مطلب یہ کہ جب یہ حالت ہوجاوے اور ذکر رگ وپے میں سرایت کرجاوے تو اسکے بعد اگر چاہو تو ذکر متعارف کو ترک کردو تب بھی کوئی حرج نہیں ہے خود تمھاری ذات سے

وہی ہوگا جو کہ ذکر سے ہوتا تھا۔ یعنی شیطان بھاگنے لگے گا آگے پھر عود ہے روح انسانی کے بقا کے مضمون کیطرف فرماتے ہیں کہ۔

بس کسانے کز جہاں بگذشتہ اند　　　لا نیند و در صفات آغشتہ اند

یعنی بہت سے لوگ جو کہ اس جہاں سے گذر گئے ہیں معدوم نہیں ہیں (بلکہ) صفات میں مل گئے ہیں۔

در صفات حق صفات جملہ شاں　　　ہمچو اختر پیش آں خورشید نشاں

یعنی صفات حق میں اُن سب کی صفات ستارہ کی طرح اُس خورشید کے سامنے بے نشان ہیں۔ مطلب یہ کہ جو حضرات بظاہر دنیا سے گذر گئے ہیں وہ معدوم نہیں ہیں بلکہ اُنپر صفات حق کا غلبہ ہوگیا ہے اور وہ اسمیں مغلوب ہو گئے ہیں کہ اُن کے آثار ظاہر دنیا میں نہیں رہے۔ ورنہ وہ معدوم نہیں بلکہ موجود ہیں جیسا کہ خورشید کے نور کے آگے نور اختر کالعدم ہوتا ہے۔ اسی مضمون کو اس سے پہلے بھی بیان فرما چکے ہیں یہانتک تو کشف کے ذریعہ سے اسکو بیان فرمایا تھا آگے ایک نقلی دلیل اسکی لاتے ہیں کہ۔

گرز قرآں نقل خواہی اے حروں　　　خواں جمیع ہم لدینا محضروں

یعنی اے سرکش اگر قرآن سے نقل کی ضرورت ہو تو ہم لدینا محضروں کو پڑھ لو۔

محضروں معدوم نبود نیک بیں　　　تا بقائے روحہا دانی یقیں

یعنی جو معدوم ہوتے ہیں وہ محضروں نہیں ہوتے۔ خوب دیکھ لو تاکہ ارواح کے بقا کو یقیناً جان لو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو دلیل نقلی کی ضرورت ہو تو دیکھو قرآن شریف میں ہے کہ جمیع لدینا محضرون کہ سب ہمارے پاس جمع ہونگے تو بھلا جو معدوم ہوتے ہیں وہ حاضر کیسے ہو سکتے ہیں اسلئے معلوم ہوا کہ انکی ارواح معدوم نہیں جب تو وہاں حاضر ہونگے۔ مگر چونکہ روح انسانی کفار و مسلمین سب میں ہوتی ہے اور سب کی ارواح تجلیات میں مغلوب ہیں صرف فرق اسقدر ہے کہ کفار کی ارواح پر تجلیات جلالیہ ہونگی اور مومنین کی ارواح پر تجلیات جمالیہ ہونگے اسلئے مولانا نے آگے روح کی قسمیں لیں اور دونوں کے احکام بیان فرماتے ہیں کہ۔

روح محجوب از بقایش در حجاب　　　روح واصل در بقا پاک از حجاب

یعنی روح محجوب (کافر) تو اپنی بقا کی وجہ سے حجاب میں ہے اور روح واصل بقا میں حجاب سے پاک ہے مطلب یہ کہ کفار کی ارواح انسانیہ بھی باقی ہیں اور مومنین کی بھی لیکن کفار کی ارواح اُس بقا ہی کی وجہ سے عذاب بھگت رہی ہیں اور مومنین کی ارواح اُس بقا ہی کی وجہ سے عیش میں ہیں آگے اصل مقصود یعنی روح حیوانی کے عدم اتحاد کی طرف عود ہے فرماتے ہیں کہ۔

زیں چراغ حس حیوان المراد　　　گفتمت ہاں تا نجوئی اتحاد

یعنی الحاصل اس حس حیوانی کے چراغ سے میں نے تم سے کہدیا کہ تم اتحاد کے متلاشی مت رہنا مطلب یہ کہ میں نے تمکو بتادیا ہے کہ تم ہرگز ہرگز روح حیوانی میں اتحاد کے امید پر مت رہنا انمیں ہرگز اتحاد نہو گا۔ بس جب یہ بات ہے تو آگے اسپر تفریع فرماتے ہیں کہ

روح خود را متصل کن اے فلاں　　　زود با ارواح قدس سالکاں

یعنی اے شخص اپنی روح کو جلدی سے سالکین کی ارواح مقدسہ کیساتھ متصل کردے مطلب یہ کہ تم اپنی روح انسانی کو جوکہ بوجہ اتباع روح حیوانی کے روح حیوانی ہی کے حکم میں ہو رہی ہے کاملین کی روح کیساتھ متصل کردو۔ تاکہ وہ بھی سالکین کی روح کے اوصاف کیساتھ متصف ہوجاوے۔ آگے پھر روح حیوانی کی مثال کی تقریر فرماتے ہیں کہ

صد چراغت ار مرند ار بیستند　　　پس جدا یند و یگانہ نیستند

یعنی سو چراغ اگر مریں اور اگر قائم ہوں تو وہ جدا ہیں اور ایک نہیں ہیں مطلب یہ کہ اگر تمہارے سیکڑوں چراغ ہوں وہ خواہ گل ہوں اور خواہ جلتے رہیں وہ سارے کے سارے جُدا ہی ہیں ایک تو نہیں ہیں۔ بس اسی طرح سے ارواح حیوانیہ خواہ وہ زندہ رہیں یا مرجاویں انمیں اتحاد نہیں ہوسکتا۔

زاں ہمہ جنگند ایں اصحاب ما　　　جنگ کس نشنید اندر انبیا

یعنی اسی لئے ہمارے سارے لوگ لڑائی میں ہیں اور کسی نے انبیا علیہ السلام میں لڑائی نہیں سنی۔

زانکہ نور انبیا خورشید بود　　نور حس ما چراغ و شمع و دود

یعنی اسلئے کہ انبیا علیہ السلام کا نور تو خورشید تھا اور ہمارا نور حس چراغ اور شمع اور دود تھا مطلب یہ کہ اسی عدم اتحاد کی وجہ سے غیر کاملین اور غیر مقبولیں میں ہمیشہ اختلاف رہتا ہے اور ہمیشہ لڑتے ہی رہتے ہیں لیکن انبیا میں کبھی لڑائی نہیں ہوتی۔ کیونکہ انکی مثال تو خورشید جیسی ہے۔ کہ اُسکا نور متحد ہے۔ اسمیں اختلاف نہیں ہے اور ہمارا نور چراغ جیسا ہے کہ جسمیں بالکل اختلاف ہے جیسا کہ خود فرماتے ہیں کہ۔

یک بمیرد یک بماند تا بروز　　یک بود پژمردہ دیگر با فروز

یعنی ایک مرتا ہے اور ایک دن تک رہتا ہے اور ایک پژمردہ ہوتا ہے اور دوسرا بارونق رہتا ہے۔ مطلب یہ کہ چراغوں کے اختلاف کی اور تزاحم کی یہ حالت ہے کہ ایک روشن ہے ایک گل ہے ایک ٹمٹمارہا ہے ایک بالکل گل ہوگیا ہے لیکن شمس میں یہ بات نہیں ہے بلکہ اُسکا نور ہمیشہ اور ہر جگہ یکساں ہے اگر ہے تو سب جگہ ہے اور اگر نہیں ہے تو کہیں بھی نہیں ہے۔

جان حیوانی بود حی از غذے　　ہم بمیرد او بہر نیک و بدے

یعنی جان حیوانی تو کھانے سے زندہ رہتی ہے اور وہ ہر ایک نیک و بد سے مر بھی جاتی ہے مطلب یہ کہ یہ سب تو خود غرض ہیں ہر ایک کا کھانا پینا اور غذا الگ ہے جیسا کہ چراغوں میں سبکی غذا اور تیل بتی الگ الگ ہے۔ اور یہ حالت ہے کہ۔

گر بمیرد ایں چراغ و طے شود　　خانہ ہمسایہ مظلم کے شود

یعنی اگر یہ چراغ مرجاوے اور طے ہو جاوے تو ہمسایہ کا گھر اندھیرا کب ہوتا ہے مطلب یہ کہ اگر ایک گل ہو گیا تو دوسرا روشن ہے انمیں بوجہ تزاحم کے یہ تو ہے نہیں کہ ایک گل ہو تو دوسرا بھی گل ہی ہو جاوے۔

نور آں خانہ چو بے ایں ہم بپاست　　پس چراغ حس ہر خانہ جداست

یعنی اس گھر کا نور جو بے اسکے بھی موجود ہے تو چراغ حس ہر گھر کا جدا ہے مطلب یہ کہ جب باوجود ایک کے گل ہو جانے کے بھی دوسریکا نور موجود ہے تو معلوم ہوا کہ ہر گھر کا

چراغ الگ الگ ہے۔ اور ہر ایک کے نور میں تزاحم ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

این مثال جان حیوانے بود　　　نے مثال جان ربانے بود

یعنی یہ جان حیوانی کی مثال ہوتی ہے نہ کہ جان ربانی کی مثال ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ یہ چراغ کی مثال جان حیوانی کی مثال ہے ورنہ جان ربانی ایسی نہیں ہوتی بلکہ اسمیں تو اتحاد ہوتا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ آگے ایک اور مثال اس اتحاد کی دیتے ہیں کہ۔

باز از ہندوے شب چوں ماہ زاد　　　بر سر ہر روزنے نورے فتاد

یعنی پھر ہندوئے شب سے جو چاند پیدا ہوا تو ہر روزن پر ایک نور پڑا۔ (رات کو بوجہ تاریکی کے ہندو کہدیتے ہیں) مطلب یہ کہ لو پھر اور ایک بات سنو کہ جب رات کو چاند نکلا تو اسکا نور ہر جگہ پر پڑا۔

نور آں صد خانہ را تو یک شمر　　　کہ نماند نور ایں بے آن دگر

یعنی اس سو گھروں کے نور کو تم ایک ہی گنو کیونکہ اسکا نور اسکے بغیر نہیں رہتا۔ مطلب یہ کہ چاند کا نور جو سب چیز و پر پڑا ہے اور وہ بظاہر کئی نور معلوم ہوتے ہیں تم ان کو کئی مت جانو بلکہ وہ غایت اتحاد کی وجہ سے ایک ہی نور ہے۔ جسکی دلیل یہ ہی کہ اگر ایک جگہ کا نور جاتا رہے تو فوراً دوسری جگہ کا بھی جاتا رہتا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہو گیا کہ یہ سب ایک ہی تھے۔ اس مثال کا بھی حاصل وہی ہے جو اوپر گذرا۔ آگے پھر اسی مثال خورشید کو پھر بیان فرماتے ہیں کہ۔

تا بود خورشید تاباں بر افق　　　ہست در ہر خانہ نور او قنق

یعنی جب تک کہ خورشید تاباں افق پر ہوتا ہے اسکا نور ہر گھر میں مہمان ہوتا ہے یعنی ہر جگہ اسکا نور یکساں پڑتا ہے۔ آگے تتمیم مثال کیلئے اسکو بیان کرتے ہیں کہ جسطرح طلوع نور کے وقت اتحاد ہے اسی طرح اسکے غروب میں بھی اتحاد ہے کہ جب غروب ہوتا ہے تو اسوقت بھی سب جگہ ہی سے غروب ہو جاتا ہے۔ یہ مضمون محض استطراداً وتتمیماً للمثال بیان فرماتے ہیں۔

باز چوں خورشید جاں آفل شود　　نور جملہ خانہا زائل شود

یعنی پھر جب خورشید جاں غروب ہو جاتا ہے تو تمام گھرونکا زائل ہو جاتا ہے (اس سے پہلے چونکہ جاں کو خورشید سے مثال دی تھی تو اب خورشید کو جان سے مثال دیدی کہ جب تشابہ دونوں طرف سے ہے تو ظاہر ہے کہ خورشید جان کی طرح تو جان خورشید کی طرح ہوگی تو یہاں غایت تشابہ کی وجہ سے خورشید کو جان سے تشبیہ دیدی) مطلب یہ کہ وہ خورشید جو کہ جان کی طرح ہے جب غروب ہو جاتا ہے تو ایکدم سے سب گھروں میں سے نور جاتا رہتا ہے اب یہاں فلسفی شخص کو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ جب جان کو خورشید سے مثال دی اور خورشید منور بالذات ہے اور مستقل ہے تو روح بھی مستقل ہوئی اور قدیم ہوئی جیسا کہ اُسکا مذہب ہے تو اس سے اُسکو سہارا مل سکتا تھا آگے اُسکا رد فرماتے ہیں کہ۔

ایں مثال نور آید مثل نے　　مر ترا ہادی عدو را رہزنے

یعنی یہ نور کی مثال ہے مثل نہیں ہے اور تمھارے لئے تو ہادی ہے اور عدو کیلئے رہزن ہے مطلب یہ کہ یہ مثل تو ہے نہیں صرف مثال ہے جو شخص کہ تابع وحی ہے اُسکے لئے تو ہادی ہے کہ اسکو صرف مثال سمجھکر روح کو حادث بالذات والزمان سمجھے گا اور جو دشمن دین اور غیر تابع وحی ہے وہ اسکو مثل سمجھکر اس سے روح کو قدیم سمجھیگا اور گمراہ ہوگا۔ اس دشمن دین کی یہ حالت ہے کہ۔

بر مثال عنکبوت آں زشت خو　　پردہا ے گندہ را بر بافد او

یعنی مکڑی کی طرح وہ زشت خو گندے پردے بن رہا ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ مکڑی اپنے لعاب سے جالا بناتی ہے کہ وہ بیحد کمزور اور گندہ ہوتا ہے اسی طرح یہ فلسفی گندی باتیں کہہ رہا ہے۔ اور وحی کا معارضہ کر رہا ہے۔

از لعاب خویش پردہ نور کرد　　پردۂ ادراک خود را کور کرد

یعنی اپنے لعاب سے نور کا پردہ بنایا اور اپنے ادراک کے پردہ کو اندھا کر لیا۔ مطلب یہ کہ فلسفہ میں پڑکر اور وحی کا معارضہ کر کے اپنی بصیرت کو مٹا لیا۔ اور بالکل اندھا ہو گیا کہ اب اسکو حقیقت نظر ہی نہیں آتی۔ اور اتباع وحی نہونے کی وجہ سے اسکی ایسی مثال ہو کہ

۲۶/۵/۷۱ [handwritten margin note]

گردن اسپ ار بگیرد برخورد ور بگیرد پاش بستاند لگد

یعنی اگر گھوڑے کی گردن پکڑے تو وہ گھوڑا کھا جاوے۔ اور اگر اسکا پاؤں پکڑے تو لات مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص گھوڑے پر بے لگام کے سوار ہونے لگے تو اگر منہ کی طرف جاوے تو وہ کاٹتا ہے اور اگر پاؤں کی طرف جاوے تو وہ لات مارتا ہے غرضکہ بوجہ لگام نہونیکے اسکو کسی طرف سے امن نہیں ملتا۔ تو اسی طرح چونکہ فلسفی کے پاس شریعت کی باگ نہیں ہے لہذا وہ جس مضمون کو بیان کرتا ہے اگر اُسکی نفی کرتا ہے تب بھی ٹھوکر کھاتا ہے اور اگر کسی کا اثبات کرتا ہے تب بھی راس نہیں آتا۔ غرضکہ ساری خرابی شریعت کا اتباع نہونے کی وجہ سے ہی ہے۔ اسلیئے مولانا آگے فرماتے ہیں کہ۔

کم نشیں بر اسپ توسن بے لگام عقل و دین را پیشوا کن والسلام

یعنی سرکش گھوڑے پر بے لگام کے کم بیٹھو اور عقل و دین کو پیشوا بناؤ والسلام۔ مطلب یہ کہ علوم عالیہ ایک سرکش گھوڑے کی طرح ہیں اور شریعت انکے لئے لگام ہے کہ انکو حدود میں رکھتی ہے۔ تو تم انکو بے اتباع کے بیان مت کرو۔ اور دین کو عقل کے ساتھ ملاکر پیشوا بناؤ اسلیئے کہ اگر صرف عقل ہے تب تو گمراہ ہونا ظاہر ہی ہے کہ ہدایت دین ہی سے ہے لیکن اگر صرف دین ہے عقل نہیں ہے تب بھی گمراہی ظاہر ہے اسلیئے کہ دین کو سمجھنے کیلیئے آخر عقل ہی کی ضرورت ہے۔ لہذا دونوں کی ضرورت ہے۔ والسلام۔ اب یہاں کسیکو یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ پھر دین تو بیحد آسان چیز ہوئی اسکا حصول کیا مشکل ہے تو اگرچہ یہ امر بالکل درست ہے لیکن اس سے کوئی دین کو ہلکا سمجھنے لگتا۔ اسلیئے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

اندریں آہنگ منگر سست و پست کاندریں رہ صبر و شق انفس است

یعنی اس راہ کو سست و پست مت دیکھو کہ اسمیں صبر و شق انفس ہے مطلب یہ کہ اسکو اسقدر ہلکا بھی نہ سمجھا جاوے کہ کچھ کیا ہی نہ جاوے بلکہ اسمیں بہت مجاہدات و ریاضات کرنے پڑتے ہیں اُن مجاہدات کے بعد برکات و حی فائض ہوتے ہیں اور پھر کچھ ملتا ہے۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس سُرخی میں شعر کردۂ او کردۂ تست اے حکیم۔ الخ سے اس شعر یعنی اندریں آہنگ الخ تک کے اشعار میں جو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مضامین بیان فرمائے ہیں وہ

مضامین بھی غامض ہیں اور پھر دوسری بات یہ ہے کہ مضامین ہیں انہیں کہیں کہیں ربط
ذرا مشکل ہے۔ اسلئے حضرت قبلہ حکیم الامۃ دام ظلہم نے اس مقام کے متعلق اپنے قلم سے
بھی تقریر تحریر فرمائی ہے۔ لہٰذا ذیل میں اسکا درج کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ وہو ہذا۔
قولہ "کردہ او کردہ نشست الخ" قولہ مومنان الخ مراد یہ کہ اُن کے ایمان کامل کا سب کا مقتضا
ایک ہے لگے اسکی لم ہے کہ انکا جسم گو ایک ہے لیکن انکی روح انسانی بحیثیت اپنے
مطلوب کے ایک ہے یعنی اُن سب ارواح کا مطلوب ایک ہے۔ اور وہ مطلوب مقتضا ہے
انکے ایمان کامل کا پس یہ کہنا صحیح ہوا لیک ایمان یکے۔ آگے بتلاتے ہیں کہ وہ ارواح جن
سب کا مطلوب ایک ہے ارواح حیوانیہ نہیں ہیں جنکا مطلوب اکل و شرب و لذات حسیہ
ہیں بلکہ ان ارواح حیوانیہ کے علاوہ انسان میں ایک اور روح ہے اور اس حکم اتحاد مطلوب
کا محکوم علیہ وہ روح ہے مگر نہ مطلقاً بلکہ جبکہ اپنے مقتضائے اصلی پر باقی رہے روح حیوانی
کے تابع نہ ہو جاوے۔ اور یہ مقتضا چونکہ انبیاء و اولیاء میں جو کہ کامل الایمان ہیں اقوی و اکمل
ہے۔ آگے اسی کو فرماتے ہیں "باز غیر عقل و جان الخ" پس یہ تغایر باعتبار ذات کے نہیں
کیونکہ مقبولین میں روح انسانی کے علاوہ کوئی اور روح زائد نہیں ہے بلکہ تغایر باعتبار وصف
خاص کے ہے یعنی انکی ارواح میں وصف ایمانی و عرفانی مقتضی اتحاد مطلوب عامہ سے
بڑھا ہوا ہے۔ آگے ارواح حیوانیہ کے عدم اتحاد کا ذکر ہے کہ ان سب کا مطلوب مختلف ہے
اسلئے انمیں تزاحم و تمانع ہوتا ہے آگے بطور حاصل کے مجموعہ حکمین یعنی مقبولین میں بحیثیت
مذکورہ اتحاد اور غیر مقبولین میں عدم اتحاد کو اس شعر میں فرماتے ہیں "جان گرگان و سگان الخ"
اس شبہ کو رفع فرماتے ہیں کہ جب وہ سب متحد ہیں تو انکو صیغہ جمع سے کیوں تعبیر کرتے ہو۔
جواب یہ ہے کہ وہ اتحاد بالاغراض ہے ورنہ بالتشخص تو انمیں تعدد ہی ہے کہ ہر جسم کے ساتھ
جدا روح انسانی متعلق ہے اور اس اختلاف احکام جسمیہ کے وجہ سے باوجود اتحاد غرض کے
طرق تحصیل غرض میں انمیں بھی اختلاف ہے۔ آگے اتحاد مذکور کی مثال ہے۔ "ہمچو آں
یک نور خورشید الخ" کہ اس مثال میں بھی من وجہ تعدد من وجہ اتحاد ہے۔ اور جسطرح یہاں
دیواروں کے اٹھنے سے ایک ہی نور ہو جاتا ہے اسیطرح وہاں جب احکام جسمیہ مرتفع ہو جاویں گے

خصوصیات طرق زائل ہوکر غرض میں اتحاد محض رہ جاویگا - اسی لئے تو اس حکم میں مومنین
کی تخصیص فرمائی - پس یہاں بھی صرف ارواح کاملین کا متحد بالغرض ہونا مذکور ہوا ہی - اب
ظاہراً اس مثال سے یہ اشکال لازم آتا تھا کہ مثال میں تو سب قطعات نور یہ اجزاء ہیں
نور واحد بالتشخص کے اور ارواح متعددہ اجزاء نہیں ہیں روح واحد بالتشخص کے جواب اسکا
ظاہر ہے کہ یہ مثال ہے مثل نہیں - اتحاد من جہۃ دونوں میں مشترک ہے گو وجہ اتحاد مختلف
ہو وہذا قولہ فرق واشکالات الخ یعنی دونوں میں واقع میں فرق ہے اور وہی فرق بنا ہے
اشکالات کی آگے عذر فرماتے ہیں کہ اتحاد مبعوث عنہ کیساتھ کوئی محل بجز قلوب مومنین
کے متصف نہیں - اسلئے مثال میں کسی مثل کو پیش نہیں کر سکا - اور یہ حکم بہت ظاہر ہے -
اسلئے کہ اتحاد فی الغرض المحمود موقوف ہے علم اور قصد ونزاہت پر اور بعض مخلوقات کونیویہ
میں علم نہیں بعض میں قصد نہیں بعض میں نزاہت نہیں اور ملائکہ اس عالم کے کائنات
نہیں ان سب کا جامع اس دنیا میں صرف اہل ایمان کامل ہیں وہذا ہو قولہ متحد نقشے الخ
یعنی ایں سرا دنیا اندر خود نقشے یعنی مخلوقے ندارد - کہ موصوف باتحاد مذکور باشد
بجز قلوب مومنین کاملین - آگے فرماتے ہیں کہ ایک مثال ناقص ارواح حیوانیہ کے عدم الاتحاد
کی بھی لاتا ہوں اور ناقص ہونا اسکا بھی ظاہر ہے کہ انوار سرج میں تزاحم تو نہیں جسطرح اغراض
عوام میں تزاحم ہے اور ہر چند کہ عوام میں بھی ارواح انسانیہ ہیں مگر چونکہ وہ تابع ہوگئیں
ارواح حیوانیہ کے مطلوبیت لذات میں اسلئے ان عوام کے اعتبار سے یہاں احکام ارواح
حیوانیہ کے بیان فرمائے - ان اشعار میں شب بہر خانہ الخ اور جملگی برخواب وخور میں اشارہ
کر دیا انکی علت تزاحم کی طرف کہ وہ طالب ہیں لذات حسیہ کی جنمیں تزاحم ہوتا ہی بس اصل
مضمون مقصود مقام یہاں ختم ہوا اور اس مثال میں دو وصف متحقق ہیں ایک احتیاج الی الاسباب
والآلات دوسرے عدم بقاء اور گو وجہ تشبیہ وصف اول ہے لیکن تبعاً وصف ثانی کی
تطبیق بھی بیان فرمانے لگے اس شعر سے بے خور وبے خواب الخ اور عدم بقاء روح حیوانی
کا ظاہر ہے کہ مرنے کے ساتھ ہی فنا ہوجاتی ہے اور جملہ روز روشن مرگ اوست کے معنی یہ
ہیں کہ عادۃً انکو گل کر دیا جاتا ہے - اور جملہ زانکہ پیش نور روز حشر لاست کے معنی یہ ہیں کہ

اُس روح حیوانی کے فنار وقت الموت کی حکمت یہ ہے کہ جسطرح دنکو چراغ بیکار ہوجاتا ہے اسی طرح یہ روز حشر میں بیکار ہوتی۔ اسلئے کہ جزا و سزا انسان کی اُسکے تسمہ پر ہوگی نہ کہ روح حیوانی پر بخلاف احکام دنیویہ کے کہ احتیاج الی المعیشۃ کے سبب اُسکی حاجت تھی پس تالم وتنعم میں وہ بھی شریک تھی۔ اسلئے اُسکا بقار بعد الموت بے فائدہ تھا اسلئے وہ فنا کردیگئی اور چونکہ استطراداً روح حیوانی کے عدم بقار کا ذکر کیا۔ اسلئے استطراداً ہی روح انسانی کے بقا کا بھی ذکر فرماتے ہیں۔ اس شعر سے نور حسن و جان الخ یعنی وہ موت سے فنا نہیں ہوتی پھر جو اُسکے آثار دنیا میں ظاہر نہیں ہوتے اُسکی وجہ یہ ہے کہ بعد الموت بوجہ مفارقت مادہ ہیولانیہ کے جو کہ قبول تجلیات سے مانع تھا اس نے تجلیات حق کو زیادہ قبول کیا خواہ تجلیات جمالیہ جیسے اہل ایمان پر خواہ تجلیات جلالیہ جیسے اہل کفر پر پس اُن تجلیات سے مغلوب ہوکر اُسکے آثار عالم دنیا سے منطمس ہوگئے۔ وھذا قولہ لیک مانند ستارہ الخ وقولہ آنچناں کہ سوز الخ وقولہ آنچنانکہ عور اندر آب جست الخ اور وجہ شبہ صرف مصرعہ اول میں تام ہوگئی باقی مصرعہ ثانیہ اور شعر ثانی محض تتمیم ہے حالت مشبہ بہ کی جسکو اس تشبیہ میں کچھ دخل نہیں۔ مگر اس تتمیم سے مولانا کا ذہن منتقل ہوگیا۔ ایک مضمون ارشادی کی طرف جسکو اس شعر سے ارشاد فرمایا ہے آب ذکر حق و زنبور الخ جسکا حاصل یہ ہے کہ مانع وساوس سے ذکر حق ہے تو اسمیں مستغرق ہوجا جب یہ خوب ساری ہوجاوے پھر اگر ذکر متعارف بھی نہو تب بھی ضرر نہیں چنانچہ کاملین میں ظاہراً ذکر کی تقلیل کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ یہ مضمون ارشادی خواجہ تاش تک ختم ہوگیا آگے پھر عود ہے مضمون سابق بقار ارواح انسانیہ کی طرف بس کسانے الخ یعنی گو ظاہراً فانی ہیں مگر باقی ہیں اور صفات حق سے مراد عام ہے جلالیہ و جمالیہ سے چنانچہ اسی عموم کی بنا پر آگے اسکی دو قسمیں فرمائیں۔ روح محجوب الخ پس از علیہ ہے نہ کہ صلہ محجوب کا آگے زین چراغ الخ میں پھر مقصود یعنی تزاحم ارواح حیوانیہ کی طرف عود ہے۔ آگے روح خود را الخ میں گویا ماقبل پر تفریع ہے کہ جب روح حیوانی کا عدم اتحاد اور روح انسانی کا اتحاد ثابت ہوچکا تو تو اپنی روح کو کہ بوجہ اتباع روح حیوانی کے بحکم روح حیوانی کے ہوگئی ہے۔ ارواح کاملین کے ساتھ متصل یعنی ان کے تابع کردے کہ وہ بھی اُن ہی کے ارواح کی سا وصاف

کے ساتھ متصف ہو جاوے آگے صد چراغ گرت الخ سے این مثال جان حیوانی الخ تک پھر
تقریر ہے مثال مذکور بالا روح حیوانی کی اسی حکم عدم اتحاد کی توضیح کیلئے یہانتک مثالیں
ختم ہو گئیں اتحاد ارواح انسانیہ کی بھی کہ وہ مثال تھی آفتاب کی اور عدم اتحاد ارواح
حیوانیہ کی بھی کہ وہ مثال تھی چراغ کی آگے باز از ہندوئے شب الخ میں دوسری مثال
اسی اتحاد کی فرماتے ہیں پس باز بمعنی ثم تراخی فی المذکور کیلئے نہیں بلکہ تراخی فی الذکر
کیلئے ہے یعنی ایک مثال تو ہیں اوپر دیکھا پھر اسکے بعد دوسری مثال سنو جسکا حاصل بھی وہی ہے
اور شاید نکتہ اس دوسری مثال میں یہ ہو کہ مولانا نے اتحاد کا حکم دو محل میں کیا ہے ارواح انبیا
میں اور ارواح اولیا میں پس محل اول کیلئے مثال خورشید کی ہو اور محل ثانی کیلئے مثال ماہتاب
کی ماہتاب کی مثال تصریح رد علی الفلسفی کیلئے ہو کہ جسطرح نور قمر حادث زمانی ہے اسی طرح وجود روح
حادث زمانی ہے۔ آگے مثال مذکور کی تتمیم ہے۔ کیونکہ اوپر اتحاد میں محض طلوع کا اعتبار کیا گیا ہے
اور پورا اتحاد جب ثابت ہوتا ہے کہ غروب کی حالتمیں بھی اتحاد ہو اسلئے تابود خورشید اور باز
چوں خورشید میں دونوں کے مجموعہ کی تقریر فرما دی ہیں خورشید جان سے مراد بھی خورشید اور اسکی صفات
جان کی طرف باعتبار ادنی ملابست کے ہے کہ جان اسکا مشبہ ہے۔ آگے این مثال نور آمد الخ میں
رد ہے فلسفی کا کہ شاید وہ اس تشبیہ روح بالشمس سے تائید سمجھنے لگے قدم روح کی جو کہ اسکا مذہب ہے
پس اجمالاً رد فرماتے ہیں کہ اول تو یہ مثل نہیں مثال ہے اور ظاہراً مولانا نے اسی پر اکتفا فرمایا مگر
آگے جواب کی طرف بھی اشارہ فرمایا یعنی پھر مثل ہونے سے بھی خود وہ مثل ہی حادث ہے ذاتاً
و زماناً جسکی دلیل اگر عقلی کسی کی نزدیک کافی نہو تو وحی تو کافی ہے۔ جسکے مقابلہ میں اُس فلسفی کے
خیالات مثال تار عنکبوت کے ہیں جو اسکے لئے نور حقیقت سے حجاب ہے۔ اور اس فلسفی کی یہ
حالت ہے جیسے کوئی شخص گھوڑے پر بدون لگام کے جو کہ اُسکو حد کے اندر رکھتی ہے سوار ہونے
لگے کہ اگر اُسکا سر پکڑتا ہے تو وہ کاٹتا ہے اور اگر پاؤں پکڑتا ہے تو لات مارتا ہے۔ اسی طرح اُسکی
حالت ہے کہ بدون قید شرع کے جو کہ عقل متوسط کو حد کے اندر رکھتی ہے اگر الٰہیات کی تحقیق کرتا
ہے تب گمراہ ہوتا ہے اور اگر طبعیات کی تحقیق کرتا ہے تب بھی گمراہ ہوتا ہے آگے وصیت فرماتے
ہیں کہ بدون وحی کے مرکب علوم پر سوار مت ہو جبکہ وحی کو جسکا صحیح ادراک عقل سلیم سے ہوتا ہے

(کیونکہ بدون اسکے تو وحی میں بھی افراط تفریط کرنے لگتا ہے) اپنا متبوع بناؤ اور آگے ان لوگوں کی اصلاح فرماتے ہیں جو اتباع وحی کا کرتے ہیں مگر ظاہر پرستی و اقتصار علی الصورت کے سبب اسکو سرسری سمجھتے ہیں پس فرماتے ہیں کہ اسپر سستی اور پستی سے نظر مت کرو کیونکہ اسمیں مشقت کی بھی ضرورت ہے۔ عملاً بھی حالاً بھی اور وہ مشقت مجاہدہ نفس ہے۔ اس سے حقیقت وحی کی ظاہر ہوتی ہے اور برکات وحی کے فائض ہوتے ہیں۔ کتبہ اشرف علی ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ

آگے مولانا پھر قصہ مسجد کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ۔

باز گرد و قصۂ مسجد بگو — با سلیمان نبی نیکخو

یعنی پھر لوٹو اور مسجد کا قصہ سلیمان نبی علیہ السلام نیکخو کے ساتھ بیان کرو۔ مطلب یہ کہ اوپر جو کہا تھا کہ ارشاد حق ہوا کہ اے داؤد (علیہ السلام) تم سے یہ مسجد نہ بنے گی تمھارا بیٹا اسکو پورا کرے گا تو اب فرماتے ہیں کہ انکی ساتھ اس مسجد کا کیا قصہ ہوا ذرا بیان تو کرو۔ آگے قصہ سنیے

مسجد اقصیٰ کی تعمیر کے قصہ کا بقیہ اور سلیمان علیہ السلام کا اوسکو بنانا اور ان کو غیب سے امداد پہونچنا

چون سلیمان کرد آغاز بنا — پاک چون کعبہ ہمایون چون منی

یعنی سلیمان علیہ السلام نے تعمیر شروع کی جو کہ کعبہ کی طرح پاک تھی اور منی کیطرح مبارک تھی

در بنایش دیدہ می شد کر و فر — نے فسردہ چون بناہائے دگر

یعنی اُسکی تعمیر میں (غیب سے) ایک شان و شوکت دیکھی جاتی تھی (اور وہ) دوسری تعمیرات کی طرح افسردہ نہ تھی۔

در بنا ہر سنگ کز کہ می شکست — فاش سیروا بی ہمیگفت از نخست

یعنی تعمیر میں جو پتھر کہ پہاڑ سے ٹوٹتا تو ظاہر طور پر پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے لیچلو۔ مطلب یہ کہ اسقدر مستعدی سے کام ہو رہا تھا کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ پتھر کہتا ہے کہ مجھے جلدی سے لیچلو اور لگاؤ۔

ہمچو از آب و گل آدم کدہ — نور زاں کہ بارہا تا بان شدہ

یعنی آب وگل آدم کدہ کی طرح اُن پہاڑ کے ٹکڑوں سے نور چمک رہا تھا۔ (آب وگل آدم کدہ سے مراد قالب سلیمان علیہ السلام کہ وہ بھی تو آب وگل ہی سے مرکب تھا) مطلب یہ کہ جیسا کہ نور حضرت سلیمان علیہ السلام کی ذات والاصفات سے ظاہر ہوتا تھا اسی طرح اُن پتھروں میں سے نور چمک رہا تھا یعنی ایک برکت اور نورانیت ظاہر ہو رہی تھی۔ اور مستعدی کار کی یہ حالت تھی کہ۔

سنگہا بے حمال آئندہ شدہ   واں در و دیوار ہا زندہ شدہ

یعنی پتھر بے حمال کے آنیوالا ہو رہا تھا اور وہ در و دیوار زندہ ہو رہا تھا مطلب یہ کہ اسقدر مستعدی سے کام ہو رہا تھا۔ کہ یوں معلوم ہوتا تھا گویا کہ تمام چیزیں زندہ ہیں اور خود بخود اُٹھ اُٹھ کر چلی آ رہی ہیں۔ آگے اسکی دیوار ونکو جنت کی دیواروں سے مثال دیتے ہیں کہ

حق ہمی گوید کہ دیوار بہشت   نیست چوں دیوار ہا بیجاں درشت

یعنی حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بہشت کی دیواریں دیگر دیواروں کی طرح بیجان اور زشت نہیں ہیں یہ اشارہ ہے آیت ان الدار الآخرۃ لھی الحیوان کی طرف مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جنت کی دیواریں زندہ ہیں اور وہ بیجان نہیں ہیں جیسا کہ اس آیت ان الدار الآخرۃ الخ سے معلوم ہے اب یہاں جو علماء ظاہر ہیں وہ تو اسمیں مضاف محذوف مانتے ہیں اور حیوان کو مصدر کہتے ہیں اور تقدیر عبارت یہ نکالتے ہیں کہ ان الدار الآخرۃ لھی دار الحیات لیکن صوفیہ اہل کشف یہ فرماتے ہیں کہ نہیں تاویل کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ جنت اور دوزخ ذی حیات ہیں اور انکیں روح موجود ہے تو اسکے یہی معنی ہیں کہ دار الآخرۃ ایک حیوان ذی روح ہے۔ اور چونکہ اسکی تکذیب کی کوئی دلیل شرعی نہیں ہے اور یہ حضرات اپنا مشاہدہ بیان فرماتے ہیں تو مان لینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ بلکہ بعض صوفیہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ انھوں نے پوری جہنم کی سیر کشف کے ذریعہ سے کی تو اسکو ایک بہت بڑا اژدہا پایا۔ کہ جسکے مُنہ بھی ہے دُم بھی ہے۔ غرضکہ پورے اژدہے کی شکل ہے۔ (اللھم احفظنا) اور اسکے اندر یہ سب عذاب جمع کر دیے گئے ہیں۔

اور اگر ان حضرات کے اس قول کو مان لیا جاوے تو پھر بہت سی احادیث اور آیات تاویل سے بچ جاویں گی۔ اسلئے کہ دیکھئے حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے روز دوزخ کو فرشتے کھینچتے ہوئے لاوینگے اور اسکی لگامیں پڑی ہونگی اور وہ پھنکارتا ہوا اور چیختا ہوا آویگا اب جو شخص کہ اسکی حیات کا قائل نہیں ہے وہ تو اسمیں تاویل کریگا جیساکہ علماء ظاہر کرتے ہیں لیکن جو شخص کہ اسکی حیات کا قائل ہے اسکو تاویل کی ضرورت ہی نہیں بلکہ وہ کہیگا کہ وہ ایک جاندار شے ہے جسمیں ان امور کا پایا جانا کوئی مشکل نہیں ہے غرضکہ جب وہ حضرات اپنا مشاہدہ بیان فرماتے ہیں اور کوئی دلیل شرعی انکار کی نہیں ہے اور فائدہ یہ ہے کہ تمام نصوص اسکی وجہ سے تاویل سے بچتی ہیں تو پھر کیا حرج ہے اور کیوں نہ اس قول کو مان لیا جاوے۔ تو مولانا فرماتے ہیں کہ جسطرح کہ بہشت کی در و دیوار میں ایک حیات ہے اسی طرح اس مسجد اقصےٰ کی در و دیوار میں بھی حیات تھی۔ آگے چند دلائل امتناعی بیان فرماتے ہیں کہ

چوں در و دیوار تن باآگہی است   زندہ باشد خانہ چوں شاہنشہی است

یعنی جبکہ بدن کی در و دیوار باخبر ہیں تو وہ گھر تو ضرور زندہ ہوگا۔ جو کہ شاہنشاہی ہے مطلب یہ کہ جسم جو کہ مثل در و دیوار ہی کے ہے جبکہ تجلی روح کی وجہ سے ہی زندہ اور باخبر ہو گیا ہے۔ تو جس گھر پر کہ تجلی حق ہوتی ہو وہ کیوں زندہ نہ ہوگا اسکے زندہ ہونے میں کیا خرابی ہے خوب ہی مضمون ہے سبحان اللہ آگے اسکی حیات ہی کی تائید فرماتے ہیں کہ

ہم درخت و میوہ ہم آب زلال   با بہشتی در حدیث و در مقال

یعنی درخت اور میوے اور پانی بہشتی سے سب حدیث و مقال میں ہوں گے یعنی جنت کا میوہ اور پانی اور درخت سب کے سب جنتی سے خوب باتیں کریں گے کوئی کہے گا مجھے کھالے کوئی کہیگا مجھے پیلے غرضکہ عجیب لطف ہوگا اللھم ارزقنا اللھم ارزقنا آگے ان چیزوں کے باتیں کرنے کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ۔

زانکہ جنت را نہ زالت بستہ اند   بلکہ از اعمال و نیت بستہ اند

یعنی اسلئے کہ جنت کو آلات سے نہیں بنایا بلکہ تمہارے دین کے اعمال سے بنایا ہے

مطلب یہ ہی کہ ان سب اشیاء میں حیات اسلئے ہوگی کہ یہ آلات سے بنے نہیں جو کہ مردہ ہوتے تو ان سے جو چیزیں بنتیں وہ بھی مردہ ہی ہوتیں بلکہ یہ تو اعمال صالحہ سے تمام اشیاء تیار ہوئی ہیں اور اعمال صالحہ میں حیات ہے لہذا ان سب میں بھی حیات ہی جیسا کہ حدیث میں ہے۔ کہ الجنۃ قیعان وغراسھا العمل الصالح یعنی جنت ایک چٹیل میدان ہے اور اُسکے پودے اعمال صالحہ ہیں یہاں اسکے متعلق تین قول ہیں ایک مردود ایک غیر مقبول ایک مقبول۔ مردود تو قول معتزلہ کا ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ جنت و دوزخ موجود نہیں ہیں بلکہ قیامت کے روز جزا و سزا کے وقت پیدا کر دی جاویں گی۔ یہ تو آیات و احادیث کے بالکل مخالف ہے لہذا مردود دوسرا قول شیخ اکبر کا ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ جنت موجود ہے لیکن مع ساز و سامان کے اسوقت موجود نہیں ہے بلکہ ویسے ہی ایک میدان ہے جوں جوں آدمی عمل کرتا ہے ویسے ہی ویسے اسمیں چیزیں اور ساز و سامان بنتے چلے جاتے ہیں یہ قول حدیث بالا کے تو بالکل مطابق ہے لیکن دیگر نصوص میں اسکی وجہ سے تاویل کرنی پڑے گی لہذا صرف ایک میں تاویل کر لینا اہون ہے اسقدر احادیث و آیات میں تاویل کرنے سے دوسرے یہ کہ یہ قول قریب قریب معتزلہ کے قول کے ہے کہ ایک قسم کی نفی جنت کی لازم آتی ہے۔ لہذا یہ بھی غیر مقبول ہوا۔ تیسرا قول جمہور اہل سنت والجماعت کا ہے وہ یہ ہے کہ جنت مع ساز و سامان کے اسوقت موجود ہے اور انسان جوں جوں عمل کرتا ہے وہ ساز و سامان اسکے مقرر ہوتے جاتے ہیں کہ مثلاً یہ نہر اسکے فلاں عمل کی وجہ سے ہے۔ اور یہ درخت اسکے فلاں عمل کی بدولت ہے۔ علی ہذا القیاس۔ غرضکہ تعیین تو بعد میں ہوتی ہے اور موجود پہلے سے ہے اسلئے کہ حق تعالیٰ کو معلوم تھا کہ فلاں فلاں شخص فلاں فلاں کام کرینگے اسلئے اسکے مناسب حق تعالیٰ نے وہاں اشیاء پیدا کر دیں اور ان اعمال کی صورت مثالیہ جو کہ علم حق میں پہلے سے تھی ظاہر فرمادی اسمیں نہ کوئی استحالہ ہے اور نہ کسی حدیث وغیرہ میں تاویل کی ضرورت ہوتی ہے رہا اعراض کا مبدل بجواہر ہو جانا اسکی تحقیق دفتر دوم میں بادشاہ کے دو غلاموں کے امتحان لینے کے قصہ میں خوب

ہو چکی ہے اور اسکے متعلق خود حضرت قبلہ حکیم الامتہ مدظلہم نے ایک رسالہ لکھا ہے جسکا نام ارضی الاقوال فی عرض الاعمال ہے جو کہ مکتوبات میں طبع ہو گیا ہے قابل ملاحظہ ہے۔ غرضکہ اسمیں تو کوئی استحالہ ہے نہیں بس اب سب سے بہتر یہی قول ہوا اور اسپر مولانا کے ارشاد کا یہ مطلب ہوا کہ چونکہ وہ سب اشیا تمھارے اعمال کی وجہ سے بنائی گئی ہیں اور وہ ان ہی اعمال کی صور مثالیہ ہیں اسلئے انکے اندر حیات ہے اور سچ یہ ہے کہ اس حیات کے منکرین کی گردن ایجاد گراموفوں نے توڑ دی ہے کہ بیجان شے اور اس طرح بولتی ہے۔ بھلا کون چیز ہے جو باتیں کرتی ہے حیرت ہی حیرت ہے جب انسان نے بعض پرزونکی ایک خاص ترکیب کے ذریعہ سے باذن حق ایسی شے ایجاد کر لی ہے جو کہ باتیں کرتی ہے اگرچہ اسکو شعور نہیں ہے تو کیا حق تعالیٰ کو اسقدر قدرت نہیں ہے کہ وہ ایسی چیزوں میں ایسی قوت پیدا کر دے۔ کہ وہ باتیں بھی کریں اور انہیں شعور ہو تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

این بنا از آب و گل مردہ بدست وان بنا از طاعت زندہ شدست

یعنی یہ تعمیر (دنیاوی) تو آب گل مردہ سے ہوئی ہے اور وہ تعمیر طاعت زندہ سے ہوئی ہے۔ (لہذا)

این باصل خویش ماند پرخلل وان باصل خود کہ علم است و عمل

یعنی یہ اپنی اصل پرخلل کے مشابہ ہے۔ اور وہ اپنی اصل کے جو کہ علم و عمل ہے مطلب یہ کہ یہ تعمیر دنیا تو اپنی اصل کی طرح مردہ ہے یعنی گارے مٹی کی طرح جو کہ اسکی اصل ہے یہی مردہ ہے اور وہ تعمیر جنت اپنی اصل یعنی اعمال کی طرح زندہ اور ذی حیات ہے خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہم سریر و قصر و ہم تاج و ثیاب با بہشتی در سوال و در جواب

یعنی تخت بھی اور محل بھی اور تاج اور کپڑے سب بہشتی سے سوال و جواب میں ہونگے۔ (اور یہ حالت ہوگی کہ)۔

فرش بے فراش پیچیدہ شدہ خانہ بے کناس روبیدہ شدہ

یعنی بے فراش کے فرش لپٹا ہوا ہے۔ اور بے جھاڑو دینے والے کے گھر صاف ہوا

تخت او سیار بے حمّال شد حلقه و در مطرب و قوال شد

یعنی اس جنتی کا تخت بے حمال کے چلنے والا ہو گیا اور کنڈی اور دروازہ سب قوال ہوئے (غرضکہ جو چاہا وہ ہو گیا کسی ظاہری سبب کی وہاں ضرورت نہ رہیگی بس دل میں آیا ہو گیا) آگے دفع استبعاد فرماتے ہیں کہ۔

خانۂ دل بین ز غم ژولیده شد بے کناس از توبہ روبیده شد

یعنی خانۂ دل کو دیکھو کہ غم سے پریشان ہوتا ہے اور بے صاف کرنیوالے کے توبہ سے صاف ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ دل میں گناہوں کی وجہ سے ایک پریشانی ہوتی ہے لیکن جہاں توبہ کی اور دل صاف ہوا۔ بھلا کوئی وہاں جھاڑو لیکر صاف کرنے گیا تھا۔ تو بس جسطرح یہ صاف ہو جاتا ہے اسی طرح حق تعالیٰ وہاں بھی سب اشیاء کو بے اسباب ظاہری کے مہیا فرما دیں تو کیا عجب ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

هست در دل زندگی دار الخلود در زبانم چوں نمی آید چه سود

یعنی دل میں آخرت کی زندگی ہے (لیکن) جب بیان نہیں ہو سکتا تو پھر کیا فائدہ۔ مطلب یہ کہ دل کی حیات مشابہ ہے حیات اخروی کے کہ دیکھو جس طرح وہاں بے کناس کے صفائی ہو جاتی ہے یہاں بھی ہو جاتی ہے لیکن جب اسکو کما حقہ بیان ہی نہیں کر سکتے تو پھر کیا فائدہ ہے لہذا چپ رہتے ہیں آگے مسجد اقصےٰ کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

چونکہ گشت آں مسجد اقصےٰ تمام ز اہتمامات سلیمان ؑ السلام

یعنی جبکہ مسجد اقصےٰ سلیمان علیہ السّلام کے اہتمام سے پوری ہو گئی والسّلام۔

چوں سلیماں در شدے ہر بامداد مسجد اندر بہر ارشاد عباد

یعنی جب سلیمان علیہ السّلام ہر صبح کو مسجد میں بندوں کی ہدایت کیلئے تشریف لیجاتے۔

پند دادی گہ بگفت و لحن و ساز گہ بفعل اعنی رکوع با نماز

یعنی کبھی تو باتوں اور لحن و ساز سے نصیحت فرماتے اور کبھی فعل سے یعنی رکوع سے مع نماز کے مطلب یہ کہ کبھی قولاً نصیحت فرماتے اور کبھی فعلاً کہ نیک کام کر کے دکھلاتے

آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

پند فعلی خلق را جذاب تر
که رسد در جان ہر باگوش و کر

یعنی نصیحت فعلی تو مخلوق کو بہت کھینچتی ہے اسلئے کہ ہر سننے والے اور بہرے کے کان میں پہونچتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پند قولی سے پند فعلی کو مولانا ترجیح دیتے ہیں اس لئے کہ پند قولی میں کوئی سنتا ہے کوئی نہیں سنتا اور فعلی میں تو ہر شخص دیکھ سن سکتا ہے پھر یہ ہے کہ جب یہ دیکھیں گے کہ ہمارا مرشد اور شیخ یہ کام کرتا ہے تو پھر تو ضرور کریں گے بخلاف قول کے کہ اسمیں بعض اوقات بعض جگہ اسقدر اثر نہیں ہوتا اور دوسری حکمت اور مصلحت پند فعلی میں یہ ہے کہ۔

اندراں وہم امیری کم بود
در حشم تاثیر آں محکم بود

یعنی اسمیں حکومت کا وہم کم ہوتا ہے اور لوگوں میں اسکی تاثیر مضبوط ہوتی ہے مطلب یہ کہ پند قولی میں تو ایک قسم کی حکومت سی ہوتی ہے۔ کہ یہ بیٹھے ہوئے کہہ رہے ہیں اور سب سن رہے ہیں ایک قسم کی حکومت ظاہر ہے۔ اور پند فعلی میں یہ بات نہیں ہے بلکہ اسمیں تو یہ ہے کہ ایک کام کر رہے ہیں نہ کوئی حکومت ہے اور نہ کچھ ہے اور اسکا اثر اس قولی سے موثر زیادہ ہوتا ہے لہذا اسی کو ترجیح ہوئی خوب سمجھ لو۔ آگے اپنے اس قول کی تائید میں کہ پند قولی سے پند فعلی زیادہ نافع ہے حضرت عثمان رض کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ انھوں نے جب وہ خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے تھے اور خطبہ نہ پڑھ سکتے تھے تو یہ فرمایا تھا کہ اے لوگو تمکو امام قوال کی ضرورت نہیں ہے بلکہ امام فعال کی ضرورت ہے تو دیکھو انھوں نے یہ نسبت قول کے فعل کو زیادہ موثر فرمایا اب قصہ سنو۔

شرح حبیبی

قصۂ عثمان رض کہ بر ممبر برفت	چوں خلافت یافت بشتابید تفت	
ممبر مہتر کہ سہ پایہ بدست	رفت بوبکر رض و دوم پایہ نشست	

بر سوم پایہ عمر در دور خویش — از برائے حرمت اسلام و کیش
دور عثمانؓ آمد و بالائے تخت — بر شد و بنشست آن محمود بخت
پس سوالش کرد شخصے بوالفضول — کان دو نہ نشستند برجائے رسولؐ
پس تو چوں جستی ازیشاں برتری — چوں برتبت تو ازیشان کمتری
گفت اگر پایہ سوم را بسپرم — وہم آید کہ مثال عمرم
در دوم پایہ شوم من جائے جو — گوئیم مثل ابوبکر است او
ہشت ایں بالا مقام مصطفےٰ — وہم مثلے نیست با آن شہ را
بعد ازاں بر جائے خطبہ آن ودود — تا بقرب عصر لب خاموش بود
زہرہ نے کس را کہ گوید ہین بخواں — یا بروں آید ز مسجد آن زماں
ہیبتے بنشستہ بُد بر خاص و عام — پر شد از نور خدا آن صحن و بام
ہر کہ بینا ناظر نورش بدے — کور زاں خورشید ہم گرم آمدے
بس ز گرمی فہم کردے چشم کور — کہ بر آمد آفتاب بے فتور
لیک ایں گرمی کشاید دیدہ را — تا ببیند عین ہر بشنیدہ را
گرمیش را ضجرتے و حالتے — زاں تپش دل را کشادی فسحتے
کو چوں شد گرم از نور قدم — از فرح گوید کہ من بینا شدم
سخت خوش مستے ولے اے بوالحسن — پارۂ راہ است تا بینا شدن
ایں نصیب کور باشد ز آفتاب — صد چنیں واللہ اعلم بالصواب
وانکہ او آن نور را بینا بود — شرح او کے کار بوسینا بود

گر شود صد تو کہ باشد ایں زباں — کہ بجنباند بکف پردہ عیاں

وائے بروے گر بساید پردہ را — تیغ للّٰہی کند دستش جدا

دست چہ بود خود سرش را بر کند — آں سرے کہ جہل شرہا می کند

ایں بتقدیر سخن گفتم ترا — ورنہ خود دستش کجا و آں کجا

خالہ را خایہ بدے خالو شدے — ایں بتقدیر است یعنی گر بدے

از زباں تا چشم کو پاک از شک است — صد ہزاراں سال گویم اندک است

ہیں مشو نومید نور از آسماں — حق چو خواہد میرسد در یک زماں

صد اثر در کانہا از اختراں — میرساند قدرتش در ہر زماں

اختر گردوں ظلم را ناسخ است — اختر حق در صفاتش راسخ است

چرخ پانصد سالہ راہ ای مستعیں — در اثر نزدیک آمد با زمیں

سہ ہزاراں سال و پانصد تا زحل — دمبدم خاصیتش آرد عمل

درہمش آرد چو سایہ در ایاب — طول سایہ چیست پیش آفتاب

وز نفوس پاک اختر وش مدد — سوئے اخترہائے گردوں میرسد

ظاہر آں اختراں قوام ما — باطن ما گشتہ قوام سما

حضرت عثمان رض کا قصہ ہے کہ وہ ممبر پر گئے اور جبکہ انکو خلافت ملی جلدی سے ممبر پر پہونچے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ممبر تین درجہ کا تھا۔ ابوبکر رض جب اس ممبر پر گئے تھے تو دوسرے درجہ پر بیٹھے تھے۔ اور حضرت عمر رض اپنے زمانہ میں دین ومذہب کی تعظیم کیلئے تیسرے درجہ پر بیٹھے تھے اب زمانہ حضرت عثمان رض کی خلافت کا آیا تو یہ اوپر چڑھکر بیٹھ گئے اسپر کسی خواہ مخواہ نے سوال کیا کہ وہ دونوں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جگہ نہ بیٹھے تھے پس جبکہ تم

مرتبہ میں ان سے کمتر ہو تو تم نے اُن پر تفوق کیوں چاہا۔ انھوں نے جواب دیا کہ اگر تیسرے درجہ پر بیٹھتا ہوں تو کسی کو وہم ہو سکتا ہے کہ میں عمر کی مثل ہوں اور اگر دوسرے درجہ پر بیٹھتا ہوں تو تم لوگوں کو شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ ابوبکر کی مثل ہے اور سب سے اوپر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے اور جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیساتھ میری مماثلت کا کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا۔ اسکے بعد خطبہ کی جگہ پر قریب عصر تک یعنی بہت دیر تک خاموش کھڑے رہے۔ اور کچھ زبان سے نہیں فرمایا۔ مگر کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ کہے کہ پڑہو یا خود مسجد سے چلا جاوے۔ خاص و عام پر ایک ہیبت بیٹھی ہوئی تھی اور انوار خداوندی سے مسجد نیچے سے اوپر تک بھری ہوئی تھی جو لوگ چشم بصیرت رکھتے تھے وہ تو ان انوار کو دیکھتے ہی تھے اور جو اندھے تھے وہ بھی اس آفتاب سے گرم تھے یعنی تھوڑا بہت اثر ان پر بھی تھا پس ان اندھوں کو اس گرمی سے معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب انوار حق طالع ہے۔ ہمارے اس بیان سے گرمی انوار حق کی مشابہت گرمی آفتاب سے مفہوم ہوتی ہے لیکن تم انکو یکساں نہ سمجھ جانا۔ بلکہ ان آپسمیں بہت بڑا فرق ہے۔ چنانچہ گرمی انوار حق ایک مرتبہ خاص پر پہونچکر آنکھ کھولدیتی ہے یہاں تک کہ مسموعات اسکو مشاہد ہونے لگتے ہیں برخلاف گرمی آفتاب کے کہ وہ مضر بصر ہے نیز آفتاب کی گرمی میں ایک دل تنگی اور حالت تشویش ہے۔ برخلاف گرمی خداوندی کے کہ اس سے دل میں فراخی اور وسعت پیدا ہوتی ہے۔ اس مقام پر ہم مبتدین سلوک کی غلطی پر تنبیہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ وہ دہوکے سے محفوظ رہیں وہ حقیقت میں اندھے ہوتے ہیں اور جب انکو ذرا سی گرمی نور حق سبحانہ کی پہونچتی ہی تو وہ خوش ہو کر کہتے ہیں کہ ہم تو بینا ہو گئے۔ انکو واضح رہے کہ وہ بہت مست ہو گئے ہیں مگر یہ مستی انکی بیوقت ہے۔ اسلئے کہ بینا ہونے تک مسافت کا ایک بہت بڑا حصہ باقی ہے جسکا قطع ہونا ضروری ہے۔ اور ہنوز قطع نہیں ہوا۔ آفتاب حق کی اتنی گرمی بلکہ اس سے سو گونہ زیادہ تو اندھوں کو بھی ملجاتی ہے۔ پس اس ہی اپنی بینائی پر استدلال بیجا ہی یاد رکھو کہ جو لوگ اس نور کے دیکھنے والے ہیں وہ کچھ اور ہی چیز ہیں انکی حالت کی تشریح تو

ابو علی سینا بھی نہیں کر سکتا۔ بلکہ اگر وہ سو گونی ترقی کر جاوے اسوقت بھی وہ کون ہوتا ہے
کہ معائنہ و مشاہدہ کے سراپردہ کو ہاتھ سے ہلا سکے۔ یعنی اُنکی حالت کی تشریح تو مشاہدہ پر موقوف
ہے اور وہ مشاہدہ کے قریب تک نہیں پھٹک سکتا۔ کیونکہ اگر وہ اس پردہ کو ہاتھ بھی لگائے
تو اسکے لئے بہت بڑی خرابی ہے کہ تیغ خداوندی اسکا ہاتھ کاٹ ڈالے گی۔ ہاتھ تو کیا چیز ہے
خود اسکا سر اڑا دیگی یعنی وہ سر جسکو جہالت نے مجموعہ شر و رہنا رکھا ہے۔ اور یہ جو میں نے
کہا ہے کہ وہ اس پردہ کو ہاتھ لگائے تو تیغ خداوندی اُسکا ہاتھ کاٹ ڈالے۔ یہ میں نے بنا بر
فرض و تقدیر کہا ہے ورنہ کہاں وہ سراپردہ اور کہاں اسکا ہاتھ۔ اور یہ مضمون ایسا ہی کہ کہتے
ہیں کہ اگر خالہ کے اعضائے تناسل ہو تو ماموں ہو جاوے سو یہ محض بنا بر فرض ہے۔ نہ کہ
بنا بر احتمال یعنی اگر بالفرض ایسا ہو تو یہ ہو۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ زبانی دعووں ہیں اور اس
آنکھ کے حاصل ہونے میں جو شک سے پاک ہو اگر ہزاروں برس کی مسافت کیوں نہو تو بھی
کم ہے لیکن اس سے تمکو نا امید نہونا چاہئے اور یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ جب یہ مسافت اتنی
بڑی ہے تو قطع کیونکر ہو سکتی ہے اسلئے کہ اگر خدا چاہیں تو منٹوں بلکہ سکنڈوں میں طے ہو سکتی ہے
چنانچہ جب حق سبحانہ چاہتے ہیں تو ذرا سی دیر میں نور آسمان سے زمین تک پہونچ جاتا ہے
(حالانکہ زمین و آسمان میں پانسو برس کا فصل ہے) اور دیکھو قدرت خداوندی ستاروں کے
سیکڑوں اثر ذرا سی دیر میں معادن تک پہونچا دیتی ہے۔ اور دیکھو آسمان کے ستارے
ظلمت محسوسہ کو مٹا دیتے ہیں تو آخر حق سبحانہ تو اپنی صفات میں پختہ ہیں وہ کیوں تاریکی
و ظلمت باطنی کو ذرا سی دیر میں نہیں مٹا سکتا۔ اور دیکھو آسمان جو زمین سے پانسو برس
کی مسافت پر واقع ہے اثر میں زمین سے قریب ہے نیز زحل جو کہ زمین سے تین ہزار پانسو برس
کی مسافت پر واقع ہے ذرا سی دیر میں زمین میں اپنے آثار و خواص پیدا کر دیتا ہے اور جبکہ
اسکی حکومت کا زمانہ ختم ہوتا ہے تو وہ اپنی واپسی کے وقت سایہ کی طرح ان آثار کو درہم
برہم کر دیتا ہے نیز آفتاب کے سامنے طول سایہ کی کوئی بھی حقیقت نہیں۔ جب وہ طلوع
ہوتا ہے تو تمام سائے کو لپیٹ کے رکھ دیتا ہے۔ ان واقعات سے معلوم ہوا کہ ستاروں
کے سامنے طول مسافت کوئی چیز نہیں اور آفتاب کے سامنے درازی سایہ بے حقیقت ہے

ایک حالت تو ستاروں کی یہ تھی اب ذرا انکی دوسری حالت سن لو وہ یہ کہ اہل اللہ کے نفوس قدسیہ جو کہ فیض رسانی میں ستاروں کے مانند ہیں خود اُن ستاروں کو مدد پہونچتی ہے۔ اور گو بظاہر یہ ستارے ہم پر حاکم ہیں لیکن حقیقت میں ہم انپر حاکم ہیں۔ اور اس فیض رسانی اور حکومت کی تفصیل یہی ہے کہ انکا وجود اور ان کے کمالات انسان کے وجود اور انکے کمالات کے تابع ہے۔ کیونکہ مقصود تخلیق انسان ہے اور تمام عالم اسکے لئے پیدا کیا گیا ہے اور انسانوں میں مقصود تخلیق اہل اللہ ہیں۔ اسلئے ستارونکا وجود اور اُن کے کمالات اہل اللہ کے وجود اور کمالات کے تابع ہونگے اور یہی مراد ہے۔ ایصال فیض اور حکومت سے جیسا کہ مولانا کے کلام کے بیان سے معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔ جب یہ دونوں باتیں معلوم ہوگئیں تو اب تم سمجھ سکتے ہو کہ جب طول مسافت ستاروں کے لئے احداث آثار و خواص سے اور طول سایۂ آفتاب کیلئے اُسکے ازالہ سے مانع نہیں تو طول مسافت و راشتداد ظلمت باطنی اہل اللہ کیلئے افاضہ سے کیونکر مانع ہو سکتی ہے۔ وہ تو ستاروں سے بھی زیادہ قوی ہیں پھر ناامیدی کی کون سی وجہ ہے۔

شرح شبیری

عثمان رضؓ کی خلافت کا آغاز اور ان کا خطبہ اس بیان میں کہ ناصح فعّال بہتر ہے ناصح قوال سے

قصۂ عثمانؓ کہ بر ممبر برفت ۔۔۔ چون خلافت یافت بشتابید تفت

یعنی عثمانؓ کا قصہ ہے کہ وہ ممبر پر تشریف لیگئے جبکہ خلافت پائی تو جلدی سے دوڑے۔

ممبر مہتر کہ سہ پایہ بدست ۔۔۔ رفت بوبکرؓ و دوم پایہ نشست

یعنی ممبر سردار (دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم) کا تین سیڑھی کا تھا تو ابوبکرؓ تشریف لیگئے اور دوسری سیڑھی پر بیٹھے۔

برسوم پایہ عمر در دور خویش　　　ازبرائے حرمت اسلام وکیش

یعنی تیسری سیڑھی پر عمرؓ اپنے زمانہ میں اسلام اور مذہب کی عزت کے واسطے (بیٹھے)

دور عثمان آمد و بالائے تخت　　　برشد و بنشست آں مسعود بخت

یعنی عثمانؓ کا زمانہ آیا تو وہ نیکبخت (یعنی عثمانؓ) تخت پر بیٹھ گئے۔

پس سوالش کرد مردے بوالفضول　　　کان دو نہ نشستند بر جائے رسول

یعنی تب ایک فضول شخص نے اُن سے سوال کیا کہ وہ دونوں تو رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کی جگہ پر نہیں بیٹھے۔

پس تو چوں جستی از ایشاں برتری　　　چوں برتبت تو از ایشاں کمتری

یعنی پھر آپ کیوں اوپر چڑھے ہے کیا تم اُن سے برتر ہو۔ جبکہ تم اُن سے رتبہ میں کمتر ہو مطلب یہ کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا ممبر تین سیڑھیونکا تھا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو خود اوپر کی سیڑھی پر کھڑے ہوکر خطبہ پڑھا کرتے تھے آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ دوسری سیڑھی پر کھڑے ہوا کرتے تھے اور حضرت عمرؓ تیسری سیڑھی پر جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو آپ اوپر والی سیڑھی پر جسپر کہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے بیٹھے اسپر ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت یہ کیا بات ہے کہ آپ اُن دونوں حضرات سے رتبہ میں تو کم ہیں اور پھر بیٹھے ہیں اُن دونوں سے بلند مرتبہ پر یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر آپ کھڑے ہوئے ہیں اسکی کیا وجہ ہے۔ اسکو سنکر حضرت حضرت عثمانؓ نے خوب ہی جواب فرمایا۔

گفت اگر پایہ سوم را بسپرم　　　وہم آید کہ مثال عمرم

یعنی آپنے فرمایا کہ اگر تیسری سیڑھی پر میں بیٹھوں تو یہ وہم ہوگا کہ حضرت عمر کی برابر ہوں۔

ور دوم پایہ شوم من جائے جو　　　گوئیم مثل ابوبکر است او

یعنی اگر دوسری سیڑھی کا متلاشی ہوں تو تم مجھے کہوگے کہ وہ ابوبکر کی طرح ہے۔

ہست ایں بالا مقام مصطفےٰ　　　وہم مثلے نیست با آں شہ مرا

یعنی یہ مقام بالا مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے تو اس شہ (کونین صلی اللہ علیہ وسلم) کی ساتھ میری مماثلت کا شبہ نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ حضرت عثمانؓ نے یہ جواب دیا کہ

میاں اگر میں دوسری سیڑھی پر بیٹھوں تو سب لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ حضرت ابوبکرؓ کی برابری کا دعویٰ کرتے ہیں اور اگر تیسری پر بیٹھتا ہوں تو حضرت عمرؓ کی برابری کا شبہ ہوتا ہے اور میں ہوں ان دونوں سے کم تو اب میں نے ایسی جگہ لی یعنی خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی جگہ لی ہے کہ جسمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برابری کا کسی کو بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔ لہذا میں یہاں بیٹھا ہوں۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

بعد ازاں بر جائے خطبہ آں ودود — تا بقرب عصر لب خاموش بود

یعنی اس (گفتگو) کے بعد بجائے خطبہ کے وہ مہربان قریب عصر تک خاموش رہے (اور بوجہ ہیبت کے یہ حالت تھی کہ)

زہرہ نے کس را کہ گوید ہین بخواں — یا بروں آید ز مسجد آں زماں

یعنی نہ تو کسی کی اتنی مجال کہ ان سے عرض کرے کہ پڑھیے یا اسوقت مسجد سے باہر چلا آوے

ہیبتے بنشستہ بُد بر خاص و عام — پر شد از نور خدا آں صحن و بام

یعنی ہر خاص و عام پر ایک ہیبت بیٹھی ہوئی تھی اور تمام صحن اور کوٹھا نور حق سے بھر گیا تھا

ہر کہ بینا ناظر نورش بدے — کور زاں خورشید ہم گرم آمدے

یعنی جو شخص کہ بینا تھا وہ تو اُن کے نور کا دیکھنے والا تھا اور اندھا بھی اُس خورشید سے گرم ہو جاتا تھا۔ مطلب یہ کہ جو صاحب بصیرت تھے وہ تو بھلا انوار حق کا مشاہدہ اسوقت کر ہی رہے تھے لیکن جو اندھے تھے اور صاحب بصیرت نہ تھے اُنکو بھی کچھ اثر ہو جاتا تھا اور ایک حرارت اُنکو بھی پہونچ ہی جاتی تھی۔ اور کچھ نہ کچھ اثر اُنکو بھی ہو ہی جاتا تھا۔ آگے اسکی ایک مثال حسیات میں دیتے ہیں کہ۔

بس ز گرمی فہم کردے چشم کور — کہ بر آمد آفتابے بے فتور

یعنی صرف گرمی سے اندھے کی آنکھ سمجھ لیتی کہ ایک آفتاب بے فتور کے نکل آیا۔ مطلب یہ کہ اندھے کو آفتاب کا نکلنا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکو حرارت محسوس ہوئی معلوم ہوا کہ دھوپ نکلی ہوئی ہے۔ ورنہ نور آفتاب سے تو وہ محروم ہی ہے۔ اسی طرح جو لوگ صاحب بصیرت نہیں ہیں اُنکو بھی جب کوئی اثر اور ایک پھریری سی آتی ہے تب وہ سمجھ لیتے ہیں

کہ ہاں کوئی وارد ہو رہا ہے ورنہ کچھ بھی خبر نہیں ہوتی۔ ہاں ان دونوں گرمیوں میں ایک فرق بھی ہے اُسکو بیان فرماتے ہیں کہ۔

لیک ایں گرمی کشاید دیدہ را	تا بہ بیند عین ہر شنیدہ را

یعنی لیکن یہ گرمی تو آنکھ کو کھولدیتی ہے کہ ہر سُنی ہوئی شئے کی حقیقت کو دیکھ لیتا ہے

گرمیش را ضجرتے و حالتے	زاں تپش دل را کشادے فسحتے

یعنی اُسکی گرمی میں ایک تنگی اور ایک حالت ہے اور اس تپش میں دلکو کشادگی اور وسعت ہے۔ مطلب یہ کہ اس آفتاب ظاہر کی گرمی اور اُس گرمی آفتاب عشق الٰہی میں ایک فرق ہے وہ یہ کہ اس آفتاب ظاہر کی گرمی سے تو آدمی کا دل گھٹنے لگتا ہے اور کچھ دیر میں انسان اس سے پریشان ہو جاتا ہے اور تنگی ہونے لگتی ہے اور اُس آفتاب حقیقی کی گرمی کا یہ خاصہ ہے کہ اُس سے دل میں کشادگی اور وسعت ہوتی ہے اور اُس سے بصیرت اور زیادہ ہوتی ہے۔ کہ آخر کار انجام یہ ہوتا ہے کہ جو سنا کرتے تھے اُن کا مشاہدہ کرلیتے ہیں آنکھیں دل کی کھلجاتی ہیں اور قلب میں نورانیت پیدا ہو جاتی ہے اور آخر میں وہ تجلیات حق کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے۔ بصیرت تو آخر میں جا کر ہوتی ہے لیکن بعضے اوچھے لوگ جنکو کچھ حاصل ہو جاتا ہے وہ اسی کو مقصود سمجھکر اُسپر اترانے لگتے ہیں لہذا آگے ایسے لوگوں کی غلطی بتاتے ہیں کہ۔

کور چوں شد گرم از نور قدم	از فرح گوید کہ من بینا شدم

یعنی اندھا جب نور قدیم سے گرم ہو جاتا ہے تو اکڑ کی وجہ سے کہتا ہے کہ میں بینا ہو گیا۔ مطلب یہ کہ مبتدی کو جہاں ذرا سی گرمی دل میں ہوئی اور وہ سمجھے کہ ہم ولی ہو گئے صرف کیفیات و حالات کو مقصود سمجھ لیتے ہیں مولانا اسکا جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

سخت خوش مستی ولے اے بوالحسن	پارہ راہ است تا بینا شدن

یعنی اے بوالحسن تم خوب مست ہو لیکن بہت راستہ ہے بینا ہونے تک۔ مطلب یہ کہ میاں ہم نے مانا کہ تمھارے اندر بہت کچھ شورش ہے اور بہت کچھ مستی بھائی صاحب بصیرت حاصل ہونے میں ابھی بہت دیر ہے۔ ابھی سے تم دعوی بصیرت کا کرنے لگے تو ہنوز دلی دور است

اور تمہارے اندر جو ایک جوش اور گرمی پیدا ہوگئی ہے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اسلئے کہ۔

این نصیب کور باشد ز آفتاب صد چنیں واللہ اعلم بالصواب

یعنی یہ تو آفتاب سے اندھے کا حصہ ہوتا ہے (بلکہ) ایسا سو واللہ اعلم بالصواب مطلب یہ کہ جیسی ایک حرارت اور ایک جوش تمکو حاصل ہوگیا ہے ایسی حرارت تو اس آفتاب ظاہر سے اندھے کو بھی حاصل ہوجاتی ہے کہ وہ بھی گرم ہوجاتا ہے اور اسکو بھی حرارت معلوم ہوتی ہے۔

وانکہ او آں نور را بینا بود شرح او کے کار بوسینا بود

یعنی اور جو شخص کہ اس نور کا دیکھنے والا ہو اسکی (حالت کی) شرح بوعلی بن سینا کا کام کب ہے، مطلب یہ کہ جو شخص صاحب بصیرت ہے اسکی حالت کو تو بوعلی ابن سینا باوجود اتنے بڑے حکیم ہونے کے بھی بیان نہیں کرسکتا۔

گر شود صد تو کہ باشد این زماں کہ بجنباند بکف پردہ عیاں

یعنی اگر سوگنا ہوجاوے وہ کون ہوتا ہے جو اسوقت ہاتھ سے معائنہ کے پردہ کو ہلادے مطلب یہ کہ بوعلی ابن سینا کون چیز ہے جو اس معائنہ تک اسکی رسائی ہوسکے اس معائنہ پر جو پردہ اور حجاب پڑا ہوا ہے اس تک اسکے ہاتھ کی رسائی بھی نہیں ہوسکتی۔ بھلا اس پردہ کو ہٹانا اور اسکو الگ کردینا تو درکنار یعنی حجاب کو مرتفع کرکے معائنہ کرلینا تو درکنار اسکے قرب جوار تک بھی رسائی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ وہ صاحب قال ہے اور یہانتک رسائی صاحب حال کی ہوسکتی ہے۔ تو بھلا جب اسکو حال میسر ہی نہیں تو وہ کسطرح مشاہدہ کرسکتا ہے۔

وائے بر وے گر بساید پردہ را تیغ اللّٰہی کند دستش جدا

یعنی اسپر افسوس ہے اگر وہ پردہ کو چھووے تو تیغ حق اسکے ہاتھ کو جدا کردیگی۔ مطلب یہ کہ اگر وہ ان امور میں دخل دینے لگے اور اپنی رائے سے حجاب کو مرتفع کرنے لگے تو اسپر افسوس آتا ہے اسلئے کہ غیرت حق اسکو الگ کردیگی۔ اور وہاں تک اسکی رسائی نہ ہوسکے گی۔ اور اسکی محنت رائگاں ہی رہے گی۔

دست چہ بود خود سرش را برکند
آں سرے کہ جہل سرہا می کند

یعنی ہاتھ کیا ہے اُسکے سر کو اوکھاڑ دیں گے وہ سر جو کہ بہت سے سروں کا جہل کرتا ہے مطلب یہ کہ بھلا اُسکے ہاتھ کو الگ کر دینا تو درکنار خود اسکی ذات ہی کو علیحدہ کر دیا جاویگا۔ اور اُسکو وہاں سے ہٹا دیا جاویگا۔ اور وہ بالکل ہی تباہ ہو جاویگا۔ کیونکہ جب عقل سے ان معاملات میں دخل دیا ہے ہمیشہ گمراہی ہی بڑھے گی اور بعض حکماء جو منصف مزاج ہیں اس امر کے مقر ہو گئے ہیں کہ عقول بتوسط ان امور کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ایں بتقدیر سخن گفتم ترا
ورنہ خود دستش کجا و آں کجا

یعنی یہ جو میں نے تجھ سے کہا بالفرض ہے ورنہ خود اسکا ہاتھ کہاں اور وہ معائنہ کہاں۔ مطلب یہ کہ میں نے جو کہا ہے کہ وہ اگر اس تک پہونچے تو ہلاک ہوگا یہ بفرض والمحال ہے ورنہ بھلا کہاں وہ اور کہاں معائنہ وہ تو ہرگز ہرگز بھی معائنہ نہیں کر سکتا۔ اسکی وہاں تک رسائی ہو ہی نہیں سکتی۔ آگے ایک مشہور مثل کو بطور نظیر کے لاتے ہیں کہ۔

خالہ را خایہ بدے خالو شدے
ایں بتقدیر است یعنی گر بُدے

یعنی خالہ کے اگر خایہ ہوتا تو وہ ماموں ہو جاتیں تو یہ بالتقدیر ہے کہ اگر ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سب جملے شرطیہ ہیں جنمیں کہ ترتب جزا منحصر ہے وجود شرط پر اگر شرط ہی نہ پائی جاویگی تو جزا ہی مرتب نہ ہوگی۔ خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

از زباں تا چشم کو پاک از شکست
صد ہزاراں سال گویم اندک است

یعنی زباں سے چشم تک جو کہ شکست سے پاک ہے اگر لاکھوں برس بھی بیاں کروں تو کم ہے۔ مطلب یہ کہ صرف زبان سے کہنے میں اور دیکھنے میں جسقدر فرق ہے اگر اُس فرق کو لاکھوں برس بھی بیان کروں تب بھی کم ہے اسلئے کہ قال اور حال میں تو بہت بون بعید ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو صرف الفاظ سے جو ایک سرسراہٹ محسوس ہوگئی اُس سے اترا گئے اور بڑے مست بننے لگو۔ اس سے کچھ ہوتا ہواتا نہیں اب یہاں اُسکو سنکر کوئی شاید نا امید ہو جاتا کہ جب یہ راہ اسقدر کٹھن ہے تو ہم بھلا کہاں وہاں تک پہونچ سکتے ہیں۔ آگے اس نا امیدی کو زائل فرماتے ہیں کہ۔

ہین مشو نومید نور از آسماں　　　حق چو خواہد میرسد در یک زماں

یعنی ہاں ناامید مت ہو کیونکہ آسمان ہی نور حق تعالیٰ جب چاہتے ہیں تو ایک گھڑی میں پہونچ جاتا ہے۔

صد اثر در کانہا از اختراں　　　میرساند قدرتش در ہر زماں

یعنی معدنوں میں سیکڑوں اثر ستاروں سے اُسکی قدرت ہر گھڑی پہونچاتی ہے۔

اختر گردوں ظلم را ناسخ است　　　اختر حق در صفاتش راسخ است

یعنی آسمان کے ستارے ظلمتوں کیلئے ناسخ ہیں اور اختر حق اپنی صفات میں راسخ ہے۔

چرخ پانصد سالہ راہ ای مستعین　　　در اثر نزدیک آمد با زمیں

یعنی پانسو برس کے رستہ والا آسمان اے مستعین اثر میں زمین سے نزدیک ہے۔

سہ ہزاراں سال و پانصد تا زحل　　　دمبدم خاصیتش آرد عمل

یعنی ساڑھے تین ہزار سال (کا راستہ) زحل تک (ہے) اور دمبدم اُسکی خاصیت عمل کرتی ہے۔ مطلب ان سب اشعار کا "ہین مشو نومید" سے یہانتک یہ ہے کہ ناامید مت ہو کیونکہ حق تعالیٰ جب چاہتے ہیں تو نور کو ایکدم میں ہزاروں برس کی راہ سے پہونچا دیتے ہیں دیکھو آفتاب کا نور کسقدر جلدی زمین تک پہونچا دیتے ہیں۔ اور آج کل کی تحقیق کے مطابق یہ مضمون بہت ہی صحیح ہے اسلئے کہ آجکل جو رفتار نور کی بتائی جاتی ہے وہ تو بیحد تیز ہے شاید ایک سکنڈ میں کئی ہزار میل یا کئی لاکھ میل کی رفتار ہے اور دیکھو آسمان کا اثر جو کہ زمین سے کسقدر دور ہے زمین تک برابر پہونچتا ہے تو اگر حق تعالیٰ باوجود بعد مسافت کے تم کو وہاں تک پہونچا دیں تو کیا عجیب ہے۔ ناامید ہونیکی کونسی بات ہے۔

در ہمش آرد چو سایہ در ایاب　　　طول سایہ چیست پیش آفتاب

یعنی اُس زحل کو سایہ کی طرح بازگشت کے وقت درہم کر دیتا ہے۔ اور آفتاب کے آگے طول سایہ کیا شے ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو زحل جسکا اثر ساڑھے تین ہزار میل سے زمین تک آتا ہے آفتاب کے نکلنے کے وقت سب درہم برہم ہو جاتا ہے اور اُسکا کوئی اثر بھی نہیں رہتا اور آفتاب کے آگے اُسکا مٹا رہنا کیا مشکل بات ہے۔

اٹھا دینا اور مقصود تک پہونچا دینا کیا مشکل بات ہے پھر کیوں نا امید ہوتے ہو۔ آگے فرماتے ہیں کہ

در نفوس پاک اختروش مدد　　سوئے اختر ہائے گردوں میرسد

یعنی نفوس پاک سے ستارونکی طرح مدد ستارہائے گردوں کی طرف پہونچتی ہے مطلب کہ جو حضرات ایسے ہیں کہ جنکے نفوس پاک ہیں یعنی بزرگان دین انکا فیض اور اثر آسمان کے ستاروں تک پہونچتا ہے یعنی انکی بقا بھی ان ہی کے فیض سے ہے اسلئے کہ اصل مقصود تو وجود دنیا سے ایسے ہی حضرات کا وجود باجود ہے تو دیکھو انکا اثر جب زمین سے آسمان کیطرف پہونچتا ہے تو اگر ان حضرات کے فیض سے تم بھی مستفیض ہو جاؤ تو کیا عجب ہے آگے فرماتے ہیں کہ

ظاہر آں اختراں قوام ما　　باطن ما گشتہ قوام سما

یعنی ظاہر میں تو ستارے ہمارے قوام ہیں اور باطن ہمارا آسمان کیلئے قوام ہے مطلب یہ کہ ظاہر میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ستاروں سے ہمارا وجود قائم ہے لیکن اصل میں اور باطن میں ہماری وجہ سے ستاروں کا وجود ہے اسلئے کہ اصل مقصود تو عالم سے انسان ہی ہے اگر یہ نہوتا تو کچھ بھی نہوتا۔ لہذا یہ کہنا کہ باطن میں ہم ستاروں کے قوام ہیں بالکل درست ہے آگے مولانا اسی کو بیان فرماتے ہیں کہ انسان ظاہر میں تابع ہے لیکن حقیقت میں اور اصل میں یہ خود مقصود ہے داور سب اسکی فروع ہیں۔

شرح حبیبی

پس بصورت عالم صغریٰ توئی	پس بمعنی عالم کبریٰ توئی
ظاہراً آں شاخ اصل میوہ است	باطناً بہر ثمر شد شاخ ہست
گر نبودے میل و امید ثمر	کے نشاندے باغباں بیخ شجر
پس بمعنی آں ثمر از میوہ زاد	گر بصورت از شجر بودش ولاد

مصطفےٰ زیں گفت کادم وانبیا — خلف من باشند در زیر لوا

بہر ایں فرمودہ است آں ذوفنون — رمز نحن السابقون الآخرون

گر بصورت من ز آدم زادہ ام — من بمعنی جد جد افتادہ ام

کز برائے من بدش سجدہ ملک — وز پئے من رفت بر ہفتم فلک

پس ز من زائید در معنی پدر — پس ز میوہ زاد در معنی شجر

اول فکر آخر آمد در عمل — خاصہ فکرے کو بود وصف ازل

حاصل اندر یک زماں از آسماں — می رود می آید ایدر کارواں

نیست بر ایں کارواں ایں رہ دراز — کے مفازہ زفت آید با مفاز

دل بکعبہ می رود در ہر زماں — جسم طبع دل بگیرد ز امتناں

ایں دراز و کوتہی مر جسم راست — چہ دراز و کوتہ آنجا کہ خداست

چوں خدا مر جسم را تبدیل کرد — رفتنش بے فرسخ و بے میل کرد

صد امید ست ایں زماں بردار گام — عاشقانہ اے فتے خل الکلام

گرچہ پیلہ چشم بر ہم می زنی — در سفینہ خفتۂ رہ می کنی

جبکہ تم کو معلوم ہو گیا کہ گو بظاہر ستارہ ہمارے مربی ہیں مگر حقیقت میں ہم ان کے مربی ہیں تو اس سے تمکو یہ نتیجہ نکالنا چاہئے۔ کہ اگرچہ ظاہر میں تم عالم صغیر ہو۔ مگر باطن میں عالم اکبر ہو۔ عالم صغیر ہونے کا یہ سبب ہے کہ تمام اجزاء عالم ایک ایک اسم یا صفت الٰہی کے مظاہر ہیں اور انسان تمام اسماء و صفات کا مظہر ہے اور عالم اکبر ہونیکی وجہ یہ ہے کہ مقصود تخلیق ہونے کے سبب تمام عالم سے مرتبہ میں فائق اور رتبہ میں سب سے مقدم ہے۔ اب مولانا

"ظاہر آں اختراں قوام ما" باطن ما گشتہ قوام سما" کو موجہ کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ ہم نے جو کہا ہے کہ بظاہر ستارے ہمارے مقوم ہیں لیکن حقیقت میں ہمارا باطن آسمان کا مقوم ہے۔ کچھ بعید نہیں ہے کیونکہ اسکے نظائر موجود ہیں۔ دیکھو بظاہر شاخ میوہ کی اصل ہے۔ مگر حقیقت میں میوہ اسکی اصل ہے کیونکہ وہ میوہ ہی کے لئے کتم عدم سے منصہ وجود پر جلوہ گر ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر باغبان کو میوہ کی رغبت اور اسکی امید نہ ہوتی تو کہیں وہ درخت لگاتا۔ ہرگز نہیں پس ثابت ہوا کہ حقیقت میں درخت میوہ سے پیدا ہوا ہے اگرچہ ظاہر میں میوہ درخت سے پیدا ہوا ہے اور ظاہر میں گو درخت مقوم میوہ ہے مگر باطن میں میوہ مقوم شجر ہے اس نظیر سے وہ استبعاد مندفع ہو گیا۔ جو نظر مطمح کیلئے ہمارے کلام میں تھا۔ اب فائدہ زائد کے طور پر سنو کہ اس تفصیل سے تمکو معلوم ہو گیا کہ اسی لئے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدم اور جملہ انبیا قیامت میں جھنڈے کے نیچے میرے پیچھے ہونگے۔ اسلئے کہ جسطرح تمام عالم کے مقابلہ میں مقصود بالتخلیق انسان ہے اور تمام عالم اسکے تابع اور انسانوں میں مقصود بالتخلیق اہل اللہ ہیں اور تمام انسان ان کے تابع یوں ہی اہل اللہ میں مقصود بالتخلیق جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور بقیہ اہل اللہ ان کے تابع پس نشاۃ اخری جو محل ظہور حقائق ہے اسمیں یہ حقیقت لباس صورت پہنے گی اور یہ مقصودیت و تقدم اس شکل میں ظاہر ہوگا۔ اور اسی لئے آپنے فرمایا ہے کہ نحن الآخرون (فی النشاۃ الاولیٰ) والسابقون (فی النشاۃ الاخریٰ) اور اس لئے گویا کہ آپنے فرمایا ہے کہ گو میں بظاہر آدم علیہ السلام کا بیٹا ہوں لیکن حقیقت میں اُن کے دادا کا دادا ہوں۔ کیونکہ جسطرح دادا کا دادا پوتے کے پوتے کی خلقت کا سبب ہوتا ہی یونہی میں بھی تخلیق آدم کا سبب ہوں اور جسطرح جد جد کا زمانہ پوتے کے پوتے سے بہت مقدم ہوتا ہے یوں ہی رتبہ اور مقصودیت میں میں آدم علیہ السلام سے کہیں مقدم ہوں کیونکہ اُن کو فرشتوں کا سجدہ میری ہی وجہ سے تھا۔ اور میرے ہی لئے وہ ساتویں آسمان پر جنت میں گئے تھے۔ اسلئے کہ انکا وجود ہی میرے سبب سے تھا پس وہ کمالات جو تابع وجود ہیں وہ تو بالاولی میرے سبب سے ہونگے لہذا یہ ثابت ہو گیا کہ حقیقت میں میرے جد امجد مجھسے پیدا ہوئے

اور حقیقت میں درخت میوہ سے پیدا ہوا اور کیوں نہ ہو قاعدہ کلیہ ہے کہ اول فکر کی ہوئی
چیز فعل میں پیچھے آیا کرتی ہے بالخصوص وہ فکر کی ہوئی چیز یعنی محل تفکر و متصور و معلوم
کہ وصف ازلی ہو وہ تو بالاولیٰ مقدم ہوگی (حضرت مجدد الملۃ والدین نے اس مضمون
کی تشریح کو قلمبند فرماکر دیا تھا اسکو بجنسہ نقل کر دینا کافی معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا یہ خصوص
اسلئے کہا کہ ایک تو اسکا غایت مقصودہ ہونا مقتضی ہے۔ اسکے تقدم کو پھر اسکا وصف ازلی
ہونا جسکے لئے تقدم علی غیر الازلی لازم ہے۔ یہ دوسرا مقتضی ہے اسکے تقدم کو جیسے جناب
رسول اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کہ بحیثیت اپنے منشار تعین کے جسکو حقیقت محمدیہ
کہتے ہیں وصف ازلی ہے باری تعالیٰ کا۔ جسکا حاصل (اس بنا پر کہ اگر کسی شے پر کوئی
حکم کسی حیثیت خاصہ سے کیا جاوے۔ تو درحقیقت محکوم علیہ اس حکم کا وہ حیثیت ہوتی
ہے) یہ ہے کہ وہ حقیقت محمدیہ وصف ہے باری تعالیٰ کا۔ کیونکہ یہ اصطلاح میں تقسیم
صفات باری تعالیٰ کے درجہ اجمال کا۔ اور یہ ایسا ازلی ہے کہ غیر ازلی پر تو مقدم ہی ہی
دوسرا ازلیات پر بھی جو مناشی تعینات ہیں دوسرا کوان سے ایک گونہ مقدم ہے اور
یہ مناشی صفات کا درجہ تفصیلی ہے جسکو اعیان ثابتہ کہتے ہیں اور حقیقت آدمیہ بھی اسکا
تقسیم ہے۔ اور یہ تقدم بالزمان نہیں مگر بالذات و بالطبع ہے۔ پس حقیقت محمدیہ کا حقیقت
آدمیہ سے متقدم ہونا بھی ذات محمدیہ کا تقدم ہے۔ ذات آدمیہ وغیرہ پر بحیثیت مذکورہ اور
آپ کے لئے حقیقت محمدیہ کا منشار تعین ہونا خود یہ علامت ہے آپ کی مقصودیت کی
پس وہی حاصل نکلا کہ آپ کی مقصودیت سبب ہے تقدم کا اور اس مقصودیت کی چونکہ ایک
خاص توجیہ تھی اسلئے اسکو خاصہ فکرے الخ کے عنوان سے تعبیر کیا احقر کہتا ہے کہ اس تقریر
کے بعد جی چاہتا تھا کہ کوئی سہل توجیہ ہوتی تو خوب تھا عشار کی نماز میں ذہن میں ایک
دوسری تقریر آئی وہ یہ کہ آپ کے تقدم کی ایک وجہ تو وہی مقصودیت بنا بر اس قاعدہ
کے کہ اول فکر آخر آمد در عمل ہے اور دوسری خاص وجہ یہ ہے کہ آپ ایسے متعلق فکر یعنی
معلوم ہیں کہ آپ صاحب وصف ازلی ہیں مبالغۃ آپ پر وصف ازلی کو محمول کر دیا۔
جیسا زید عدل ہیں اور ازلی سے مراد عرفی خاص نہیں بلکہ مراد معنی عرفی عام ہیں جو اکثر

شعراء کے استعمال میں آئے ہیں یعنی مطلق اولیت متفاوتہ کما قال النظامی ؎ محمدؐ کازل تا ابد ہر چہ ہست - بآرائش نام او نقش بست - اور حسب مضمون حدیث اول ما خلق اللہ نوری آپ معلول اول وجود خارجی میں بھی ہیں پس معنی یہ ہوئے کہ مقصود وجود ذہنی میں تو مقدم ہوتا ہے ہی اور آپ تو وجود خارجی میں بھی سب سے مقدم ہیں۔ گو مرتبہ روح میں بھی جسم میں نہ بھی وھذا اسھل واللہ اعلم انتھی تقریرہ الشریف) یہاں تک اس ضمنی مضمون کو ختم کر کے پھر مضمون سابق کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خلاصہ یہ کہ آسمان سے انوار وخواص کے قافلے دمبدم زمین پر پہونچتے رہتے ہیں اور باوجودیکہ دونوں میں بہت فاصلہ ہے مگر ہر قافلہ کے حق میں یہ راستہ کچھ بھی دراز نہیں علیٰ ہذا مقصود کی مقابلہ میں وسعت میدان کوئی چیز نہیں ہوتی۔ پھر درازی مسافت سلوک پر نظر کر کے تم کیوں مایوس ہوتے ہو اور سنو دیکھو دل ہر وقت کعبہ میں پہونچ سکتا ہے پس حق سبحانہ تمہاری جسم میں بھی اپنی عنایت سے قلب کی صفت پیدا کر دینگے اور تمکو ذراسی دیر میں وصول الی اللہ حاصل ہو جاویگا یہ طول مسافت وقصر مسافت تو جسمانیات کیلئے ہے۔ اور جہاں خدا ہی ہاں طول وقصر مسافت کو کیا تعلق وہ تو سیر معنوی ہے پس جب حق سبحانہ تمہارے جسم پر روحانیت کو غالب کر دیں گے تو اسوقت تمہاری سیر الی اللہ روحانی ہوگی۔ اور اسمیں فرسخ اور میلوں کو کچھ بھی دخل نہوگا۔ لہذا ابھی تمہارے لئے سیکڑوں امیدیں ہیں۔ تم عاشقانہ قدم بڑھاؤ اور قیل وقال کو چھوڑو اس صورت میں اگرچہ تم آنکھ بند کئے ہوئے سو رہے ہو یعنی کہ تمہاری ذاتی سعی بمنزلہ سونے کے ہے لیکن تم کشتی میں سو رہے ہو۔ اور رستہ طے کر رہے ہو تفصیل اسکی حسب ذیل ہے۔

تفسیر حدیث مثل امتی کمثل سفینۃ نوح من تمسک بہا نجا ومن تخلف عنہا غرق،

بہر این فرمود پیغمبر کہ من	ہمچو کشتی ام بطوفان زمن

مائو اصحابیم چوں کشتی نوح ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ہر کہ دست اندر زند یابد فتوح

چونکہ با شیخے تو دور از زشتیئے ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ روز و شب سیارے و در کشتیئے

در پناہ جان جاں بخشی توی ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کشتی اندر خفتۂ رہ میروی

مگسل از پیغمبر ایام خویش ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ تکیہ کم کن بر فن و بر گام خویش

گرچہ شیری چوں روی رہ بی دلیل ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ہمچو روبہ در ضلالی و ذلیل

ہین مپر الا کہ با پرہائے شیخ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ تا بہ بینی عون لشکرہائے شیخ

یک زمانے موج لطفش بال تست ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ آتش قہرے وے حمّال تست

قہر او را ضد لطفش کم شمر ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ اتحاد ہر دو بیں اندر اثر

یک زماں چوں خاک سبزت می کند ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ یک زماں پُر باد و گبزت می کند

جسم عارف را دہد وصف جماد ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ تا برو روید گل و نسریں شاد

لیک او بیند نہ بیند غیر او ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ جز بمغز پاک ندہد خلد بو

مغز را خالی کن از انکار یار ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ تا کہ ریحاں یابی از گلزار یار

تا بیابی بوئے خلد از یار من ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ چوں محمد بوئے رحمٰن از یمن

در صف معراجیاں گر بیستے ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ چوں براقت بر کشاید نیستے

نے چو معراج زمینے تا قمر ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ بلکہ چوں معراج کلکے تا شکر

نے چو معراج بخارے تا سما ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ بلکہ معراج جنینے تا نہے

خوش براقے گشت خنگ نیستی ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ سوئے ہستی آردت گر نیستی

کوہ و دریاہا سمش مس میکند ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ تا جہان حسّ را پس میکند

پا بجش در کشتی و میر و ور واں	چوں سوئے معشوق جان جان رواں
دست نے و پائے نے رو تا قدم	ہمچناں کہ تافت جانہا از عدم
بر دریدے در سخن پردہ قیاس	گر نبودے سمع سامع را نعاس
اے فلک برگفت او گوہر ببار	از جہان او جہانا شرم دار
گر بباری گوہرت شش تا شود	جامدت گوئندہ و بینا شود
پس نثارے کردہ باشی بہر خود	چونکہ ہر سرمایہ تو صد شود
ہمچو آں ہدیہ کہ بلقیس از سبا	بر سلیماں می فرستادے کیا

اسی لئے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں زمانہ کے طوفان میں مثل ایک کشتی کے ہوں اور میری اور میرے متعلقین کی ایسی مثال ہے جیسی کشتی نوح کہ جو اسکو تھام لیگا دولت سے کامیابی حاصل ہو جاویگی - جب یہ امر معلوم ہو چکا تو اب سمجھو کہ متعلقین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شیخ کامل بھی ہے - پس جبکہ تم شیخ کیساتھ اور اسکا دامن پکڑے ہوئے ہو اور اسکا اتباع کئے ہوئے ہو تو تم برائی سے دور ہو - اور رات دن قطع منازل الی اللہ کر رہے ہو اور کشتی میں سوار ہو از ایک جان جہاں کی پناہ میں ہو جو کہ جان بخش ہے - اور اس کشتی میں سوئے ہوئے رستہ قطع کر رہے ہو دیکھو شیخ وقت گویا کہ اپنے وقت کا پیغمبر ہے - پس تم اس سے قطع تعلق نکرنا - اور اپنے علم و عمل پر بھروسہ نکرنا - دیکھو اگرچہ تم شیر ہو مگر جب بے رہنما کے رستہ طے کروگے تو لومڑی کی طرح گمراہ اور ذلیل ہوگے - دیکھو ہم پھر کہتے ہیں کہ شیخ ہی کے پروں سے اڑنا اور اسی کی اعانت سے رستہ طے کرنا - تاکہ تمکو شیخ کی فوج سے مدد ملے - اور وہ اپنی دعا اور توجہ اور تجربات سے تمھاری اعانت کرے - جب تم شیخ کا دامن پکڑ لوگے اسوقت کبھی تو اسکی مہربانی کی موج تمھاری مساعد ہوگی اور کبھی اسکے آتش قہر تمکو لا دکر منزل مقصود کی طرف لیجائیگی - یعنی کبھی وہ نرمی سے کام لیگا کبھی گرمی سے اور یہ دونوں باتیں تمھارے لئے ذریعہ قطع

منازل ہیں پس تمکو سختی سے گھبرانا نہ چاہیئے۔ اور اسکے قہر کو اسکے لطف کی ضد نہ سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ نتیجہ میں دونوں کو متحد اور یکساں سمجھنا چاہیئے۔ وہ کبھی تمکو اپنی تربیت خاص سے مثل خاک مگر سرسبز کریگا۔ اور کبھی تمکو بشارات وغیرہ سے پھلا ویگا۔ اور موٹے کریگا۔ وہ جسم سالک کو مٹی کر دیتا ہے تاکہ اسمیں گل ونسرین حالات باطنیہ پیدا ہوں مگر اُن کو وہ ہی دیکھیگا۔ دوسرا نہ دیکھیگا۔ اسلئے کہ ہر چیز کے احساس کیلئے ایک خاص قابلیت کی ضرورت ہے چنانچہ بہشت کی خوشبو پاک ہی دماغوں کو آسکتی ہے نہ کہ گندہ دماغوں کو اس سے اس امر کی ضرورت بھی ثابت ہوئی کہ تم اپنے دماغوں کو انکار شیخ سے پاک کرو تاکہ تم اسکے گلزار کمالات سے ریحاں فیوض حاصل کرسکو۔ اور تاکہ تمکو اسمیں سے جنت کی خوشبو یوں ہی آسکے جسطرح کہ جانب یمن سے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حق سبحانہ کی خوشبو آتی تھی۔ جیسا کہ آپنے فرمایا ہے انی لاجد نفس الرحمن من قبل الیمن دیکھو اگر تم ارباب معراج روحانی یعنی اہل اللہ کی صف میں کھڑے ہوگے۔ اور اپنے کو مٹادوگے تو یہ فنائے خودی براق کی طرح تمہارے پر کھولدے گی اور تم نہایت سرعت کیساتھ عروج روحانی کروگے۔ یہ معراج ایسے نہوگی جیسے خاکیوں کی معراج چاند تک بلکہ یہ معراج معنوی اور صنعی ہوگی جیسے گنے کی معراج شکر تک۔ اور یہ معراج ایسی نہوگی جیسے بخارات کی معراج آسمان تک بلکہ ایسی معراج ہوگی جیسے بے عقل بچے کی عقل تک۔ دیکھو اسپ فنا نہایت اعلیٰ درجہ کا براق ہے کیونکہ اگر تم نیست ہو تو یہ تمکو جانب وجود لے آتا ہے اور تمکو اس قابل کر دیتا ہے کہ تمکو موجود کہا جاسکے اسکا سم پہاڑوں اور دریاؤں سے مس کرتا ہے اور ایسا تک تیز رفتار ہوتا ہے کہ جہان محسوس کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے اور عالم غیب تک پہونچا دیتا ہے پس تمکو چاہیئے کہ کشتی میں سوار ہوکر چلے چلو جسطرح معشوق جان کی طرف جاتی ہے۔ اور بے دست و پا عالم حدوث سے ملک قدم تک پہونچو۔ جسطرح کہ بے دست و پا جانیں عدم سے وجود میں آئی تھیں شیخ کی تو یہ حالت ہے کہ اگر سننے والے کا کان اونگتا نہوتا یعنی وہ سننے کے قابل ہوتا۔ تو وہ اپنی گفتگو سے عقل کا پردہ چاک کر دیتا مگر کیا کیجیئے کہ کوئی کہ کوئی سننے والا ہی نہیں پس اے فلک اس خوش گفتار کی گفتگو پر موتی برسا۔

اور اے جہان جسی اُسکے جہان قلب سے شرم کر کہ تیری وسعت اور تیرے عجائبات اسلی وسعت اور اُسکے عجائبات کو نہیں پہونچ سکتے۔ دیکھ اگر تو موتی برسائیگا تو اس سے تیری موتی چھگونے ہوجائیں گے۔ اور یہ تیرے جمادات بولنے والے اور دیکھنے والے ہوجائیں گے۔ اسلیئے یہ تیری بکھیر خود اپنے فائدہ کیلیئے ہوگی نہ کہ شیخ کیلیئے کیونکہ اس سے تیرے موتی سوگنے ہوجائینگے جسطرح کہ بلقیس نے ملک سبا سے سلیمان علیہ السلام کے پاس ہدیہ بھیجا تھا جس سے خود اُسی کو فائدہ ہوا تھا تفصیل اُسکی حسب ذیل ہے۔

بلقیس کا شہر سبا سے سلیمان علیہ السلام کی خدمتمیں ہدیہ بھیجنا۔

هدیهٔ بلقیس چل اشتر بدست ۔۔۔ بار آنها جمله خشت زر بدست

چوں بصحرائی سلیمانی رسید ۔۔۔ فرش آنرا جمله زر پخته دید

بر سر زر تا چهل منزل براند ۔۔۔ تا که زر را در نظر آبے نماند

بارها گفتند زر را وا بریم ۔۔۔ سوئے مخزن ما چه بیگار اندریم

عرصهٔ کش خاک زر ده دهی است ۔۔۔ زر بهدیه بردن آنجا ابلهی است

اے ببرده عقل هدیه تا آله ۔۔۔ عقل آنجا کمتر است از خاک راه

چوں کساد هدیه آنجا شد پدید ۔۔۔ شرمساری شان همی واپس کشید

باز گفتند از کساد و از روا ۔۔۔ چیست بر ما بندهٔ فرمانیم ما

گر زر و گر خاک ما را بردنی است ۔۔۔ امر فرمانده بجا آوردنی است

گر بفرمایند کیں واپس برید ۔۔۔ هم بفرمان تحفه را باز آورید

امر و فرمان را همی باید شنید — تا بدانجا هدیه را باید کشید

خوش روان گشتند با هدیه روان — تا به تخت آن سلیمان جہان

خنده آمد چون سلیمان آن بدید — کز شما من کے طلب کردم مزید

من نمی گویم مرا هدیه دهید — بلکه گفتم لائق هدیه شوید

که مرا از غیب نادر هدیه هاست — که بشر آن را نیارد نیز خواست

می پرستید اخترے کو زر کند — رو بدو آرید کو اختر کند

می پرستید آفتاب چرخ را — خوار کرده جان عالی نرخ را

آفتاب از امر حق طباخ ماست — ابلهی باشد که گویم او خداست

آفتابت گر بگیرد چون کنی — آن سیاهی زو تو چون بیرون کنی

نے بدرگاه خدا آری صداع — کین سیاهی را ببر واده شعاع

گر کشندت نیم شب خورشید کو — تا بنالے یا امان خواهی ازو

حادثات اغلب بشب واقع شود — وان زمان معبود تو غائب بود

سوئے حق گر راستانه خم شوی — وارهی از اختران محرم شوی

چون شوی محرم کشایم با تو لب — تا ببینی آفتابے نیم شب

جز روان پاک او را شرق نے — در طلوعش روز و شب را فرق نے

روز آن باشد که او شارق شود — شب نماند شب چو او بارق شود

چون نماید ذره پیش آفتاب — خور چنان باشد در ان انوار و تاب

آفتابے را که رخشان می شود — دیده پیشش کند و حیران می شود

همچو ذره بینیش در نور عرش ‏ پیش نور بیحد موفور عرش

خوار و مسکین بینی او را بیقرار ‏ دیده را فوت شده از کردگار

کیمیائے که ازو یک ماثرے ‏ بر دخان افتاد و گشت آں اخترے

نادر اکسیرے که از وے نیم تاب ‏ بر ظلامے زد بگردش آفتاب

بو العجب میناگری کز یک عمل ‏ بست چندیں خاصیت ہا بر زحل

باقی اختر ہا و گوہر ہائے جاں ‏ ہم بریں مقیاس اے طالب بداں

دیدۂ حسّے زبون آفتاب ‏ دیدۂ ربّانئے جوی و بیاب

تا زبون گردد به پیش آں نظر ‏ شعشعات آفتاب با شرر

کاں نظر نورے و ایں نارے بود ‏ نار پیش نور بس تارے بود

بلقیس کا ہدیہ چالیس اونٹ تھے۔ اور ان پر سونے کی اینٹیں لدی ہوئی تھیں جب قاصد حضرت سلیمان علیہ السلام کے جنگل میں پہنچتے ہیں تو انھوں نے دیکھا کہ اس جنگل میں پختہ سونے کا فرش لگا ہوا ہے الغرض وہ چالیس منزل تک سونے کے فرش پر چلے یہاں تک کہ اپنے سونیکی انکی نظر میں کوئی وقعت نہ رہی۔ بہت دفعہ انھوں نے اپنے دل میں کہا کہ ہم کیا لغو اور فضول حرکت کر رہے ہیں ہمکو چاہئے کہ ہم سونیکو اُسکے خزانہ میں واپس لیجائیں۔ کیونکہ وہ میدان جسکی خاک زر خالص ہے وہاں سونا ہدیہ میں لیجانا سراسر حماقت ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ اس سے تمکو سمجھنا چاہئے کہ جو لوگ عقل کو خدا کے پاس ہدیہ لیجاتے ہیں اُنکی سراسر غلطی ہے۔ کیونکہ عقل کی وہاں اتنی بھی وقعت نہیں جتنی کہ رستہ کی گرد کی۔ عقل کو ہدیہ لیجانے سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنی عقل کو پیشوا بنا کر اُسکے ذریعہ سے اتباع خداوندی کرے۔ اور رسول کو نہ مانے جیسے کفار کرتے ہیں۔ یا رسول کو تو مانے مگر عملاً اُسکا اتباع نکرے بلکہ اپنی عقل یا وقت کا تبع رہے جیسا کہ مسلمان اہل دنیا کا شیوہ ہے یہ مضمون استطرادی تھا آگے پھر قصہ کی طرف عود ہے

اور فرماتے ہیں کہ جب وہاں اس ہدیہ کا ناقص ہونا ظاہر ہوگیا تو شرمندگی اُنکو پیچھے ہٹاتی تھی۔ مگر وہ پھر کہتے تھے کہ جی کھرے کھوٹے کا ہمپر کیا الزام ہے ہم تو مطیع حکم ہیں خواہ ہمیں سونا لیجانا پڑے خواہ مٹی۔ یہ تو حکم حاکم ہے۔ اسکو تو ماننا ہی پڑیگا۔ ہاں اگر خود سلیمان علیہ السّلام کا حکم ہو کہ اس تحفہ کو واپس لیجاؤ تو اس حکم کے ذریعہ سے ضرور واپس لے آؤ غرضکہ حکم کو سننا چاہیئے۔ اور ہدیہ کو وہاں تک لیجانا چاہیئے غرضکہ وہ اپنے دل میں یہ امر طے کرکے خوش خوش ہدیہ کو سلیمان علیہ السّلام کے تخت تک لیگئے جب سلیمان علیہ السّلام نے ہدیہ کا ملاحظہ فرمایا تو ہنسے اور فرمایا کہ صاحبو میں نے آپ لوگوں سے دولت کب مانگی تھی میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے ہدیہ دو بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ تم اپنے کو میسر ہدایا و تحف معنویہ کے قابل بناؤ۔ اسلئے کہ مجھے غیب سے عجیب و غریب ہدیے ملتے ہیں جنکو آدمی بوجہ اپنی ناواقفیت کے خدا سے مانگ بھی نہیں سکتا۔ اور میں چاہتا ہوں کہ انمیں سے کچھ تمہیں بھی دوں۔ مگر اسکے لئے اسلام شرط ہے اسلئے تم سے اسلام کی درخواست کرتا ہوں۔ دیکھو تم اُس ستارے یعنی آفتاب کو پوجتے ہو جو سونا بناتا ہے لیکن یہ تمھاری سخت نادانی ہے تمکو اُسکی طرف متوجہ ہونا چاہیئے جو اس ستارے کو بناتا ہے اور تم آفتاب آسمان کو پوجتے ہو اسی سے تم نے اپنی بیش بہا جانو نکو ذلیل کر رکھا ہے کیونکہ یہ آفتاب تو بحکم خداوندی ہمارا باورچی ہے کہ ہمارے لئے سامان معیشت تیار کرتا ہے ایسی حالتمیں سراسر حماقت ہے کہ ہم کہیں کہ وہ خدا ہے ذرا غور تو کرو اگر تمھارا آفتاب گہن میں آجاوے تو تم کیا کرو۔ اور اسکی اس سیاہی سے کیونکر الگ کرو۔ کیا یہی نہوگا کہ تم حق سبحانہ کی درگاہ میں اپنی تکلیف ظاہر کروگے کہوگے کہ اے اللہ کہ اس سیاہی کو کھودے اور ہمیں روشنی دے نیز اگر تمھیں کوئی آدھی رات کے وقت مارنا چاہے تو بتاؤ کہ اسوقت آفتاب کہاں ہے تاکہ تم اُسکے سامنے رودو یا اس سے امان چاہو اکثر حادثات رات ہی کو واقع ہوتے ہیں اور اسوقت تمھارا معبود غائب ہوتا ہے پس ایسے معبود کو چھوڑنا چاہیئے اور تدبیر اسکی یہ ہے کہ خلوص کے ساتھ حق سبحانہ کی طرف جھک جاؤ۔ اگر تم صدق دل سے خدا کی طرف جھکوگے تو ستاروں کی غلامی سے چھوٹکر محرم راز خداوندی ہو جاؤگے۔ اور جب تم خدا کے محرم ہو جاؤگے اسوقت میں تم سے اسرار کی

باتیں کہونگا تاکہ تم آدھی رات کو بھی آفتاب دیکھ سکو وہ آفتاب اس آفتاب حسی کی طرح نہیں ہے کیونکہ اُسکی مشرق روح پاک ہے اور اسکی مشرق عالم اجسام نیز اُسکے طلوع میں رات دن کا فرق نہیں۔ برخلاف اس آفتاب کے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ حقیقی دن یہی ہے کہ مشرق جان سے اسکا طلوع ہو۔ اور جبکہ وہ روشن ہوتا ہے اسوقت اس رات کا اثر فنا ہوجاتا ہے اور یہ ابصار سے فی الجملہ مانع نہیں رہتی (جیساکہ ہم آئندہ بیان کرینگے) اسلئے یوں کہا جاسکتا ہے کہ اُسکی روشنی کے وقت رات رات نہیں رہتی۔ اور اُسکی یہ شان ہے کہ اس آفتاب کے سامنے جو حالت ذرہ کی ہوتی ہے وہی حالت اس آفتاب کی اُسکے انوار اور اُسکی روشنی میں ہوتی ہے۔ جو آفتاب حسی کہ چمکتا ہے اور اسکے سامنے آنکھ معطل اور متحیر ہوجاتی ہے نور عرش اور اسکے بعید و نہایت نور کے سامنے اسکو تم ذرہ کی مانند دیکھو گے اور اسکو تم ذلیل و عاجز اور ناپائدار دیکھو گے۔ اور تمھاری آنکھوں کیلئے خدا کی طرف سے ایک عجیب قوت حاصل ہوجائیگی کہ یہ آفتاب انکو معطل نہ کرسکے گا وہ تو وہ کیمیا ہے کہ اسکا ایک معمولی اثر دھوئیں پر پڑا تو وہ ستارہ بنگیا۔ اور وہ تو وہ عجیب اکسیر ہے کہ اُسکی معمولی سی چمک اندھیرے پر پڑی تو وہ آفتاب بنگیا اور وہ تو ایک عجیب مینا گر ہے کہ ایک حالم کن سے زحل کے اندر بہت سی خاصیتیں پیدا کردیں۔ اور باقی ستاروں اور جانوں کی مانند موتیوں کو بھی اسی پر قیاس کرلو۔ کہ سب کو چمک اسی کی ذرا سی چمک سے حاصل ہوئی ہے۔ دیکھو یہ حسی آنکھ کام کی نہیں اسلئے کہ یہ تو آفتاب سے مغلوب ہوجاتی ہے۔ اسلئے دیدۂ ربانی یعنی چشم بصیرت ڈھونڈھو اور حاصل کرو۔ تاکہ اسکی نظر کے سامنے اس مشتعل آفتاب کی چمک دمک مغلوب ہوجاوے کیونکہ وہ نظر تو نوری ہے اور آفتاب ناری اور آگ نور کے سامنے نہایت تاریک ہے ہم نے اوپر کہا تھا شب نماند شب چو او بارق شود۔ اب اسکی تائید میں ایک حکایت سنو۔

شرح شبیری

بیان میں اسکے کہ حکماء کہتے ہیں کہ آدمی عالم صغیر ہے

اور صوفیہ کہتے ہیں کہ آدمی عالم کبیر ہے اس لئے کہ حکماء کا علم تو صرف صورت انسان پر ہے اور صوفیہ کا علم حقیقت انسان پر ہے

حکماء تو انسان کو عالم اصغر اسلئے کہتے ہیں کہ انسان میں تمام عالم کی اشیاء کے نمونے ہیں لہذا عالم دنیا تو عالم اکبر ہے اور انسان اُسکے مقابلہ میں بوجہ نمونہ ہونے کے عالم اصغر ہے۔ اور صوفیہ اسکی حقیقت کو سمجھتے ہیں اسلئے انسان ہی کو عالم اکبر کہتے ہیں اسکی دو تقریریں ہیں ایک تو یہی جو کہ مولانا نے کی ہے کہ چونکہ مقصود وجود انسان ہی ہے اس معنی کر یہ عالم اکبر ہے کہ یہی مقصود ہے اور ایک دوسری تقریر اسکی یہ ہو سکتی ہے کہ چونکہ دنیا کی تمام اشیاء مظاہر ہیں اسماء حق جل شانہ کی اور انسان ان میں مظہر اتم ہے اسلئے یہ کبیر ہوا اور سب اسکے آگے صغیر ہوئے۔ یہ تو حل تھا سرخی کا اب اشعار کا حل لیجئے۔ فرماتے ہیں کہ۔

پس بصورت عالم اصغر توئی　　　پس بمعنی عالم اکبر توئی

یعنی پس (اے انسان) صورت میں تو تو عالم اصغر ہے۔ اور حقیقت میں تو عالم اکبر ہے (آگے اسکی ایک مثال دیتے ہیں کہ)

ظاہراً آن شاخ اصل میوہ است　　　باطناً بہر ثمر شد شاخ ہست

یعنی ظاہر میں تو شاخ میوہ کی اصل ہے (لیکن) حقیقت میں پھل ہی کیلئے شاخ موجود ہوئی ہے

گر نبودے میل و امید ثمر　　　کے نشاندی باغبان بیخ شجر

یعنی اگر رغبت اور امید پھل کی نہ ہوتی تو باغبان درخت کی جڑ کب بٹھاتا یعنی وہ درخت ہی نہ لگاتا

پس بمعنی آن شجر از میوہ زاد　　　گر بصورت از شجر بودش ولاد

یعنی پس حقیقت میں وہ درخت میوہ سے پیدا ہوا ہے اگرچہ صورت میں اسکی ولادت درخت سے ہے مطلب یہ کہ اگرچہ ظاہر میں درخت سبب ہے وجود پھل کا لیکن حقیقت کے اعتبار سے اگر دیکھا جاوے تو پھل ہی وجود درخت کا سبب ہے۔ کیونکہ مقصود پھل ہی ہے۔ تو درجہ مقصودیت میں

پھل ہی اصل ہوا۔ اسی طرح درجۂ مقصودیت میں تمام عالم کی اصل انسان ہوا۔ آگے ایک اور دلیل اسکی مقصودیت کی لاتے ہیں کہ۔

مصطفےٰ زیں گفت کادم و انبیا　　خلف من باشند در زیر لوا

یعنی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وجہ سے فرمایا ہے کہ آدم اور دیگر انبیا علیہم السلام جھنڈے کے نیچے میرے پیچھے ہونگے۔

بہر ایں فرمودہ است آں ذوفنون　　رمز نحن الآخرون السابقون

یعنی اسلئے اس ذوفنون صلی اللہ علیہ وسلم نے نحن الآخرون السابقون کا اشارہ ارشاد فرمایا ہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ شے مقصود ہی اصل الشئے ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں میں مقصودیت میں بڑھے ہوئے ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدایش نہوتی تو پھر نہ حضرت انسان ہوتے اور نہ اور کچھ ہوتا۔ اسی لئے آپنے فرمایا کہ تمام انبیا قیامت کے روز میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے کیونکہ مقصود تو وجود عالم سے آپ ہی ہیں تو آپ سبکی اصل اور سب کے سردار ہوئے اور اسی لئے آپنے فرمایا ہے کہ ہم آئے تو آخیر میں لیکن بوجہ مقصودیت کے سب سے اول ہیں اور فرمایا کہ۔

گر بصورت من ز آدم زادہ ام　　من بمعنی جد جد افتادہ ام

یعنی اگرچہ میں صورت میں آدم علیہ السلام سے پیدا ہوا ہوں لیکن حقیقت میں اصل الاصل ہوں یعنی مقصود کے اعتبار سے میں خود آدم علیہ السلام کی بھی اصل ہوں۔ اگرچہ بظاہر انکی اولاد میں ہوں۔ لیکن مقصود وجود آدم علیہ السلام سے میں ہی ہوں۔

کز برائے من بدش سجدہ ملک　　وز پے من رفت بر ہفتم فلک

یعنی کہ میری ہی وجہ سے انکو فرشتوں کا سجدہ ہوا ہے اور میری ہی بدولت وہ ساتویں آسمان پر تشریف لیگئے۔ مطلب یہ کہ چونکہ انمیں میرا نور تھا اسلئے فرشتوں نے انکو سجدہ کیا اور میری ہی برکت سے وہ جنت میں داخل ہوئے۔ جو کہ ساتویں آسمان پر ہے غرض کہ تمام کمالات میری ہی بدولت حاصل ہوئے۔ اور یہ روایت بالمعنی ہے باقی صوفیا اسکے قائل ہیں ہی کہ تمام انبیا کے کمالات فرع ہیں کمالات نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کی رہی اسکی دلیلیں وہ اپنے مقامات

میں موجود ہیں جسکا دل چاہے دیکھ لے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

پس ز من زائید در معنی پدر پس ز میوہ زاد در معنی شجر

یعنی پس حقیقت میں باپ مجھ سے پیدا ہوئے اور حقیقت میں میوہ ہی سے درخت پیدا ہوا ہے مطلب یہ کہ بوجہ مقصودیت کے میں آدم علیہ السلام کا بھی اصل ہوں اور میوہ درخت کی اصل ہے جیساکہ اوپر بیان ہوا ہے۔ آگے ارشاد ہے کہ۔

اول فکر آخر آمد در عمل خاصہ فکرے کو بود وصف ازل

یعنی اول فکر عمل میں آخر آتا ہے خاصکر وہ فکر جو کہ وصف ازل ہو۔ مطلب یہ کہ دیکھو تم کسی شے کو اول سوچتے ہو کہ مثلاً ہم تخت بناویں گے تو سب سے پہلے اس سے جو مقصود ہے یعنی جلوس کو سوچتے ہو کہ ہم اسپر بیٹھا کریں گے تو یہاں درجہ فکر میں تو وہ متفکر (بفتح الکاف) سب سے اول ہے لیکن وجود میں سب سے آخر میں ہے اسلئے کہ جب پورا تخت بنجاویگا اور تیار ہو جاویگا تو یہ غایت اور مقصود یعنی جلوس سب کے بعد وجود میں آویگی دوسرے مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ خاصکر وہ شے جو کہ ازلی ہو وہ تو بہ نسبت دیگر اشیاء کے زیادہ مقدم ہوگی تو اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم اگرچہ وجود میں سب سے آخر میں آئے لیکن اس درجہ فکر میں سب سے مقدم ہیں اسکی توضیح کیلئے اول ایک مقدمہ سمجھو کہ یہ تو سب مانتے ہیں کہ وجود کے دو مرتبے ہیں ایک واجب دوسرا ممکن آگے صوفیہ انمیں بھی مراتب مانتے ہیں انہیں سے وجود واجب کے لئے تین مرتبہ کہتے ہیں جن کا لقب انکی اصطلاح میں احدیت اور وحدۃ اور واحدیت ہے احدیت تو ذات بحت کو کہتے ہیں جسکو غیب الغیب اور باطن محض وغیرہ کے القاب سے بھی تعبیر کرتے ہیں یہ درجہ تو ذات کا ہے دوسرا درجہ ہے وحدۃ یہ درجہ ہے صفات اجمالیہ کا اسکو انکی اصطلاح میں حقیقت محمدیہ بھی کہتے ہیں تیسرا درجہ ہے واحدیت۔ یہ درجہ ہے صفات تفصیلیہ کا جسکو اعیان ثابتہ اور حقیقت آدم بھی کہتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ یہ تینوں درجہ ازلی ابدی ہیں اور انمیں آپسمیں ایک دوسرے پر تقدم تاخر بھی ہے اور چونکہ انسان صفات حق کا مظہر ہے اور حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے مظہریت میں اکمل واتم ہیں کہ تمام صفات کمال حضور صلے اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں۔

اسی لئے اُس درجۂ صفات اجمالی کو حقیقت محمدیہ کے لقب سے تعبیر کیا جاتا ہے لہذا اُس درجہ میں یعنی درجۂ صفت اجمالی میں حضور مقدم ہوئے دیگر موجودات سے اسلئے کہ باقی موجودات تو درجۂ واحدیت میں ہیں جسکو درجۂ صفات تفصیلی اور اعیان ثابتہ اور حقیقت آدم بھی کہا جاتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ اگر کسی شے پر کوئی حکم کسی حیثیت کے اعتبار سے کیا جاتا ہے تو اصل میں محکوم علیہ وہ حیثیت ہوتی ہے اس شے کی ذات محکوم علیہ نہیں ہوتی۔ تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدم کا حکم بہ حیثیت آپ کے درجۂ صفات اجمالی میں ہونے کے کیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ اصل میں محکوم علیہ وہ درجۂ صفات اجمالی حق تعالیٰ کا ہوا جسکو اصطلاح میں حقیقت محمدیہ بھی کہتے ہیں اور یہاں تقدم کو مجازاً خود ذات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا۔ ورنہ اصل میں یہ ہے کہ وہ درجۂ صفات اجمالی درجۂ صفات تفصیلی سے مقدم ہے اور یہ سب صوفیہ کے نزدیک مسلم ہے اور نہ اسمیں استحالہ ہے اسلئے کہ وہ دونوں درجے صفات حق ہی کے ہیں اُنکو اگر وصف ازل سے تعبیر کر دیا تو کیا عجب ہے، خوب سمجھ لو۔ آگے وہ تقریر نقل کیجاتی ہے جسکو خود حکیم الامۃ دام ظلہم نے اپنے قلم مبارک سے اس مقام کے حل میں تحریر فرمایا ہے۔ وہو ہذا۔

مقصود کے تقدم کو بیان فرماتے ہیں کہ قاعدہ کلیہ ہے کہ اول فکر کی ہوئی چیز عمل یعنی کام میں پیچھے آیا کرتی ہے اور اس کلیہ میں سے بالخصوص وہ فکر کی ہوئی چیز یعنی محل تفکر و متصور و معلوم جو وصف ازلی ہو خصوصاً اسلئے کہا کہ ایک تو اُسکا غایت مقصود ہونا مقتضی ہے اسکے تقدم کو پھر اسکا وصف ازلی ہونا جسکے لئے تقدم علی غیر الازلی لازم ہے یہ دوسرا مقتضی ہے اسکے تقدم کو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کہ بحیثیت اپنے منشا تعین کے جسکو حقیقت محمدیہ کہتے ہیں وصف ازلی ہے باری تعالیٰ کا جسکا حاصل (اس بنا پر کہ اگر کسی شے پر کوئی حکم کسی حیثیت خاصہ سے کیا جاوے تو در حقیقت محکوم علیہ اس حکم کا وہ حیثیت ہوتی ہے) یہ ہے کہ وہ حقیقت محمدیہ وصف ہے باری تعالیٰ کا۔ کیونکہ یہ اصطلاح میں لقب ہے صفات باری تعالیٰ کے درجہ اجمال کا اور یہ ایسا ازلی ہے کہ غیر ازلی پر تو مقدم ہے ہی دوسرے ازلیات پر بھی جو منشا

تعینات ہیں دوسرے اکوان کے ایک گونہ مقدم ہے۔ اور یہ مناشی صفات کا درجہ تفصیلی ہے جسکو اعیان ثابتہ کہتے ہیں اور حقیقت آدمیہ بھی اُسکا لقب ہے۔ اور یہ تقدم بالزمان نہیں مگر بالذات وبالطبع ہے پس حقیقت محمدیہ کا حقیقت آدمیہ سے متقدم ہونا مجازاً ذات محمدیہ کا تقدم ہے ذات آدم وغیرہ پر بحیثیت مذکورہ اور آپکے لئے حقیقت محمدیہ کا منشا تعین ہونا خود یہ علامت ہے آپکی مقصودیۃ کی پس وہی حاصل نکلا کہ آپکی مقصودیت سبب ہے تقدم کا اور اس مقصودیت کی چونکہ ایک خاص توجیہ تھی اسلئے خاصہ فکرے الخ کے عنوان سے تعبیر کیا۔ احقر کہتا ہے کہ اس تقریر کے بعد بھی جی چاہتا تھا کہ کوئی سہل توجیہ ہوتی تو خوب تھا عشاء کی نماز میں ذہن ایک دوسری تقریر آئی وہ یہ کہ آپکے تقدم کی ایک وجہ تو وہی مقصودیت بنا بر اُس قاعدہ کے کہ اول فکر آخر آمد در عمل اور دوسری خاص وجہ یہ بھی کہ آپ ایسے متعلق فکر یعنی معلوم ہیں کہ آپ صاحب وصف ازلی ہیں مبالغۃً آپ پر لفظ وصف کو محمول کردیا جیسا زید عدل ہیں اور ازل سے مراد معنی عرفی خاص نہیں بلکہ معنی عرفی عام ہیں جو اکثر شعرا کے استعمال میں آتا ہے یعنی مطلق اولیت متقادمہ کما قال النظامی رحمہ ؎ محمد کازل تا ابد ہر چہ ہست + بآرایش نام او نقش بست + اور حسب مضمون حدیث اول ما خلق اللّٰہ نوری آپ معلول اول وجود خارجی میں بھی ہیں پس معنی یہ ہوئے کہ مقصود در وجود ذہنی میں تو تقدم ہوتا ہی ہے اور آپ تو وجود خارجی میں بھی سب سے مقدم ہیں گو مرتبہ روح میں سہی جسم میں نہ سہی۔ وھذا اسھل واللّٰہ اعلم۔

آگے مولانا پھر اوپر کے مضمون کیطرف رجوع فرماتے ہیں کہ اوپر جو کہا تھا کہ اگر حق تعالےٰ چاہیں تو ایک دم میں باوجود بعد مسافت کے فیض تم تک پہونچادیں درمیان میں تبعاً اسقدر بیان ہو گیا تھا آگے پھر اُسی کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

حاصل اندر یک زماں از آسماں می رود می آید ایدر کارواں

یعنی حاصل یہ ہے کہ ایک گھڑی میں آسمان سے قافلہ اب جارہا ہے۔ اور آرہا ہے مطلب یہ کہ اسوقت بھی سیکڑوں لاکھوں فیوض و برکات حق جل شانہ کی طرف نازل ہو رہے ہیں۔

نیست بر این کارواں این رہ دراز کے مفازہ زفت آید با مفاز

یعنی اس قافلہ پر یہ راہ دراز نہیں اور میدان مقصود کے آگے سب بڑا معلوم ہوتا ہے مطلب یہ کہ برابر لوگ فیوض لے رہے ہیں اور فیوض ادھر سے آ رہے ہیں اس قافلہ پر یہ راہ دراز نہیں ہے اسلئے کہ جسقدر مقصود عظیم ہوتا ہے اسی قدر اسکے درمیان جو مسافت ہوتی ہے وہ کم معلوم ہوتی ہے تو چونکہ یہ مقصود ایک عظیم الشان مقصود ہے اسلئے اسکو درمیان جو راہ حائل ہے وہ کچھ بھی نہیں ہے آگے تقریب فہم کیلئے فرماتے ہیں کہ

دل بکعبہ میرود در ہر زماں　　　جسم طبع دل بگیرد زامتناں

یعنی دل کعبہ میں ہر گھڑی جاتا ہے تو جسم دل کی طبیعت احسان حق کی وجہ سے لیتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو جب چاہو دل کعبہ میں پہنچ جاتا ہے یعنی کعبہ کا تصور دل میں آجاتا ہے تو اسی طرح اگر حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے جسم میں خاصیت روح کی پیدا ہو جاوے تو کیا عجب ہے کہ۔

ایں دراز و کوتہی مر جسم راست　　　چہ دراز و کوتہ آنجا کہ خداست

یعنی یہ دراز و کوتہی جسم کیلئے ہے اور کیا دراز اور کیا کوتہ اُس جگہ جہاں کہ خدا ہے مطلب یہ کہ تمھارے جسم کے آگے معلوم ہوتا ہے کہ مسافت بعید ہے پہونچنا مشکل ہے لیکن حق تعالیٰ کو پہونچا دینا تو کچھ مشکل نہیں۔ پھر بُعد مسافت سے کیوں گھبراتے ہو۔

چوں خدا مر جسم را تبدیل کرد　　　رفتنش بے فرسخ و بے میل کرد

یعنی جب خدا نے جسم کو تبدیل فرمایا تو اُسکا چلنا بے فرسخ اور بے میل کے کر دیا مطلب یہ کہ جب حق تعالیٰ چاہتے ہیں تو عروج روحانی ہونے لگتا ہے جسمیں کہ قطع مسافت ظاہری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ ویسے ہی کس سے کہیں پہونچ جاتے ہیں جیسا کہ ظاہر ہے کہ عروج روحانی میں مسافت حسی کے قطع کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی۔ آگے فرماتے ہیں کہ

صد امید است ایں زماں بردار گام　　　عاشقانہ اے فتے خل الکلام

یعنی اسوقت اے جوان سیکڑوں امیدیں ہیں قدم عاشقوں کی طرح اُٹھاؤ اور کلام ترک کرو مطلب یہ کہ اسوقت فیوض و برکات نازل ہو رہے ہیں اسوقت قدم بڑھاؤ اور چال ہیں باتیں چھوڑو جیسا کہ فرماتے ہیں کہ ؎ قدم باید اندر طریقت نہ دم + کہ اصلے ندارد دم بے قدم + آگے فرماتے ہیں کہ۔

گرچہ پلہ چشم برہم می زنی　　در سفینہ خفتہ رہ می کنی

یعنی اگرچہ تم نے آنکھ کی پلک بند کر رکھی ہے (مگر) کشتی میں سوئے ہوئے راستہ چل رہے ہو
مطلب یہ کہ دیکھو اگر تم کشتی میں سوار ہو تو اگر اسمیں تم سو بھی جاؤ تب بھی سو رہے ہو اور
چل رہے ہو۔ اسی طرح مرشد اور شیخ جو کہ کشتی کی طرح ہے اگر تم اُسکے سایہ میں آجاؤ اور
اسکی تربیت میں ہو تو تم بلا محنت شاقہ کے آرام اور راحت کیساتھ مقصود تک پہونچ
جاؤگے زیادہ مشکل نہ کرنی پڑیگی۔ ہاں کچھ نہ کچھ کام تو ضروری کرنا پڑیگا جیسا کہ کشتی میں
بھی کم از کم بیٹھنا تو پڑتا ہی ہے۔ اسی طرح کچھ نہ کچھ تو ضرور کام کرنا پڑے ہی گا۔ ہاں اُسکی
تربیت میں اگر محنت شاقہ سے بچ جاؤگے یہاں جو کشتی کی مثال دی ہے آگے اس سے
مراد مرشد ہونا بتاتے ہیں۔

تفسیر حدیث مثل اہل بیتی کمثل سفینۃ نوح من تمسک بہا نجا ومن تخلف عنہا غرق،

بہر ایں فرمود پیغمبر کہ من　　ہمچو کشتی ام بطوفان زمن

یعنی کہ حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے فرمایا ہے کہ میں طوفان زمانہ میں
کشتی کی طرح ہوں۔ مطلب یہ کہ چونکہ مرشد کی مثال کشتی کی سی ہے اسی لئے حضور
مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی مثال کشتی جیسی فرمائی ہے۔ فرمایا ہے کہ حوادثات
زمانہ کے طوفان میں میری مثال کشتی جیسی ہے۔ کہ میں سب سے بچا کر صحیح وسالم نکال لیجاتا
ہوں۔ ما و اصحابیم چوں کشتی نوح　　ہر کہ دست اندر زند یابد فتوح

یعنی (فرمایا ہے کہ) ہم اور ہمارے اصحاب کشتی نوح کی طرح ہیں جو شخص اتباع کرے وہ فلاح
پاوے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

چونکہ با شیخے تو دور از زشتئے　　روز و شب سیاری و در کشتئے

یعنی جبکہ تو شیخ کیساتھ ہے تو تو زشتی سے دور ہے اور تو رات دن چلرہا ہے اور

کشتی میں ہے۔

در پناہ جان جان بخشی شوی　　کشتی اندر خفتہ رہ میروی

یعنی تو جان بخشنے والے کی جان کی پناہ میں ہوگا۔ اور کشتی میں سوئے ہوئے راستہ چلوگے مطلب یہ ہے کہ اگر تم شیخ کے متبع ہوئے اور وہ تمھارا راہبر ہوگا تو پھر تمکو کوئی گزند نہیں پہونچ سکتا۔ اور تم شیطان کے تمام شرارتوں سے محفوظ رہوگے اور تمھاری ایسی مثال ہوگی کہ گویا کشتی کے اندر سو رہے ہو۔ کہ ساکن اور متحرک ایک ہی زمانہ میں ہو بظاہر تو ایک جگہ بیٹھے ہو اور ایک ہی حالت میں ہو مگر شیخ کے اتباع اور معیت کی وجہ سے عروج باطنی اور سیر حقیقی تم کو حاصل ہوگی جیسا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو ہمارا اتباع کرے وہ فلاح پاوے جب رسول اور نائبان رسول کے اتباع سے فلاح حاصل ہوتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ۔

مگسلی از پیغمبر ایام خویش　　تکیہ کم کن بر فن و بر گام خویش

یعنی تم اپنے زمانہ کے پیغمبر سے قطع تعلق مت کرو اور اپنے علم و عمل پر بھروسہ کم کرو مطلب یہ کہ جب فلاح اور ترقی وغیرہ سب اتباع رسول یا اتباع نائبان رسول ہی پر موقوف ہے تو تم اپنے زمانہ کے پیغمبر سے قطع تعلق مت کرو اور وہ تمھارے زمانہ کے پیغمبر وہی تمھارے زمانہ کے اولیاء اللہ اور مشائخ متبع سنت ہی ہیں لہذا تم کو چاہیئے کہ انکا اتباع کرو۔ اور اپنے علم و عمل پر مغرور مت ہو کہ جب تک کوئی راہبر نہو اپنا علم ابتدا میں کچھ کام نہیں دیتا ہاں پھر تم جب راہ پر لگ جاوگے اسوقت پھر تم خود مقتدا ہوگے اور دوسرے لوگ تمھارا اتباع کریں گے اور تمھارے راہ پر لگنے سے پہلے تو تم خواہ کتنے ہی بڑے عالم باعمل ہو اس راہ میں تم مقصود تک نہیں پہونچ سکتے۔ اگرچہ وہ خود فی نفسہ ہی مقصود ہے مگر اس راہ کا مقصود بے راہبر کے ہرگز میسر نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ظاہر ہے آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

گرچہ شیری چوں روی رہ بے دلیل　　ہمچو روبہ در ضلالی و ذلیل

یعنی اگرچہ تم شیر ہو مگر جبکہ بے راہبر کے رستہ چلوگے تو لومڑی کی طرح گمراہی میں رہوگے اور ذلیل ہوگے مطلب یہ کہ تم علم و عمل میں خواہ کتنے ہی کامل ہو لیکن اگر تمھارا کوئی راہبر

نہیں ہے تو یاد رکھو کہ وہ ساری قوت بیکار ہے۔ تم بالکل کمزور اور رسوا ہو گے وہ علم و عمل اس راہ میں کوئی زیادہ کارآمد نہوگا۔ جب یہ بات ہے تو آگے پھر اسی کی تاکید فرماتے ہیں کہ۔

ہین مپرالا کہ با پرہائے شیخ — تا ببینی عون لشکرہائے شیخ

یعنی ہاں بے شیخ کے پروں کے مت اڑو تاکہ تم شیخ کے لشکروں کی مدد دیکھو مطلب یہ کہ تم بے معیت شیخ کے طریق طے مت کرو بلکہ اُسکی مدد سے طریق طے کرو گے تو اسوقت تمکو اُسکی برکت اور فوائد معلوم ہونگے یہاں تک صحبت شیخ اور معیت شیخ کی ترغیب دیکر آگے اس طریق کا معاملہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

یک زمانے موج لطفش بال تست — آتش قہرش دمے حمال تست

یعنی ایک زمانہ تو اُسکی موج لطف تمھارے لئے بال ہے۔ اور ایک دم میں اُسکا قہر تمھارا حمال ہے

قہر او را ضد لطفش کم شمر — اتحاد ہر دو بین اندر اثر

یعنی اُسکے قہر کو اُسکے لطف کی ضد کم گنو اور اثر میں دونوں کا اتحاد دیکھو مطلب یہ ہے کہ شیخ کا معاملہ کبھی تو تمھارے ساتھ درشتی کا ہوتا ہے اور کبھی نرمی کا مگر اثر میں اور فائدہ پہونچانے میں دونوں یکساں ہیں بلکہ اکثر درشتی ہی زیادہ نافع دیکھی گئی ہے۔ لہذا اُسکی سختی سے مکدر ہونا اور اُس سے ناگواری ہونا بہت ہی نامناسب ہے۔ اور طریق سے محروم رکھنے والی شے ہے اُسکے سامنے تو وہ حالت ہو کہ ○ زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو ○ دل شدہ مبتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو ہر حالت میں وہ تمھاری تربیت کر رہا ہے۔ اور اُس میں اُسکا کوئی نفع نہیں ہر وہ یہ سب درشتی اور نرمی وغیرہ تمھارے ہی فائدہ کیلئے کرتا ہے۔ بلکہ اس درشتی میں اکثر اوقات خود اُسکو بھی کلفت ہوتی ہے مگر صرف تمھارے نفع کیلئے وہ اس کوفت کو برداشت کرتا ہے۔ افسوس ہے تمھارے حال پر کہ وہ تو تمھارے واسطے مشقت برداشت کرے۔ اور تمھیں نفع پہونچانا چاہے اور اُسمیں خود اُسکا کوئی نفع نہو مگر باوجودیکہ تمھارا نفع ہی نفع ہے تم اُسکو ناگوار سمجھو اور رنجیدہ ہو۔ اُسکی درشتی اور نرمی کی یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

یکزمان چوں خاک سبزت میکند — یکزماں پر باد و گبرت میکند

یعنی ایک وقت میں تو وہ تجھے خاک سبز کرتا ہے اور ایک وقت میں پر باد اور بڑا تجھے کر دیتا ہے

مطلب یہ کہ کبھی تو نرمی کر کے تجھے سبزہ کی طرح خوش و خرم کر دیتا ہے۔ اور کبھی درشتی کر کے تجھے مراتب عالیہ پر پہونچا دیتا ہے۔ اور اسکی یہ شان ہے کہ۔

جسم عارف را دہد وصف جماد تا بروروید گل و نسرین شاد

یعنی جسم عارف کو وہ جماد کی صفت دیتا ہی یہانتک کہ اُسپر پھول اور نسرین خوش اوگتے ہیں۔ مطلب یہ کہ وہ شیخ سالک کے جسم کو جمادات کی سی خاصیت دیدیتا ہے کہ اُنپر کبھی بارش ہوتی ہے جو کہ نرمی کے مشابہ ہے اور کبھی تیز دہوپ پڑتی ہے جو درشتی کے مشابہ ہے ان دونوں سے ملکر اُسپر کیسے کیسے پھول اوگتے ہیں اسی طرح شیخ کی نرمی اور سختی دونوں سے ملکر ہی کام بنتا ہے۔ اور علوم و معارف جب ہی وارد ہوتے ہیں جبکہ دونوں حالتوں کو برداشت کیا جاوے ورنہ کورے کے کورے ہی رہ جاؤ گے اب یہاں شبہ ہوا کہ ہم نے تو کسی جسم عارف میں کوئی پھول وغیرہ لگے ہوئے نہیں دیکھے وہ تو بیچارے یونہی ٹوٹی پھوٹی حالت میں ہوتے ہیں پھر یہ کہنا کہ اُسکو وصف جماد دیتا ہے اور اسمیں پھول لگتے ہیں کہاں صحیح ہوا۔ آگے مولانا اسکا جواب دیتے ہیں کہ۔

لیک او بلبند نہ بیند غیر او جز بمغز پاک ندہد خلد بو

یعنی لیکن وہی دیکھتا ہے اُسکے سوا اور کوئی نہیں دیکھتا۔ اور سوائے مغز پاک کے (اور کسی کو) خلد بو نہیں دیتی۔ مطلب یہ کہ جسم عارف کے گل و نسرین اُس شیخ ہی کو نظر آتے ہیں اسکے علاوہ اور کسی کو نظر نہیں آتے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ وہ تمام پھول حسی تو ہوتے نہیں معنوی ہوتے ہیں۔ لہذا اُسکو وہی دیکھ سکتا ہے جسکی آنکھ حقیقت شناس ہو جیسے کہ بہشت کی خوشبو اُسی کو آویگی جسکا دماغ پہلے سے اچھا ہوگا۔ اور سڑے ہوئے دماغ والے کو یعنی کفار کو جنت کی ہوا بھی نہ لگے گی۔ لہذا ہر شخص کو وہ گل و نسرین دکھائی نہیں دے سکتے۔ آگے اُنکے دیکھ سکنے کی تدبیر بتاتے ہیں کہ

مغز را خالی کن از انکار یار تا کہ ریحاں یابد از گلزار یار

یعنی مغز کو یار کے انکار سے خالی کرلے تاکہ یار کے گلزار سے خوشبو پاوے۔ مطلب یہ کہ تمہارے دماغ میں جو اولیاء اللہ کی طرف سے انکار بھرا ہوا ہے اس انکار کو نکال دو

خواہ اعتقاد بھی نہو امتحان ہی مقصود ہو مگر انکار اور بغض نہو اسوقت تمکو اس باغ حقیقی کی خوشبو آویگی اور اُن گل و نسرین کو تم بھی دیکھہ سکوگے۔ آگے بھی یہی فرماتے ہیں کہ

تا بیابے بوئے خلد از یار من　　چوں محمدؐ بوئے رحمٰن از یمن

یعنی تاکہ تم میرے یار سے بوئے خلد کو پاؤ جیسے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے رحمٰن کی بو یمن سے پائے۔ مطلب یہ کہ تم اس انکار اور عناد کو نکال ڈالو اسوقت تمکو اس گل و نسرین حقیقی کی خوشبو معلوم ہوگی اور اسوقت تمکو شیوخ کی برکات کا مشاہدہ ہوگا جیسے کہ حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ الایمان یمان الخ کہ ایمان یمن میں ہوگا۔ اور یمن کے لوگ زیادہ ایماندار ہونگے۔ تو جسطرح حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اُدھر سے آثار ایمان معلوم ہوئے تھے اسی طرح اگر تم انکار سے دماغ کو خالی کرلوگے تو تم کو بھی برکات کا مشاہدہ ہونے لگے گا۔

در صف معراجیاں گر بیستی　　چوں براقت بر کشاید نیستی

یعنی معراجیوں کی صف میں اگر تو کھڑا ہو تو جب تیرا براق پر کھولے تو تو نیست ہو مطلب یہ کہ اگر تم ان حضرات کی خدمت میں رہو تو انکی صحبت کا یہ اثر ہوگا کہ ایکدن تم کو بھی عروج روحانی حاصل ہوگا۔ اور تم کو درجہ فنا حاصل ہو جاویگا۔

نے چو معراج زمینے تا قمر　　بلکہ چوں معراج کلکے تا شکر

یعنی نہ مثل معراج یک زمین سے قمر تک بلکہ مثل معراج ایک کلک کے شکر تک مطلب یہ کہ تمکو جو عروج ہوگا اور تمھارے جو مراتب عالی ہونگے تو وہ کوئی حسّی شے نہیں ہے کہ یہاں سے اُٹھکر وہاں چلے گئے یا اڑنے لگے کہ اُڑے اور آسمان پر پہونچ گئے۔ بلکہ وہ عروج روحانی ہوگا جسکی کیفیت کچھ اس مثال سے معلوم ہوگی کہ دیکھو شکر کی نے اولاً ایک لکڑی ہوتی ہے اُسکے بعد اُسکو ترقی ہوتی ہے اور وہ شکر ہو جاتی ہے تو وہ رہی تو اپنی جگہ مگر اُسکو ترقی ہوگئی یعنی وہ ترقی کیفاً ہوگی کہ ایک حالت سے دوسری حالت بدلجاویگی۔ ورنہ کوئی سیڑھی لگاکر آسمان کو تھوڑا ہی چڑھنا ہے۔ آگے بھی یہی مضموں ہے فرماتے ہیں کہ

نے چو معراج دخانی تا سما　　بل چو معراج جنینے تا نہا

یعنی نہ مثل معراج ایک دہویں کے آسمان تک بلکہ مثل معراج ایک جنین کے عقل تک مطلب یہ کہ وہ معراج ایسی ہوگی جیسے کہ دہواں آسمان کو چڑہا کرتا ہے بلکہ اسکی مثال ایسی سمجھو جیسے کہ ایک بچہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا ہی میں رہکر عاقل وکامل ہوجاتا ہے تو اسکو حسًا تو کہیں عروج نہیں ہو مگر ظاہر ہے کہ اسکو اپنی اس پہلی حالت سے عروج ہوا ہے اور ترقی کرکے آج وہ اس درجہ کو پہونچ گیا ہے۔ اسی طرح اگر تم مرشد کے ساتھ رہوگے اور اسکے کہنے سے مجاہدات و ریاضات کرتے رہوگے تو ایکدن تم بھی کامل ہوجاؤگے۔

خوش براقے گشت خنگ نیستی　　سوئے ہستی آردت گر نیستی

یعنی نیستی کا گھوڑا ایک اچھا براق ہے کہ تجھے ہستی کی طرف لاویگا۔ اگر تو نیست ہوگا مطلب یہ کہ فنا ایک ایسی شے ہے کہ اسکو حاصل کرنیکے بعد انسان کو بہت جلد عروج روحانی ہوتا ہے اور اسکے ذریعہ سے بہت جلد مقصود تک وصول ہوجاتا ہے لہذا چاہئے کہ شیخ کی رائے میں اپنی رائے کو بالکل فنا کردو۔

کوہ و دریاہا سمش مس میکند　　تا جہان حس را پس میکند

یعنی اس گھوڑے کے سم پہاڑ اور دریا کو مس کرتے ہیں تاکہ جہان حس کو پیچھے کردے مطلب یہ کہ فنا حاصل ہونیکے بعد یہ ہوتا ہے کہ تمام مراتب عالیہ حاصل ہوتے چلے جاتے ہیں اور یہ جہاں بے قدر ہوجاتا ہے پھر اسکی طرف التفات نہیں رہتا۔ یہانتک تو اسکی تعلیم کی تہی کہ شیخ کی تعلیم سے اعمال ومجاہدات وریاضات کرو اور درجہ فنا حاصل کرلو اور اسکے غصہ وغیرہ کو برداشت کرو تو تم کو مقصود بہت جلد حاصل ہوجاویگا۔ آگے وصول کا دوسرا طریق بتاتے ہیں کہ

پا بکش در کشتی ومی رو رواں　　چوں سوئے معشوق جاں جان رواں

یعنی پاکشتی میں بیٹھ لو اور روانہ ہوجاؤ جسطرح کہ جان معشوق جان کیطرف روانہ ہوتی ہے مطلب یہ کہ اگر مجاہدات وریاضات نہیں کرسکتے تو خیر شیخ کی صحبت تو اختیار کرو۔ اسکو تو مت چھوڑو کہ انشاءاللہ ایک دن اس سے بھی کام بنجاویگا۔ لیکن اجتناب عن المعاصی تو ہر حال میں ضروری ہے پھر اگر اور ذکر وشغل متعارف نہ بھی کرے تب بھی اکثر وصول ہو ہی جاتا ہے تیری یہ حالت ہوجاوے گی کہ۔

دست نی و پائے نے رو تا قدم   آنچنانکه تاخت جانها از عدم

یعنی نہ ہاتھ ہیں اور نہ پاؤں ہیں اور قدم تک چلے جاؤ جسطرح کہ جانیں عدم سے آئی ہیں مطلب یہ کہ جسطرح کہ عدم سے جانیں وجود میں آگئی ہیں اور انکو کوئی حرکت حسّی نہیں ہوئی اسی طرح تمکو بھی کوئی حرکت حسّانہ کرنی پڑے گی اور تم واصل الی الحق ہوجاؤگے یہاں آکر مولانا کو خیال آیا کہ سامعین کی توجہ ان مضامین کی طرف پوری نہیں ہے اسلئے مولانا کو آمد مضامین بند ہوگئی آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

بر دریدے در سخن پردہ قیاس   گر نبودے سمع سامع را نعاس

یعنی بیان میں پردۂ قیاس کو پھاڑ دیتا اگر سامع کی سمع کو اونگھ نہوتی۔ مطلب یہ کہ اگر سامعین اکتا نہ جاتے۔ اور ان مضامین کے سننے کا انکو شوق ہوتا۔ تو میں ان مضامین کو بعید قیاس بیان کرتا مگر اب چونکہ سامعین اکتا گئے ہیں اسلئے اب آگے بیان نہیں کرتا۔ آگے شیخ کیلئے دعا فرماتے ہیں کہ۔

اے فلک بر گفت او گوہر ببار   از جہان او جہانا شرم دار

یعنی اے آسمان انکی گفتگو پر موتی برسا اور اے جہان اُسکے جہان سے شرم کر مطلب یہ کہ اے آسمان شیخ کے کلام پر خوب گوہر باری کر اسلئے کہ وہ مضامین اسی قابل ہیں اور اے جہاں اُسکے جہاں باطن سے شرم کر کہ اسکا وہ جہاں باطن تجھسے بڑھا ہوا ہے۔

گر بباری گوہرت شش تا شود   جامدت گوینده و بینا شود

یعنی اگر تو گوہر برساوے تو وہ چھ گنے ہوجاویں اور تیرا جامد گوینده اور بینا ہوجاوے

پس نثارے کردہ باشی بہر خود   چونکہ ہر سرمایۂ تو صد شود

یعنی پس تو اپنے ہی لئے نثار کریگا۔ جبکہ تیرا سرمایہ سوگنا ہوجاویگا۔ مطلب یہ کہ ہم نے جو اوپر کہا ہے کہ اے فلک اُن کی باتوں پر گہر باری کر تو اس میں کچھ کمی نہ آوے گی بلکہ اُن کے فیض سے وہ گوہر اور بڑھ جاوینگے اسی طرح اگر تم اپنے کو فنا کردوگے اور شیخ کے بالکل تابع اور مطیع ہوجاؤگے۔ تو اسمیں شیخ کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بلکہ کچھ تمھارا ہی فائدہ ہوگا۔ کہ اُسکی برکت سے تمھاری ہر حالت قوی اور استعداد زیادہ ہوجاویگی۔ تو اس

فنا میں بھی تمھارا ہی فائدہ ہے۔ اسکا کوئی نفع نہیں ہے آگے اسکو اس ہدیہ بلقیس سے مثال دیتے ہیں اور یہاں سے انتقال ہے قصہ بلقیس کیطرف فرماتے ہیں کہ۔

ہمچو آں ہدیہ کہ بلقیس زسبا　　بر سلیماں می فرستاد اے کیا

یعنی اے زیرک جسطرح کہ بلقیس ہدیہ سبا سے سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجتی تھی۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ بلقیس نے سلیمان علیہ السلام کو جو ہدیہ بھیجا تھا تو اسمیں اسی کا فائدہ تھا اسی طرح اگر تم مجاہدات و ریاضات و اطاعت شیخ کروگے تو اس سے تمھارا ہی فائدہ ہے شیخ کا کوئی نفع نہیں ہے۔ آگے بلقیس کا سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں ہدیہ روانہ کرنے کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

بلقیس کا شہر سبا سے سلیمان علیہ السلام کی خدمتمیں ہدیہ بھیجنا

ہدیہ بلقیس چل اشتر بدست　　بار آنہا جملہ خشت زر بدست

یعنی بلقیس کا ہدیہ چالیس اونٹ تھے کہ ان سب پر سونے کی اینٹیں لدی ہوئی تھیں مطلب یہ کہ حضرت بلقیس نے سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں چالیس اونٹ سونے کی اینٹوں کے بھر کر روانہ کئے تھے۔

چوں بصحرائے سلیمانی رسید　　فرش آنرا جملہ زر پختہ دید

یعنی وہ (ہدیہ) سلیمانی جنگل میں پہونچا تو اسکا سارا فرش خالص سونے کا دیکھا۔

بر سر زر تا چہل منزل براند　　تا کہ زر را در نظر آبے نماند

یعنی سونے پر چالیس منزل تک چلے یہانتک کہ سونے کی نظر میں کوئی قدر نہ رہی مطلب یہ کہ جو سفیر وغیرہ کہ ہدیہ لیکر آئے تھے جب وہ سلیمان علیہ السلام کے جنگل میں پہونچے تو انھوں نے دیکھا کہ وہاں کا تمام فرش سونے کا ہے اور جنگل بھر میں سونے ہی کا فرش لگا ہوا ہے حتی کہ چالیس منزل تک وہ لوگ اس سونے ہی کے فرش پر چلتے رہے مورخین نے لکھا ہے کہ جب قاصد بلقیس کی خبر حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہوئی ہے اور معلوم ہوا کہ وہ خشت زر ہدیہ میں لارہے ہیں تو انھوں نے حکم دیا کہ تمام جنگل میں

سونے کا فرش لگا دیا جاوے تاکہ انکو اپنے ہدیہ کی قدر معلوم ہو جاوے۔ اور اُن کے قلب میں عظمت بیٹھ جاوے۔ لہذا ایسا ہی ہوا اور اب جو اُن لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو اونکی نگاہ میں سونا ایک بیقدر چیز ہوگئی۔ اور اب انکو وہ خشت زر ہدیہ میں لے جاتے ہوئے شرم آنے لگی۔ اور آپسمیں یوں گفتگو ہونے لگی۔

بارہا گفتند زر را وا بریم	سوئے مخزن ما چہ بیکار اندریم

یعنی بارہا یوں کہا کہ سونے کو ہم خزانہ میں واپس لیجاویں کہ ہم کیسے بیکار کام کیں ہیں

عرصۂ کش خاک زر دہ دہی است	زر بہدیہ بردن آنجا ابلہی است

یعنی جس میدان کی کہ خاک خالص سونا ہو سونا وہاں ہدیہ میں لیجانا بیوقوفی ہے۔ مطلب یہ کہ جب اُنھوں نے یہ حالت دیکھی تو آپسمیں کہنے لگے کہ میاں ان سونیکی اینٹونکو جو تم ہدیہ میں لے جا رہے ہو واپس لیجا کر اپنے خزانہ ہی میں رکھ لو اسلئے کہ جہاں کے جنگل کی خاک سونے کی ہو وہاں یہ اینٹیں ہدیہ میں لیجانا سراسر حماقت ہے۔ لہذا بیکار کام کرنے سے کیا فائدہ چلو واپس لیچلیں۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

اے بیردہ عقل ہدیہ تا آلہ	عقل آنجا کمترست از خاک راہ

یعنی اے وہ شخص کہ حق تعالیٰ کے آگے اپنی عقل کو ہدیہ میں لے گیا ہے عقل اُسجگہ خاک راہ سے بھی کم ہے۔ مطلب یہ کہ تم جو اپنی عقل کو اور ان اعمال وغیرہ کو حق تعالیٰ کے سامنے پیش کرنے کو لے چلے ہو تو یہ سمجھ لو کہ تمھاری یہ عقل وہاں خاک راہ سے بھی کم ہے۔ اور بالکل بیقدر ہے۔ تو جسطرح ان لوگونکو اپنے ہدیہ سے ندامت ہوئی تھی اسی طرح تمکو بھی وہاں اسے لیجا کر ندامت ہی اٹھانا پڑیگی یہ ایک جملہ معترضہ کے طور پر بیان فرما کر آگے پھر اُن قاصدوں کی گفتگو بیان فرماتے ہیں۔

چوں کساد ہدیہ آنجا شد پدید	شرمساری شان ہمی واپس کشید

یعنی جب ہدیہ کا کھوٹ اُسجگہ ظاہر ہو گیا تو انکو شرمساری واپس ہٹاتی تھی مطلب یہ کہ جب انکو معلوم ہو گیا کہ سونا تو یہاں بالکل بیقدر شے ہے اور اسکی تو یہاں کچھ پوچھ ہی نہیں ہے تو یہ حالت تھی کہ شرمندگی کی مارے انکا قدم آگے نہ اٹھتا تھا۔ اور وہ چاہتے تھے کہ واپس لیکر چلے جاویں۔ مگر

باز گفتند از کساد و از روا　　چیست بر ما بندہ فرمانیم ما

یعنی پھر کہتے کہ ہمیں کھوٹے کھرے سے کیا مطلب ہم تو حکم کے بندے ہیں۔

گر زر و گر خاک ما را بردنی است　　امر فرمانده بجا آوردنی است

یعنی خواہ سونا ہو خواہ مٹی ہو ہمیں تو لیجانا ہے اور حاکم کا حکم بجا لانا ہے۔

گر بفرمایند کہ واپس برید　　ہم بفرمان تحفہ را باز آورید

یعنی اگر فرمادیں گے کہ واپس لیجاؤ تو حکم ہی کی وجہ سے تحفہ کو واپس لے آئیو۔

امر و فرمان راہمی باید شنید　　تا بد انجا ہدیہ را باید کشید

یعنی امر و فرمان کو سننا چاہیئے۔ اور وہاں تک ہدیہ کو لیجانا چاہیئے۔ مطلب یہ کہ اول تو اس سونے کے فرش والے جنگل کو دیکھ کر انکو بیحد شرمندگی ہوئی۔ اور چاہا کہ سب ہدیہ وغیرہ لیکر واپس چلو بھلا یہاں یہ ہدیہ پیش کرنا کونسی عقل کی بات ہے۔ مگر یہ خیال ہوا کہ میاں ہم تو حکم کے بندے ہیں ہمیں کیا حاکم کا حکم ہے کہ اسکو وہاں تک پہونچا دو بس ان کے حکم کی وجہ سے ہم وہاں لئے جاتے ہیں پھر اگر وہاں بیقدر ہو گیا اور وہ قبول نہ فرمادیں گے اور حکم واپسی کا دینگے تو ان کے یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے واپس لے آویں گے غرض ہر حالت میں ہمیں تو حکم کی تعمیل ضروری ہے۔ یہاں تک تو بلقیس کے حکم کی تعمیل ہے کہ اس ہدیہ کو لیجا کر پیش کردیں پھر اگر وہ واپس کریں تو واپس لے آنا ان کے حکم کی تعمیل ہوگی بس یہ سوچ کر ہدیہ لیکر روانہ ہو گئے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

پس روان گشتند ہدیہ آوران　　تا بہ تخت آن سلیمان جہان

یعنی پس ہدیہ لانے والے تخت سلیمان جہان کی طرف روانہ ہوئے۔ مطلب یہ کہ یہ سوچکر کہ ہم تو بندۂ فرمان ہیں وہ ہدیہ لیکر روانہ ہو گئے۔

خندہ اش آمد چو سلیمان آن بدید　　کز شما من کے طلب کردم مزید

یعنی جب سلیمان علیہ السلام نے اس ہدیہ کو دیکھا تو آپ کو ہنسی آئی (اور فرمایا) کہ میں نے تم سے زیادتی کو کب طلب کیا تھا (اور فرمایا کہ)

من نمی گویم مرا ہدیہ دہید　　بلکہ گفتم لائق ہدیہ شوید

یعنی میں نے یہ تو نہ کہا تھا کہ مجھے ہدیہ دو۔ بلکہ میں نے تو یہ کہا تھا کہ تم ہدیہ (دینے) کے لائق ہو جاؤ۔

کہ مرا از غیب نادر ہدیہ ہاست   کہ بشر آنرا نیارد نیز خواست

یعنی کہ میرے پاس غیب سے عجیب عجیب ہدیے ہیں کہ بشر انکو مانگ بھی نہیں سکتا۔ مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب اس ہدیہ کو دیکھا تو آپ ہنسے اور فرمایا کہ میں نے تم سے یہ کب کہا تھا کہ تم مجھے مال و دولت اور ہدیے دو بلکہ میرا مقصود تو یہ تھا کہ تم مجھ سے فیضیاب ہو کر اس قابل ہو جاؤ کہ ہدیہ دے سکو اسلئے کہ تم ابھی تک تو نجاست شرک کے سبب سے اس قابل ہی نہیں ہو کہ ہدیہ بھی دے سکو لہذا اول تم اس قابل ہو جاؤ پھر دیکھا جاویگا مجھے ابھی ہدیہ کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ میرے پاس تو عالم غیب کے ایسے ایسے علوم و معارف موجود ہیں کہ اور کسی کے پاس ہونا تو درکنار ان کی کوئی درخواست بھی نہیں کر سکتا کیونکہ ان تک تو کسی کا وہم بھی نہیں پہونچتا لہذا ان ہدیوں کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ میں خود تمھیں کو فیضیاب کر دوں۔

می پرستید اخترے کو زر کند   رو باو آرید کو اختر کند

یعنی تم ایک ستارہ کو پوجتے ہو جو سونا بناتا ہے ارے ادھر توجہ کرو جو ستارہ کو بناتا ہے مطلب یہ کہ تم جو شمس پرستی کرتے ہو تو صرف اسکے ظاہر افعال کو دیکھ کر کہ تمکو اسمیں قدرت کا شبہ ہو گیا اسلئے اسکی پرستش کرنے لگے ہو۔ لیکن تمکو چاہیئے کہ اس ذات کی طرف متوجہ ہو جو خود اس ستارہ کو پیدا کرتا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کی طرف توجہ کرو اور ان ستاروں کی عبادت کو ترک کرو۔

می پرستید آفتاب چرخ را   خوار کردہ جان عالی نرخ را

یعنی تم آفتاب چرخ کو اپنی جان عالی نرخ کو ذلیل و خوار کر کے پوجتے ہو۔ مطلب یہ کہ تمھاری روح جو کہ بہت عالی مرتبہ اور گراں قیمت ہے اسکو اس آفتاب چرخ کی عبادت میں لگا کر تم نے ذلیل و خوار کر رکھا ہے۔ اور اسکی بھی قدر کھو رکھی ہے کیونکہ آفتاب کی تو صرف اتنی قدر اور اسقدر مرتبہ ہے کہ۔

آفتاب از امر حق طباخ ماست
ابلہی باشد کہ گوئیم او خداست

یعنی آفتاب امر حق کی وجہ سے ہمارا طباخ ہے تو (سراسر) بیوقوفی ہے کہ ہم اسکو خدا کہیں مطلب یہ کہ آفتاب تو مثل ایک ملازم کے ہے جو حکم حق کی وجہ سے ہمکو گرمی پہونچا رہا ہے ورنہ فی حد ذاتہ اسکو مستقلاً کوئی قدرت نہیں پھر جو چیز کہ ایک نوکر کی حیثیت رکھتی ہو اسکو خدا کہنا سراسر حماقت نہیں تو کیا ہے۔

آفتابت گر بگیرد چون کنی
آن سیاہی زو تو چون بیرون کنی

یعنی اگر حق تعالیٰ تیرے آفتاب کو لے لیں تو تو کیا کرے۔ اور اس سیاہی کو اس سے کس طرح الگ کرے۔

نے بدرگاہ خدا آری صداع
کین سیاہی را ببر وادہ شعاع

یعنی کیا درگاہ حق میں زاری کو نہ لاوے کہ اس سیاہی کو دور کر دے اور شعاع عنایت فرما مطلب یہ کہ دیکھو اگر حق تعالیٰ اس سورج کو منکسف فرما دیں اور اسکی روشنی کو سلب فرمالیں تو اسوقت تم ہی بتاؤ کہ کس طرح اسکے اندر روشنی پہونچاؤ بس اسوقت تو تم بھی اللہ تعالیٰ ہی سے کہو کہ اے اللہ اسکو روشن کر دے جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ جب کوئی مصیبت آتی ہے تو اسوقت ہر شخص کو خواہ وہ مشرک ہو یا موحد خدا ہی یاد آتا ہے تو پھر جب مصیبت میں یاد کرتے ہو تو ہر حالت میں اسی کو کیوں یاد نہیں رکھتے۔ آگے اور اسکا عجز بیان فرماتے ہیں کہ

گر کشندت نیم شب خورشید کو
تا بنالی یا امان خواہی ازو

یعنی اگر تجھے آدھی رات کو قتل کرنے لگیں تو بتا کہ خورشید کہاں ہے۔ تاکہ تو اسکے آگے رو لے یا اس سے امن چاہے۔

حادثات اکثر بہ شب واقع شود
وآن زمان معبود تو غائب بود

یعنی حادثے اکثر رات ہی کو واقع ہوتے ہیں اور اسوقت تیرا معبود غائب ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو اگر رات کو کوئی حادثہ پیش آجاوے۔ اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ حادثات رات ہی کو پیش آتے ہیں تو اسوقت آپکے معبود صاحب غائب ہوتے ہیں پھر بتاؤ کس سے مدد چاہو گے اور معبود کو مدد کیلئے کہاں سے بلاؤ گے تو پھر ایسے کو معبود ہی کیوں بنایا

جاوے جو غائب ہو۔ اسکو کیوں معبود نہ بنایا جاوے جو ہر وقت حاضر و ناظر ہو۔ اور ہر گھڑی مددگار ہو۔

سوئے حق گر راستانہ خم شوی ۔ وا رہی از اختران محرم شوی

یعنی حق تعالیٰ کی طرف اگر راستوں کی طرح تو خم ہو تو ستاروں سے چھوٹ جاوے اور محرم ہو جاوے

چوں شوی محرم گشایم با تو لب ۔ تا ببینی آفتاب نیم شب

یعنی جب تم محرم ہو جاؤ گے تو میں تم سے لب کھولونگا۔ یہاں تک کہ تم آدھی رات کے آفتاب کو دیکھ لو گے مطلب یہ کہ تم متوجہ بحق ہو تو تم ان سب چیزوں سے چھوٹ کر محرم اسرار حق ہو جاؤ اسوقت میں تم سے علوم و معارف و اسرار کو ظاہر کروں تو تم کو مشاہدہ جمال باری ہو جو کہ رات دن درخشاں ہے۔ مگر۔

جز روان پاک او را شرق نے ۔ در طلوعش روز و شب را فرق نے

یعنی سوائے جان پاک کے اسکا شرق نہیں ہے اور اسکے طلوع میں روز و شب کا فرق نہیں ہے مطلب یہ کہ اسکی تجلی ارواح مقدسہ اور جانہائے پاک انبیا و اولیا ہی پر ہوتی ہے۔ اور اسکے لئے یہ لازمی نہیں ہے کہ دن ہو تو اسکی تجلی ہو ورنہ نہو بلکہ وہ تو ہر وقت جلوہ افگن ہے مگر اسکی تجلی کو صرف انبیا و اولیا اللہ ہی مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اگر تم بھی ایسے ہو جاؤ تو تم پر بھی وہ تجلی ہو جاوے گی اسکی تو یہ شان ہے کہ۔

روز آں باشد کہ او شارق شود ۔ شب نماند شب چو او بارق شود

یعنی دن وہی ہے کہ وہ نکلا ہوا ہو اور رات رات نہ رہے جب وہ چمکے مطلب یہ کہ دن تو اصل میں وہی ہے جبکہ اسکی تجلی ہو ورنہ بے اسکی تجلی کے دن دن نہیں ہے اور اگر اسکی تجلی رات میں ہو تو رات مظلم نہ رہے بلکہ وہ بھی منور ہو جاوے۔

چوں نماید ذرہ پیش آفتاب ۔ ہمچناں باشد دراں انوار و تاب

یعنی جسطرح کہ آفتاب کے سامنے ذرہ (بیقدر) ہوتا ہے آفتاب اُن انوار اور چمک کے آگے ایسا ہی ہوتا ہے۔

آفتابے را کہ رخشاں می شود ۔ دیدہ بیشش کند و حیران می شود

یعنی جو آفتاب کہ چمکتا ہے اُسکی نگاہ اُسکے آگے کُند اور حیران ہوتی ہے۔

ہمچو ذرہ بینیش در نور عرش ۔ پیش نور بیحد موفور عرش

یعنی نور عرش ہیں اور عرش کے نور بے نہایت کے آگے اُسکو ذرہ کی طرح دیکھو گے۔

خوار و مسکیں بینی او را بیقرار ۔ دیدہ را قوت شدہ از کردگار

یعنی اُسکو خوار اور مسکین اور بیقرار دیکھو گے (جبکہ) آنکھ کو حق تعالیٰ کی طرف سے قوت ہوجاویگی مطلب یہ ہے کہ اُس نور کے آگے اس آفتاب ظاہر کی جسکی کہ اے اہل سیا تم عبادت کرتے ہو ایسی مثال ہے جیسی کہ اُسکے سامنے ایک ذرہ ہو کہ اُس ذرہ کی چمک اس آفتاب ظاہر کی چمک کے آگے بالکل بیقدر ہے اسی طرح جب تمکو حق تعالیٰ بصیرت عطا فرمادیں گے اسوقت تمکو اس آفتاب ظاہر کی حقیقت معلوم ہوجاویگی۔ آگے اُس قوت حق کی حالت بیان فرماتے ہیں کہ

کیمیائے کہ از و یک ماثری ۔ بر دخان افتاد گشت آں اختری

یعنی ایک ایسی کیمیا ہے کہ اُسکا ایک اثر دھوئیں پر پڑا تو وہ ایک ستارہ ہو گیا۔

نادر اکسیرے کہ از وے نیم تاب ۔ بر ظلامی زد بکردش آفتاب

یعنی ایک عجیب اکسیر ہے کہ اُسکی آدھی چمک ظلمت پر پڑی تو اُسکو آفتاب کر دیا۔

بو العجب میناگری کز یک عمل ۔ بست چندیں خاصیتہا بر زحل

یعنی عجیب کاریگری ہے کہ ایک عمل سے زحل پر اسقدر خاصیتیں باندھ دی ہیں۔

باقی اخترہا و گوہرہائے جاں ۔ ہم بریں مقیاس اے طالب بداں

یعنی اے طالب باقی ستاروں اور گوہرہائے جان کو اسی قیاس پر سمجھ لو یعنی جسطرح ہم نے بتایا ہے کہ اُسکی تجلی سے آفتاب میں نور آیا زحل میں کیا کیا خاصیتیں پیدا ہوگئیں تو اسی طرح تم اور چیزوں کو بھی دیکھ لو کہ کس کس پر کیا اثر ہوا ہے۔ تو جسکی یہ قدرت اور یہ شان ہے وہ اگر تمھاری روح پر تجلی کریگا تو اُسکو کسقدر کامل کردیگا ظاہر ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

دیدۂ حسّی زبون آفتاب ۔ دیدۂ ربانی جوئی و بیاب

یعنی دیدۂ حسّی تو آفتاب سے عاجز ہے تو تو دیدۂ ربانی کو تلاش کر اور پالے مطلب یہ کہ

تیری یہ ظاہری آنکھ اس آفتاب ظاہر کے آگے عاجز اور بیکار ہو جاتی ہے مگر جبکہ تم چشم حق بین حاصل کر لوگے تو اسوقت تمھاری نگاہ اس سے عاجز نہ ہوگی۔ اور پھر تمکو ان انوار و تجلیات کا مشاہدہ ہوگا جنکے آگے یہ آفتاب بالکل ہیچ ہے اور اسکا نور کچھ بھی نہیں ہے اور جب تم دیدۂ ربانی حاصل کر لوگے تو یہ ہوگا کہ۔

تا زبوں گردد بہ پیش آں نظر　　شعشعات آفتاب با شرر

یعنی تاکہ اس نظر کے آگے آفتاب با شرر کی شعاعیں ہیچ ہو جاویں۔

کاں نظر نورے و ایں نارے بود　　نار پیش نور بس تارے بود

یعنی کیونکہ وہ نظر ایک نور ہے اور یہ ایک نار ہے تو نار نور کے آگے تو بالکل تاریک ہوتی ہے مطلب یہ کہ جب تم دیدۂ ربانی حاصل کر لوگے تو پھر اس آفتاب ظاہر کی شعاعیں بالکل ہیچ ہو جاویں گی اور اس آنکھ کے نور کے آگے انکا نور کچھ بھی نہ رہے گا کیونکہ اس آنکھ میں تو نور حق ہوگا۔ اور یہ آفتاب ایک آگ ہے تو ظاہر ہے کہ آگ نور کے آگے تو بالکل ظلم ہی ہوگی لہذا تمکو چاہیئے کہ نور بصیرت حاصل کرو۔ آگے ایک حکایت بیان فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ تھے انکی یہ کرامت تھی کہ اندھیری راتوں میں بھی دن کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ تو یہ کرامت ان میں اس نور ہی کی بدولت پیدا ہوئی تھی کہ جسوقت یہ آفتاب جو کہ ناری ہے غروب ہو جاتا تھا اسوقت بھی انکا نور درخشاں و تاباں رہتا تھا جس سے صاف معلوم ہو گیا کہ اس نور سے وہ نور بدرجہا افضل ہے۔

شرح حبیبی

شیخ عبد اللہ مغربی قدس سرہ کی کرامت اور نور کا قصہ

گفت عبد اللہ شیخ مغربی	شصت سال از شب ندیدم من شبی
من ندیدم ظلمتے در شصت سال	نے بروز و نے بشب نے زاعتدال

صوفیان گفتند صدق قال او — شب همی ز ترسیم در دنبال او

در بیابانهائے پر از خار گو — اور چو ماه بدر مارا پیش رو

روئے پس نا کرده می گفتے بشب — هیں گو آمد میل کن در سوئے چپ

باز گفتے بعد یکدم سوئے راست — میل کن زیرا که خارے پیش پاست

روز گشتے پائے بوسش گشته ما — زانکه بودش پاک از گل هر دو پا

روز گشتے پاش را ما پائے بوس — گشته پاهایش چو پاهائے عروس

نے ز خاک و نے ز گل بروے اثر — نه ز خراش خار و آسیب حجر

مغربی را مشرقی کرده خدائے — کرده مغرب را چو مشرق نور زائے

نور این شمس شموس فارس است — روز خاص و عام را او حارس است

چوں نباشد حارس آں نور مجید — که هزاراں آفتاب آرد پدید

تو بنور او همی رو در اماں — درمیاں اژدها و کژدماں

پیش پیشت می رود آں نور پاک — می کند هر رهزنے را چاک چاک

یوم لا یخزی النبی را راست داں — نور یسعٰی بین ایدیهم بخواں

گرچه گردد در قیامت آں فزوں — از خدا اینجا بخواهید آزموں

کو ببخشد هم بمیغ و هم بماغ — نور جاں واللہ اعلم بالبلاغ

ایک مرتبہ شیخ عبداللہ مغربی قدس سرہٗ نے بیان فرمایا کہ میں نے ساٹھ برس سے رات کے اندر رات کی صفت نہیں دیکھی۔ اور بوجہ رات دن کے یکساں ہونیکے اس ساٹھ برس کے

عرصہ میں نہ کبھی دنکو تاریکی دیکھی نہ رات کو دیگر صوفیوں نے اُن کے اس بیان کی تصدیق
کی اور کہا کہ یہ بالکل صحیح ہے کہ ہم رات کو انکے پیچھے پیچھے گڑھوں اور کانٹوں والے میدانوں
میں کو جایا کرتے تھے اور وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہمارے آگے آگے ہوتے تھے اور
رات کے وقت بدون منہ موڑے کہدیتے تھے کہ دیکھو تمہارے سامنے گڑھا آگیا ہے ذرا بائیں
جانب کو ہو جاؤ۔ پھر کہتے کہ دیکھو تمہارے پاؤں کے سامنے کانٹا ہے۔ ذرا دائیں کو ہو جاؤ
دن ہوتا تو ہم قدمبوسی حاصل کرتے کیونکہ انکے دونوں پاؤں مٹی سے پاک تھے یعنی عالم
سفلی سے وہ بے تعلق ہو چکے تھے اور ان کی پابوسی کیساتھ دن ہوتا یعنی دن ہو جو دکمہ
آپکے قدم جو سنا ہو (اسمیں اشارہ ہے ان کے کمال عظمت اور انکے پاؤں کی کامل صفائی
کی طرف) تو اُن کے پاؤں دولہنوں کے پاؤں کی طرح صاف ہوتے تھے۔ نہ تو اُنپر مٹی کا
اثر ہوتا تھا نہ گارے کا۔ نہ اسمیں کانٹے کی خراش ہوتی تھی اور نہ پتھر کا صدمہ۔ حق سبحانہ
کی قدرت دیکھو کہ اُسنے مغربی کو مشرقی کر دیا تھا یعنی ایک مغرب کے رہنے والے کو مطلع
انوار بنا دیا تھا۔ اور ملک مغرب کو مشرق کی طرح نور زا بنا دیا تھا۔ (یہ استغراب بنا بر ظاہر
عنوان ہی ورنہ حقیقت میں استغراب کی کوئی وجہ نہیں) اسی شہسوار میدان عرفان اور
شمس شموس کا نور ہے۔ کہ خاص و عام کے دن کا محافظ ہے۔ (یا تو اسکے یہ معنی ہیں کہ روز
متعارف کے نور کا محافظ ہے یا یہ کہ انہیں جو لوگ محفوظ ہوتے ہیں وہ اسی نور کی حفاظت کا
اثر ہے) اور وہ نور بزرگ کیونکر نہ محافظ ہو وہ تو خدا کا وہ نور ہے جو کہ ہزاروں آفتاب پیدا
کرتا ہے پھر اسکا روز خاص و عام کا محافظ ہونا کونسی بڑی بات ہے۔ پس جبکہ یہ نور محافظ ہے تو تم
شیخ مذکور کے اس نور کو مقتدا بناؤ اور اسمیں اژدہے اور بچھوؤں کے درمیان مامون چلے
جاؤ (ف نور شیخ مذکور سے مراد نور ہر کامل ہے۔ کیونکہ وہ نور بالذات حق سبحانہ کا نور ہے
جو ہر ایک کامل کو نصیب ہوتا ہے اسلئے جو نور شیخ عبداللہ کے پاس ہے وہی نور اور اہل اللہ
کے پاس بھی ہے۔ پس کسی کامل کی روشنی میں چلنا شیخ مذکور ہی کی روشنی میں چلنا ہے)
یہ نور تمہارے آگے آگے چلے گا۔ اور ہر رہزن کو پارہ پارہ کر دیگا۔ تم یوم لا یخزی اللہ النبی
والذین آمنوا معہ نورھم یسعیٰ بین ایدیھم کو صحیح سمجھو اور پڑھو تاکہ تمہیں ہمارے

بیان کی تصدیق ہو گو یہ نور قیامت میں تو بہت ہی زیادہ ہو گا مگر تم دنیا میں بھی اس سے اسکا نمونہ مانگو۔ اسلئے کہ وہ بہت دینے والا ہے کہ ابر اور کھرے تک کو نور جاں عطا فرماتا ہے پس اگر تم اس سے باقاعدہ طلب کروگے تو تم کو دینے میں دریغ نہ کریگا۔ واللہ اعلم بحقیقة ما بلغنا۔

شرح شبّیری

شیخ عبد اللہ مغربی قدس سرہٗ کی کرامت اور نور کا قصّہ

گفت عبد اللہ شیخ مغربی   شصت سال از شب ندیدم من شبی

یعنی حضرت عبد اللہ مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا ہی کہ ساٹھ برس میں نے رات سے رات ہونا نہیں دیکھا۔ مطلب یہ کہ رات میں جو ایک صفت ہے رات ہونا جسکا مقتضا ہے تاریکی میں نے ساٹھ سال سے اسکو نہیں دیکھا یعنی ساٹھ سال سے رات کو اندھیرا معلوم ہی نہیں ہوا۔ بلکہ رات کو بھی روشنی اور نورانیت ہی معلوم ہوتی ہے۔

من ندیدم ظلمتے در شصت سال   نے بروز و نے بشب از اعتدال

یعنی میں نے ساٹھ برس میں کوئی ظلمت دیکھی ہی نہیں نہ دنکو نہ رات کو اعتدال کیوجہ سے۔ یعنی چونکہ میرے اندر اعتدال پیدا ہو گیا ہے اسوجہ سے مجھے ظلمت نظر ہی نہیں آتی۔ نہ دنکو نہ رات کو بلکہ مجھے ہمیشہ نور ہی نور معلوم ہوتا ہے۔

صوفیان گفتند صدق قال او   شب ہمی رفتیم در دنبال او

یعنی صوفیوں نے ان کے قول کی تصدیق فرمائی۔ کہ رات کو ہم اون کے پیچھے چلے یعنی دیگر صوفیہ نے بھی جو اُن کے زمانہ میں تھے ان کے اس قول کی تصدیق کی اور اسکی تصدیق میں ایکمرتبہ کا قصہ بیان کیا کہ ایک دفعہ رات کو ہم اُن کے پیچھے پیچھے چلے۔

در بیابانہائے پُر از خار و گو   او چو ماہ بدر ما را پیشرو

یعنی کانٹوں اور گڑھوں سے بھرے ہوئے بیابانوں میں وہ چودہویں رات کے چاند کیطرح

ہمارے رہنما تھے۔

روئے پس ناکردہ میگفت او بہ شب ہیں گو آمد میل کن در چپ

یعنی یہ منہ پھیرے ہوئے وہ رات کو کہہ دیتے تھے کہ ارے گڑھا آگیا بائیں کو بچو۔ مطلب یہ کہ سیدھے چلے جارہے تھے اور جہاں کوئی گڑھا وغیرہ آتا تو بے تکلف بتا دیتے کہ ادھر کو بچو۔ انکو دیکھنے میں اہتمام کی ضرورت ہوتی تھی۔

باز گفتے بعد یکدم سوئے راست میل کن زیرا کہ خارے پیش پاست

یعنی پھر ایکدم کے بعد فرماتے کہ داہنے کو بچو اسلئے کہ ایک کانٹا پاؤں کے سامنے ہے

روز گشتے پائے بوسش گشتہ ما زانکہ بودش پاک از گل ہر دو پا

یعنی دن ہوا تو ہم اُن کے پائے بوس ہوتے اسلئے کہ اُن کے دونوں پاؤں مٹی (وغیرہ) سے صاف ہوتے تھے۔

روز گشتے پاش را مالے بوس گشتہ پاہاش چوں پاہائے عروس

یعنی دن ہوا تو انکی قدمبوسی کرتے ۔ اور انکے پاؤں دولہن کی پاؤں کی طرح ہوتے تھے (کیونکہ)

نے ز خاک و نے ز گل بر وے اثر نے ز خراش خار و آسیب حجر

یعنی نہ خاک کا اور مٹی گارے کا انپر کوئی اثر ہوتا ۔ اور نہ کوئی کانٹے کا خراش ہوتا اور نہ پتھر کی رگڑ ہوتی۔

مغربی را مشرقی کردہ خدا کردہ مغرب را چو مشرق نور زا

یعنی مغربی کو حق تعالیٰ نے مشرقی کر دیا تھا اور مغرب کو مشرق کی طرح نور کا بڑھانیوالا کر دیا تھا۔ مطلب یہ کہ حضرت مغربی رضؓ کو بوجہ نور عطا فرما دینے کے ایسا کر دیا تھا گویا کہ آپ مشرقی ہیں کیونکہ مشرق ہی سے تو نور پیدا ہوتا ہے اور مغرب میں تو اور غروب ہو جاتا ہے لیکن یہ باوجود مغربی ہونیکے نورانی تھے اور انکا جو شہر تھا مغرب بوجہ ان کے نور کے وہ گویا کہ مشرق ہو رہا تھا۔

نور این شمس شموس فارس است روز خاص و عام را او حارس است

یعنی اس شمس الشموس کا نور جو کہ فارس ہے خاص و عام کے دن کیلئے نگہبان ہے۔ مطلب کہ

یہی نورحق جوکہ بزرگوں میں ہوتاہے اس نورظاہر کا بھی نگہبان ہے۔ ورنہ اگروہ نور نہو تو یہ نور ظاہر بھی نہیں رہ سکتا۔

چوں نباشد حارس آں نور مجید   کہ ہزاران آفتاب آرد پدید

یعنی اگروہ نور بزرگ نگہبان نہو تو ہزاروں آفتابوں کو کون ظاہر کرے۔ مطلب یہ کہ اگروہ نورحق نہو توان حضرت آفتاب ہی میں کہاں سے نور پیدا ہوسکتا ہی آگے فرماتے ہیں کہ

تو بنور او ہمی رو در اماں   درمیان اژدہا و کژدماں

یعنی تم اُن کے نور سے امن میں ہوکر اژدہوں اور بچھوؤں میں چلو (اژدہاؤں اور بچھوؤں سے مراد شیاطین ہیں) مطلب یہ کہ نورحق کو حاصل کرکے تم شیاطین کی شر سے بیفکر ہوکر راستہ قطع کرو۔ اور بیفکر رہو۔ اُس نور کے حصول کے بعد تم کو پھر شیطان نہ ستاویگا۔ جیساکہ خود ارشاد حق ہے انہ لیس لہٗ سُلطان علی الذین اٰمنوا وعلی ربھم یتوکلون کہ اُسکا قابو مومنین کاملین پر نہیں چلتا۔ بلکہ یہ حالت ہوجاویگی۔

پیش پیشت میرود آں نور پاک   میکند ہر رہزنے را چاک چاک

یعنی وہ نور پاک تمھارے آگے آگے چلتا ہے۔ اور ہر رہزن کا قلع قمع کردیتا ہے۔ آگے اس قول پر قرآن شریف سے استشہاد لاتے ہیں اور پھر اُس پر جو ایک اعتراض پڑتا تھا اُسکو دفع فرماویں گے۔ فرماتے ہیں کہ۔

یوم لایخزی النبی را راست داں   نور یسعیٰ بین ایدیھم بخواں

یعنی (آیت) یوم لایخزی اللہ النبی الخ کو سچ جانو اور نورھم یسعٰے بین ایدیھم کو پڑھو۔ مطلب یہ کہ دیکھو قرآن شریف میں ہی یوم لایخزی اللہ النبی والذین اٰمنوا معہٗ نورھم یسعٰے بین ایدیھم وبایمانھم جس سے صاف معلوم ہوتاہے کہ قیامت میں مومنین اور انبیا کا نور اُن کے آگے آگے چلیگا۔ جیساکہ ہم نے ابھی کہاہے اسپر یہ شبہ ہوتاہے کہ اچھا اگر یہ مان بھی لیا جاوے تو پھر یہ بات تو قیامت میں حاصل ہوگی دنیا میں تو یہ بات نہوئی۔ آگے اسکا جواب دیتے ہیں کہ۔

گرچہ گردد در قیامت آں فزوں   از خدا اینجا بخواہید آزموں

یعنی اگرچہ قیامت میں وہ زیادہ ہو جاویگا (لیکن) حق تعالیٰ سے تم اسجگہ نمونہ طلب کرو مطلب یہ کہ قیامت میں جو نور ہوگا وہ یہیں کا نور ہوگا صرف اتنا ہوگا کہ وہاں یہ نور زیادہ ہو جاویگا اور بڑھ جاویگا لیکن نمونہ کے طور پر وہ نور ہوگا دنیا ہی میں۔ تو جیسا بعد زیادتی کے وہ آگے آگے چلیگا یہاں تھوڑے ہونیکی حالت میں ہی اگر چلے تو کیا عجیب ہے

کو بہ بخشد ہم بہ میغ و ہم بماغ نور جان واللہ اعلم بالبلاغ

یعنی کہ حق تعالیٰ ابر کو اور دہویں کو نور جان بخشتے ہیں واللہ اعلم بالبلاغ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ سے تم نور جان کی درخواست کرو کہ وہ تم کو عطا فرماویں کیونکہ وہ تو ابر کو اور دہویں تک کو اسکے مناسب جو نور ہے عطا فرماتے ہیں تو پھر تم کو تو کیوں عطا نہ ہوگا۔ آگے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام اور قاصدان بلقیس رضی اللہ عنہا کا قصہ بیان فرماتے ہیں

شرح حبیبی

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کے قاصدوں کو مع اس ہدیہ کے واپس فرما دینا اور ان کو دعوت ایمان دینا اور شمس پرستی کے ترک کی ہدایت کرنا

باز گردید اے رسولان خجل	زر شمار اول بما آرید دل
ایں زر من بر سر آں زر نہید	کور سے تن قرج استر راد ہید
قرج استر لائق حلقہ زر است	روے عاشق روے زر و صفر است
کہ نظر گاہ خداوند ست آن	کہ نظر انداز خورشید ست کان
کو نظر گاہ شعاع آفتاب	کو نظر گاہ خداوند لباب

از گرفت من ز جاں اسپر کنید	گرچہ اکنوں ہم گرفتار منید
مرغ فتنہ دانہ بر بام است او	پر گشادہ بستۂ دام است او
چوں بدانہ داد او دل را بجاں	ناگرفتہ مر ورا بگرفتہ داں
آں نظر کہ سوئے دانہ می کند	آں گرہ داں کو بپا بر می زند
دانہ گوید گر تو مے دزدی نظر	من ہمی دزدم ز تو صبر و مقر
چوں کشانیداں نظر ایں سو ترا	پس مداں از خویشتن غافل مرا
چوں کشیدت آں نظر اندر پیم	پس بدانی کز تو من غافل نیم

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے شرمائے ہوئے قاصدو تم واپس ہو جاؤ۔ سونا تمہیں کو نصیب ہو ہمیں اسکی ضرورت نہیں ہمارے پاس تو دل لاؤ اور ہمارا زر کمال اس زر قلب پر رکھو۔ اور اس سیب کوری تن کو خچری کی فرج کو دو۔ کیونکہ خچری کی فرج ہی حلقہ زر کے قابل ہے۔ عاشق کی دولت اور اسکا سونا تو روئے زرد ہے (ف فرج استر لائق حلقہ زر ست کی تفصیل یہ ہے کہ خچری کو اگر حمل رہجاتا ہے تو بچہ ہونے کے وقت وہ اکثر ہلاک ہو جاتی ہے۔ اسلئے جفتی سے رکنے کیلئے اسکے مقام مخصوص میں سونیکا حلقہ ڈالدیتے ہیں پس مولانا نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے) زر روئے زرد اور زر کانی میں یہ فرق شرف وخست اسلئے ہے کہ زر روئے زرد محل نظر رحمت خداوندی ہے۔ اور زر کانی محل نظر خورشید متعارف۔ پھر بھلا کجا محل نظر شعاع آفتاب اور کجا محل نظر حق سبحانہ دونوں میں تفاوت عظیم ہے اچھا اب تم جاؤ اور کہدو کہ میری گرفت کیلئے جان کو سپر بناؤ۔ اگرچہ تم ابھی میرے پنجہ میں ہو مگر تمھیں ابھی تک اسکا احساس نہیں۔ اسلئے اب میں وہ پکڑ پکڑونگا جسکو تم بھی سمجھ لو یہ جو میں نے کہا ہے کہ تم اب بھی میرے گرفتار ہو یہ ایسا ہے جیسا کہ ایک پرند کوٹھے پر ہو مگر دانہائے دام کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہو۔ یہ جانور گو کوٹھے پر ہے مگر پروں کے کھلے ہونیکی حالتمیں بھی وہ جال میں پھنسا ہوا ہے کیونکہ جب اُس نے دانہائے دام میں دل

پھنسا لیا تو اسکو عدم اسیری کی حالتمیں ہی پھنسا ہوا سمجھنا چاہیئے۔ اور جب وہ دانہ پر نظر ڈالتا ہے تو اسکو سمجھنا چاہیئے کہ وہ اپنے پاؤں میں ایک گرہ دیتا ہے۔ اور دانہ اس سے کہتا ہے کہ اگر تو مجھے دزدیدہ نظر سے دیکھتا ہے تو کیا مضائقہ ہے میں بھی تیرا صبر و قرار چرا رہا ہوں۔ اور جبکہ تیری نظر نے تجھے اسطرف کھینچا ہے تو مجھے بھی تو اپنے سے غافل نہ سمجھ اور جبکہ اس نظر نے تجھے میری طرف کھینچا ہے تو تجھے سمجھنا چاہیئے کہ میں تجھ سے غافل نہیں ہوں خلاصہ یہ کہ تم ان مبادی میں گرفتار ہو جنکی بنا پر شرط عدم ترک میری گرفت ضرور تم پر واقع ہوگی اسلیئے یہ کہدینا کچھ بعید نہیں کہ تم ہنوز میرے گرفتار ہو۔ اب ہم مضمون بالا کے مناسب ایک حکایت سناتے ہیں سنو۔

شرح شبیری

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کے قاصدوں کو مع اس ہدیہ کے واپس فرمادینا اور اُن کو دعوت ایمان دینا اور شمس پرستی کے ترک کی ہدایت کرنا

باز گردید اے رسولاں خجل　　زر شمارا دل بما آرید دل

یعنی (حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ) اے قاصدان شرمندہ سونا تمہارے ہی لئے ہے ہمارے پاس تو دل لاؤ دل۔ مطلب یہ کہ آپنے فرمایا کہ اے قاصدو جو کہ سونا لاکر بھی شرمندہ ہوئے ہو اس سونے کو تم واپس لیجاؤ اور میرے پاس تو تم دل لاؤ صاف ستھرا خالص سونے کی طرح۔ اسکی میرے یہاں قدر ہے اور اس سونیکی تو یہاں کچھ بھی قدر نہیں ہے جیسا کہ تم نے خود مشاہدہ کرلیا۔

ایں زر من بر سر آں زر نہید　　کوری تن فرج استر را دہید

یعنی میرا یہ سونا اس سونے پر رکھو اور یہ کوری تن فرج استر کو دو۔ (یہاں زر من سے مراد

معرفت الٰہی ہے اور آں زر سے مراد اونکا دل ہی) مطلب یہ کہ میرے پاس جو معرفت حق ہے اور محبت الٰہی ہو۔ اسکو لیجا کر اپنے قلوب میں رکھو۔ تو اس سے تمہارا دل بھی خالص اور پاک ہو جاویگا۔ اور یہ سونا جو کہ بدن کی ظلمت کا سبب ہے تم خچر کی فرج میں لگادو یہ ایک قصہ طلب بات ہے وہ یہ کہ یہ تو معلوم ہے کہ خچر گدھے اور گھوڑی کی جفتی سے ہوتا ہے۔ لیکن خچر و نمیں انمیں توالد تناسل باوجود نر و مادہ دونوں ہونے کے نہیں ہوتا اسکی وجہ یہ لکھی ہے کہ اگر خچری کو حمل رہے تو وہ ہلاک ہوجاتی ہو اسلئے جفتی نہیں کراتے لیکن چونکہ خچر کو شہوت ہوتی ہے اور وہ ممکن ہو کہ کوئی ناشایستہ حرکت کر بیٹھے اسلئے فرج خچری میں ایک حلقہ لوہے کا ڈالدیتے ہیں کہ پھر حضرت خچر کچھ کارروائی کر ہی نہ سکیں۔ لیکن جو رئیس ہوتے ہیں وہ بجائے لوہے کے حلقہ کے سونے کا حلقہ ڈالتے ہیں اسلئے کہ وہ رئیس صاحب کی خچری ہے تو اسکے وہاں بھی حلقہ زر ہی ہونا چاہئے اسلئے حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ سونیکو لیجا کر خچری کی فلاں جگہ دیدو۔ باقی میرے پاس تو دل کو خالص اور درست کرکے لاؤ خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے آگے فرماتے ہیں کہ۔

فرج استر لائق حلقہ زر است　　　زر عاشق روئے زرد و اصفر است

یعنی (اس) سونیکی لائق تو خچر کا فرج ہے اور عاشق کا سونا تو زرد رو ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ عاشق حق کے نزدیک تو سونا یہ ہو کہ وہ عشق حق میں سوکھ کر زرد ہوگیا ہو۔ اور وہ زرد چہرہ ہی اسکے لئے سونا ہے۔ باقی ظاہری سونا تو بس اسی میں دینے کے قابل ہے۔ اوپر اس ظاہری سونے کا بیکار ہونا اور دل کا کارآمد ہونا بیان فرمایا ہے تو آگے ان دونوں باتونکی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

کہ نظرگاہ خداوند است آں　　　کہ نظر انداز خورشید است کاں

یعنی (دل تو اسلئے کارآمد ہے) کہ وہ حق تعالیٰ کی نظرگاہ ہے (اور یہ زر ظاہر اسلئے بیکار ہے) کہ معدن تو خورشید کی نظرگاہ ہے (لہذا)

کو نظرگاہ شعاع آفتاب　　　کو نظرگاہ خداوند لباب

یعنی کہاں تو شعاع آفتاب کا نظرگاہ اور کہاں خداوند لباب کی نظرگاہ۔ مطلب یہ کہ دل میں

تجلی حق ہوتی ہے اور اس سونے ظاہر پر تجلی آفتاب ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ معادن میں شعاع آفتاب ہی سے سونا وغیرہ بنتا ہے تو بھلا کہاں تو شعاع آفتاب کا فیض اور کہاں حق جل وعلا شانہ کا فیض ظاہر ہے کہ ان دونوں میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ تو جو شے اسکی نظرگاہ ہوگی وہ یقیناً کارآمد ہوگی۔ اور جو اس آفتاب ظاہر کی نظرگاہ ہوگی وہ اسکے آگے بالکل بیکار محض ہوگی خوب سمجھ لو۔ آگے حضرت سلیمان علیہ السلام اُن قاصدوں سے فرماتے ہیں کہ۔

از گرفت من ز جاں اسپر کنید　　　گرچہ اکنوں ہم گرفتار منید

یعنی میری پکڑ سے جان کو سپر کر لو۔ اگرچہ اب بھی تم میرے گرفتار ہو۔ مطلب یہ کہ تم اس کفر و شرک سے باز آجاؤ اور اپنی جان کو بچا لو ورنہ پھر میں تمکو گرفتار کر لونگا۔ اور اگرچہ اسوقت بھی میرے نزدیک تو حقیقت میں تم گرفتار ہی ہو۔ اسلئے کہ تم حرص و ہوا میں گرفتار ہو۔ تو اگرچہ بظاہر چھوٹے پھر رہے ہو لیکن در اصل تم قید ہی ہو۔ آگے اس قید ہونیکی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

مرغ فتنہ دانہ بر بام است او　　　پر کشادہ بستہ دام است او

یعنی جو مرغ مفتوں دانہ کا ہے (اگرچہ) وہ پر کھولے ہوئے کھٹے پر ہے۔ (لیکن) وہ بستہ دام ہے مطلب یہ کہ جو جانور کہ کوٹھے پر بیٹھا ہوا ہے اور اسکو دانہ کی لالچ آرہی ہے کہ میں اسکو کھالوں تو اگرچہ وہ اسوقت پر کھولے ہوئے بیٹھا ہوا ہے لیکن جو حضرات کہ صاحب بصیرت ہیں اُن کے نزدیک اسوقت بھی وہ قید ہی ہے۔ اسلئے کہ آخر کار اُسکی یہ حرص اسکو قید کرا کے چھوڑے گی۔

چوں بدانہ داد او دل را بجاں　　　ناگرفتہ مر ورا بگرفتہ داں

یعنی جب اُس نے شوق سے دل دانہ کو دیدیا تو بے پکڑے ہوئے اُسکو پکڑا ہوا جانو۔

آں نظر کہ سوئے دانہ می کند　　　آں گرہ داں کو بپا بر می زند

یعنی وہ جو نظر کہ دانہ پر کرتا ہے اسکو گرہ جانو جو کہ وہ پاؤں میں لگا رہا ہے مطلب یہ کہ وہ جو حرص وہوا کی وجہ سے دانہ کی طرف دیکھ رہا ہے تو وہ گویا کہ ہر نظر کرنے میں پاؤں پر جال کی ایک گرہ لگا لیتا ہے اسلئے کہ یہی نظر انجام میں اُسکے لئے گرہ لگنے کا سبب ہو جاویگی۔

دانہ گوید گر تو می دزدی نظر ... من ہمی دزدم ز تو صبر و مقر

یعنی دانہ کہتا ہے کہ اگر تو دزدیدہ نگاہی کرتا ہے تو میں بھی تجھسے صبر اور قرار کو چرا رہا ہوں یعنی دانہ بزبان حال کہہ رہا ہی کہ تو جو مجھے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا ہے اور دزدیدہ نگاہی کر رہا ہے تو میں بھی ایک شے تیرے اندر سے چوری کر رہا ہوں یعنی تیرے صبر و قرار کو میں چپکے چپکے چرا رہا ہوں کہ وہ تیرے اندر سے کم ہو رہا ہے۔

چوں کشانید آں نظر ایں سو ترا ... پس مداں از خویشتن غافل مرا

یعنی جب اس نظر نے تجھے اسطرف کھینچا ہی تو تجھے بھی اپنے سے غافل مت جا تو مطلب یہ کہ جب اس نظر نے تجھے مجھ تک پہونچا دیا ہے تو میں بھی تجھ سے غافل نہیں ہوں بلکہ اور تجھے کھینچ رہا ہوں۔ کہ تجھے اپنے اندر پکڑوں۔

چوں کشید آں نظر اندر پیم ... پس بدانی کز تو من غافل نیم

یعنی جب وہ نظر تجھے میرے پیچھے کھینچ لیگی تو تو جان لیگا کہ میں تجھسے غافل نہیں ہوں مطلب یہ کہ اسوقت تو تو آزاد معلوم ہو رہا ہے لیکن جب یہ نظر تجھے مجھ تک کھینچ لادیگی اور تو پھنس جاویگا تب تجھے خبر ہوگی کہ میں بھی تیری تاک میں تھا۔ اور تجھسے غافل نہیں تھا۔ اور تو اس نظر سے کچھ اپنا ہی نقصان کر رہا تھا میرا کوئی حرج اس سے نہیں تھا آگے اسپر ایک حکایت لاتے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہی کہ ایک شخص کو مٹی کھانیکی عادت تھی وہ دوکاندار کے پاس شکر خریدنے گیا اس دوکاندار کے باٹ ملتانی مٹی کے تھے اس گلخوار نے ان باٹوں میں سے توڑ توڑ کر کھانا شروع کر دیا۔ اور یہ چاہا کہ یہ دوکاندار نہ دیکھے تاکہ میں خوب کھالوں اور دل میں سمجھا کہ میں اسکی اتنی مٹی کھا گیا تو اسکا نقصان ہوا۔ اور دوکاندار نے جب دیکھا تو وہ اور بھی مشغول ہو گیا اور شکر لانے میں اس نے اور بھی دیر کی اس نے سوچا کہ یہ تو میرا حرج سمجھ رہا ہے حالانکہ اسمیں خود اسی کا حرج ہے کہ جتنا باٹ یہ کھا جاویگا اسی قدر شکر اسکو کم ملیگی تو اسی طرح وہ جانور تو سمجھتا ہے کہ میں اس دانہ کو کھا جاونگا اور اسکو نیست و نابود کر دونگا لیکن وہ دانہ بزبان حال کہہ رہا ہے کہ تو میرا کیا حرج کریگا میں ہی تجھے قید بلا میں پھنسا دونگا خوب سمجھ لو آگے حکایت سنو۔

شرح حبیبی

ایک عطار کا کہ اسکے ترازو کے باٹ بھر دھونے کی مٹی (ملتانی) کے تھے اور ایک خریدار کا جسکو مٹی کھانیکی عادت تھی اُس مٹی میں سے تولنے کے وقت چوری کرنے کا قصہ

پیش عطارے یکے گلخوار رفت | تا خرد ابلوج و قند خاص و زفت

پس بر عطار طرار دو دل | موضع سنگ ترازو بود گل

گفت عطار اے جوان ابلوج من | ہست نیکو لیے تکلف بے سخن

لیک گل سنگ ترازوی من است | گر ترا میل شکر بخرید نست

گفت ہستم در مہمے قند جو | سنگ میزان ہر چہ خواہی باش گو

گفت با خود پیش آنکہ گل خور است | سنگ چہ بود گل ز شکر بہتر است

ہمچو آں دلال کو گفت اے پسر | نو عروسے یافتم بس خوب فر

سخت زیبا لیک ہم یک چیز ہست | کان ستیزہ دختر حلوا گر ست

گفت بہتر اینچنیں خود گر بود | دختر او چرب و شیریں تر بود

گر نداری سنگ و سنگت از گل است | ایں بہ و بہ گل مرا میوہ دل است

اندراں کفہ ترازو ز اعتداد | او بجائے سنگ آں گل را نہاد

بس برائے کفہ دیگر بدست | ہم بقدر آں شکر را می شکست

چوں نبودش تیشهٔ او دیر ماند ‏ مشتری را منتظر آنجا نشاند

رویش آنسو بود گل خور ناشگفت ‏ گل ازو پوشیده دزدیدن گرفت

ترس ترساں که نیاید ناگهاں ‏ چشم او بر من فتد از امتحاں

دید عطار آن و خود مشغول کرد ‏ که فزوں تر دزدهیں اے روئے زرد

گر بدزدی از گل من می بری ‏ رو که هم از پہلوئے خود میخوری

تو همی ترسی ز من لیک از خری ‏ من همی ترسم که تو کمتر خوری

گرچه مشغولم چناں احمق نیم ‏ که شکر افزوں کشی تو از نیم

چوں بہ بینی مر شکر را آزمود ‏ پس بدانی احمق و غافل که بود

مرغ ازاں دانه نظر خوش میکند ‏ دانه هم از دور راهش میزند

گر زنائے چشم حظے مے بری ‏ نے کباب از پہلوئے خود میخوری

ایں نظر از دور چوں تیرست و سم ‏ عشقت افزوں می شود صبر تو کم

مال دنیا دام مرغان ضعیف ‏ ملک عقبے دام مرغان شریف

تا بدیں ملکے که او دامیست ژرف ‏ در شکار آیند مرغان شگرف

من سلیمان می نخواهم ملک تاں ‏ بلکه من برهانم از هر هلک تاں

کایں زماں هستید خود مملوک ملک ‏ مالک الملک آنکه او بجهید زهلک

باز گونه اے اسیر ایں جهاں ‏ نام خود کردی امیر ایں جهاں

اے تو بندهٔ ایں جهاں محبوس جان ‏ چند گوئی خویش را خواجهٔ جهاں

ایک مٹی کھانے والا ایک دوکاندار کے پاس اسلئے گیا کہ قند خالص اور زیادہ سستی خریدے

اُس چالاک اور منافق دوکاندار کے پاس باٹ کے بجائے مٹی تھی۔ جب اُسنے شکر مانگی تو اُس دوکاندار نے کہا کہ میرے پاس شکر تو نہایت اعلیٰ ہے اور سیکر اس بیان میں کوئی تصنع ہے اور نہ قیل و قال کی گنجایش مگر میرے باٹ مٹی کے ہیں اگر تمھیں خریدنے کی خواہش ہو تو خرید لو۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے تو ایک ضروری کام کیلئے قند کی تلاش ہے باٹوں سے کچھ بحث نہیں کیسے ہی ہوں اور دل میں کہا کہ مٹی کھانے والے کے نزدیک پتھر کیا بلا ہے مٹی شکر سے بہتر ہے اور یہ ایسا ہے جیسا کہ ایک لالہ نے کہا تھا کہ جناب دلہن تو ایک بڑے ٹھٹتے کی ملگئی ہے اور بہت ہی نفیس ہے لیکن ایک بات ہے وہ یہ کہ حلوائی کی لڑکی ہے۔ اُس نے کہا ایسا ہے تو اور بھی اچھا ہے کیونکہ اُسکی لڑکی زیادہ چکنی چپڑی اور مزہ کی ہوگی۔ بس اگر تمھارے پاس پتھر کے باٹ نہیں بلکہ تمھارے باٹ مٹی کے ہیں تو یہ تو بہت ہی اچھا ہے کیونکہ مٹی تو میرے دل کا مرغوب میوہ ہے الغرض اُس نے ترازو کے پلڑے میں بجائے باٹ کے بعد یہ مٹی رکھدی اور اوسی کی مقدار میں ہاتھ سے شکر توڑنے لگا۔ چونکہ اسکے پاس تیشہ نہ تھا اسلئے دیر لگ گئی اور مشتری کو حالت انتظار میں وہیں بیٹھے رہنے دیا۔ اُسکا منہ دوسری طرف تھا۔ اسلئے مٹی کھانے والے بے صبرے نے مٹی چرانا شروع کی لیکن ڈرتا جاتا تھا۔ کہ مبادا دوکاندار کی نظر مجھپر نہ پڑجاوے دوکاندار نے دیکھا اور اپنے کو اور مشغول و غافل کرلیا۔ اور دل میں کہتا جاتا تھا کہ ہاں او بیشرم خوب چرا۔ اگر تو میری مٹی چرالیجاویگا تو جا چرالیجا۔ میرا کیا جاویگا۔ تو اپنا ہی گوشت کھا رہا ہے اسلئے کہ جتنا باٹ کم ہوگا۔ اتنی ہی شکر کم ہوجاویگی تو مجھسے ڈرتا ہے۔ مگر یہ تیرا گدھا پن ہے کیونکہ مجھے تو اسکا خوف ہے کہ تو کم نہ کھاوے میں اگرچہ مشغول ہوں لیکن اتنا بیوقوف نہیں ہوں کہ تو میری مٹی بھی کھاجاوے اور مجھسے شکر بھی زیادہ لیجاوے۔ جب تو شکر کو بنظر امتحان دیکھے گا کہ یہ پوری ہے یا کم اسوقت تجھے معلوم ہوگا۔ کہ احمق اور غافل کون تھا اسی طرح وہ جانور تو دانہ کو دیکھکر آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے لیکن دانہ دور ہی سے اسکی زہر نی کرتا ہے۔ اس سے تم سمجھو کہ اگر تم آنکھ کی زنا کا لطف اُڑا رہے ہو۔ تو کیا یہ اپنے ہی پہلو کے کباب نہیں کھا رہے ہو ضرور ایسا ہی ہے۔ یاد رکھو کہ دور سے دیکھنا تیر اور زہر کی مثل ہے کیونکہ اس سے تمھارا عشق زیادہ ہوتا ہے اور صبر و قرار ـــــ ہے۔ تو یہ التذاذ خود اپنے ضرر سے التذاذ ہے خوب یاد رکھو نیز سمجھو کہ مال دنیا

تو کمزور جانوروں کا جال ہے۔ اور ملک عقبیٰ اعلےٰ درجہ کے پرندوں کا۔ اور یہ دام ملک عقبیٰ اسلئے قائم کیا گیا ہے۔ تاکہ اس زبردست جال میں عجیب وغریب جانور پھنسیں برخلاف اسکے دام مال دنیا معمولی جانوروں کے پھانسنے کیلئے ہی تو چونکہ میں سلیمان ہوں اسلئے دام مال دنیا کی طرف رخ نہیں کرتا۔ اور تمہارا ملک لینا نہیں چاہتا بلکہ میں تو تمہیں اس جال سے چھڑا کر ہلاکت سے بچانا چاہتا ہوں اسلئے کہ اسوقت تم ملک کے مملوک ہو اور مالک الملک نہیں ہو۔ مالکُ الملک وہ ہے جو ہلاکت سے بچ جاوے۔ مگر تم نہیں سمجھتے۔ اور تم نے اس جہان کا قیدی ہوکر اپنا نام برعکس واقعہ امیر ملک رکھ لیا۔ ارے تو تو اس جہان کا غلام ہے۔ اور تیری جان آہلمیں محبوس ہے پھر تو اپنے کو اس جہان کا افسر کہتا ہے بڑے شرم کی بات ہے۔

شرح شبیری

ایک عطار کا کہ اُسکی ترازو کے باٹ سر دھونیکی مٹی (ملتانی) کے تھے اور ایک خریدار کا جسکو مٹی کھانیکی عادت تھی اُس مٹی میں سے تولنے کے وقت چوری کرنے کا قصہ،

پیش عطارے یکے گلخوار رفت ۔۔۔ تا خرد ابلوج و قند خاص زفت

یعنی ایک عطار کے پاس ایک گلخوار گیا۔ تاکہ شکر اور قند بالکل خالص خریدے۔

پس بر عطار طرار دو دل ۔۔۔ موضع سنگ ترازو بود گل

یعنی ہوشیار عطار دو دے کے پاس ترازو کے باٹوں کی جگہ مٹی تھی۔

گفت عطار ای جوان ابلوج من ۔۔۔ ہست نیکو بے تکلف بے سخن

یعنی عطار نے کہا کہ اے جوان میری شکر بالکل عمدہ ہے۔ بلا کسی تکلف کے اور بات کے

مطلب یہ کہ اسمیں کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ قند خالص ہے۔

لیک گل سنگ ترازوئے من ست — گر ترا میل شکر بخریدن است

یعنی لیکن میری ترازو کے باٹ مٹی ہے۔ اگر تجھے شکر خریدنے کی رغبت ہے (تو خریدلے) مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ میری شکر تو بالکل خالص ہے اسمیں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ مگر میری ترازو کے باٹ مٹی کے ہیں اگر تجھے خریدنا ہے تو ان سے تولکر دونگا۔ تیرا جی چاہے تو خریدلے۔ یہاں جزا محذوف ہے۔ یعنی اگر میل خریدن شکر است پس بخر۔

گفت ہستم در مہمے قند جو — سنگ میزان ہر چہ خواہی باش گو

یعنی اس گلخوار نے کہا کہ میں ایک ضرورت میں شکر کا متلاشی ہوں تو ترازو کے باٹ جو کچھ ہوں رہنے دے۔

گفت با خود پیش آنکہ گل خور است — سنگ چہ بود گل نکوتر از زر است

یعنی اس نے اپنے سے کہا کہ جو شخص کہ گلخوار ہوتا ہے اسکے لئے پتھر کیا ہوتا ہے مٹی شکر سے بہتر ہے۔ مطلب یہ کہ اس عطار سے تو یہ کہا کہ میاں مجھے تو شکر کی ضرورت ہے تیرے باٹ خواہ مٹی کے ہوں یا کسی کے تو مجھے شکر دیدے۔ اور دل میں کہنے لگا کہ میرے لئے جیسے کہ مٹی کھانے کی عادت ہے مٹی شکر سے بھی بہتر ہے تو اگر لوہے کے باٹ ہوتے تو انکو تو کھا نہیں سکتے تھے۔ اور اس مٹی کو تو کھا سکتا ہوں اور مجھے خوب مزہ ملیگا۔ اسلئے باٹ ترازو کے مٹی ہی کے ہونا بہتر ہے۔ آگے مولانا اسی قبیل سے ایک اور قصہ بیان فرماتے ہیں۔

ہمچو آں دلالہ کو گفت ای پسر — نو عروسی یافتم من خوب فر

یعنی جیسے کہ اس دلالہ نے کہا کہ اے لڑکے کہ میں نے ایک نئی دلہن خوب عمدہ پائی ہے۔

سخت زیبا لیک ہم یک چیز ہست — کان ستیرہ دختر حلوا گر ست

یعنی بہت ہی عمدہ ہے لیکن ایک بات ہے کہ وہ مستورہ حلوائی کی لڑکی ہے۔

گفت بہتر این چنیں خود گر بود — دختر او چرب و شیریں تر بود

یعنی اس جوان نے کہا کہ ایسا ہو تو بہتر ہے کہ اسکی لڑکی تو خوب چرب و شیریں ہوگی مطلب یہ کہ ایک شخص نے کسی دلالہ سے کہا کہ کہیں سے ایک لڑکی لاؤ نکاح کیلئے تو اس دلالہ نے کہا

کہ ایک لڑکی ہے تو سہی لیکن ایک خرابی یہ ہے کہ حلوائی کی لڑکی ہے تو اُس شخص نے کہا کہ یہ تو اور بھی عمدہ بات ہے اسلئے کہ حلوائی کی لڑکی تو خوب عمدہ اور نفیس ہوگی۔ تو اسیطرح اُس گلخوار نے کہا کہ اگر تیرے باٹ لوہے کے نہیں ہیں تو یہ تو اور بھی عمدہ بات ہے اسلئے کہ مجھے خوب مٹی کھانی ملیگی۔ جو مجھے بیحد مرغوب ہے آگے وہ گلخوار ہی کہتا ہے کہ۔

گر نداری سنگ و سنگت از گل است
این بہ و بہ گل مرا میوۂ دل است

یعنی اگر تو باٹ نہیں رکھتا اور تیرے باٹ مٹی کے ہیں تو یہ تو بہتر اور اچھا ہے کیونکہ مٹی میرے دل کی میوہ ہے۔

اندر آں کفہ ترازو ز اعتداد
او بجائے سنگ آں گل را نہاد

یعنی اُس ترازو کے پلڑے میں وزن کیلئے اُس (عطار) نے بجائے باٹ کی وہ مٹی ہی رکھی۔

پس برائے کفۂ دیگر بدست
ہم بقدر آں شکر را می شکست

یعنی پھر دوسرے پلڑے کیلئے وہ ہاتھ سے بقدر اُسکے شکر توڑ رہا تھا مطلب یہ کہ ایک پلڑے میں تو اس نے وہ باٹ رکھے اور دوسرے پلڑے کیلئے بقدر اُس باٹ کے وہ شکر توڑنے لگا تاکہ تولے۔

چوں نبود ش تیشۂ او دیر ماند
مشتری را منتظر آنجا نشاند

یعنی چونکہ اُسکے پاس کوئی ہتوڑا (توڑنے کی چیز) نہ تھا تو وہ دیر تک ٹھیرا اور خریدار کو اُسجگہ منتظر بٹھا دیا۔ مطلب یہ کہ چونکہ کوئی شے شکر توڑنے کی ایسی نہ تھی جس سے جلدی سے اُسے توڑ لیتا اور ہاتھ سے توڑنے میں دیر لگی تو خریدار کو تو وہیں باہر بٹھا دیا اور خود شکر توڑنے لگا۔

رویش آں سو بود گلخور ناشگفت
گل ز دزدیدن گرفت
گل ز و پوشیدہ دزدیدن گرفت

یعنی اُس عطار کا منہ تو اُس طرف کو تھا اور گلخوار نالائق نے اُس سے چھپا کر مٹی کھانی شروع کر دی

ترس ترساں کہ نباید ناگہاں
چشم او بر من فتد از امتحاں

یعنی ڈرتے ڈرتے کہ وہ ناگاہ آنہ جاوے۔ اُسکی آنکھ امتحان سے مجھپر پڑنہ جاوے مطلب یہ کہ مٹی کھا رہا تھا اور ڈر رہا تھا کہ کہیں دوکاندار دیکھ نہ لے کہ یہ میرا باٹ کھائے جاتا ہے۔

دید عطار آن و خود مشغول کرد کہ فزوں تر دزد ہیں اے روے زرد

یعنی عطار نے اسکو دیکھا اور اپنے کو مشغول کر لیا۔ کہ ہاں اے شرمندہ خوب زیادہ چرالے۔ (کیونکہ)۔

گر بدزدی از گل من می بری رو کہ ہم از پہلوے خود میخوری

یعنی اگر تو چرا رہا ہے تو میری مٹی میں سے لیجا رہا ہے (مگر) تو اپنے ہی پہلو سے کھا رہا ہے

تو ہمی ترسی ز من لیک از خری من ہمی ترسم کہ تو کمتر خوری

یعنی تو مجھسے ڈر رہا ہے لیکن گدہے پن کی وجہ سے اور میں تجھسے ڈر رہا ہوں کہ کہیں تو کم نہ کھاوے۔

گرچہ مشغولم چناں احمق نیم کہ شکر افزوں کشی تو از پیم

یعنی میں اگرچہ مشغول ہوں لیکن ایسا احمق نہیں ہوں کہ تو مجھ سے شکر زیادہ لے لے۔

چوں ببینی مر شکر را ز آزمود پس بدانی احمق و عاقل کہ بود

یعنی جب تو شکر کو جانچنے کیلئے دیکھے گا تو جانے گا کہ احمق اور عاقل کون تھا مطلب یہ کہ عطار تو شکر توڑنے میں لگا رہا اور ان گلخوار صاحب نے مٹی میں سے چرا چرا کر کھانا شروع کر دیا۔ اور ڈر رہا تھا کہ کہیں دوکاندار مجھے کھاتے ہوئے دیکھ نہ لے اور عطار نے اسکو کھاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ تو اس نے شکر توڑنے میں اور بھی دیر لگا دی۔ تاکہ یہ اچھی طرح کھالے اسلئے کہ جسقدر یہ کھالیگا اسی قدر میری شکر کم جاویگی۔ کیونکہ باٹ کم ہو جاویگا۔ اور باٹ تو میں اور بنا لونگا۔ اور وہ دل میں کہہ رہا تھا کہ میاں تو میرا نقصان نہیں کرتا۔ کچھ اپنا ہی نقصان کر رہا ہے۔ تو مجھے اسوقت احمق سمجھ رہا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں ہوشیار ہوں کہ اسکو خبر بھی نہوئی اور میں اسکی اتنی مٹی کھا گیا مگر یاد رکھنا کہ جسوقت گھر جا کر شکر تولو گے اور کم ہو گی اسوقت تمکو معلوم ہو جاویگا کہ کون احمق اور عاقل تھا آگے پھر اسی مرغ و دانہ کی مثال کی طرف عود ہے فرماتے ہیں کہ

مرغ ازاں دانہ نظر خوش میکند دانہ ہم از دور راہش میزند

یعنی جانور اس دانہ سے نظر کو خوش کرتا ہے اور دانہ بھی دور سے اسکی راہزنی کرتا ہے مطلب یہ کہ مرغ تو اس دانہ کو دیکھکر خوش ہو رہا ہے کہ میں اسکو کھا جاؤنگا اور وہ

دانہ کہہ رہا ہے کہ ای مرغ تو مجھے جسقدر دیکھتا ہے اپنا نقصان کرتا ہے اسلئے کہ جسقدر دیکھتا ہے اسی قدر تیری حرص بڑھتی ہے اور اسی قدر جلد تجھکو میں قید کرا دونگا۔ آگے مولانا ایک مضمون ارشادی فرماتے ہیں کہ۔

گر ز نائے چشم حظے میبری	نے کباب از پہلوے خود میخوری

یعنی اگر تو آنکھ کی تلکی سے حظ لے رہا ہے تو کیا تو اپنے پہلو سے کباب نہیں کھا رہا ہے (نے کباب استفہام انکاری ہے)

ایں نظر از دور چوں تیر است و سم	عشقت افزوں می شود صبر تو کم

یعنی یہ نظر دور سے مثل تیر کے ہے اور زہر کے ہے اور عشق تیرا بڑھتا ہے۔ اور صبر تیرا کم ہوتا ہے مطلب یہ کہ اگر تم کسی کی طرف بدنگاہی کر رہے ہو اور تمکو اس سے حظ ہو رہا ہے اور تم اس سے خوش ہو رہے ہو تو یاد رکھو کہ یہ بدنگاہی کرنا خود اپنے کباب کھانا ہے۔ اسلئے کہ ایکدن اسکا پھل بُرا ملیگا۔ اور یہ نگاہ ایک تیر کی طرح ہے کہ اسکا تیر لگا اچھا ہوتا ہی نہیں۔ جیساکہ کسی کا قول ہے النظر سہم من سہام ابلیس اور کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

درون سینہ من زخم بے نشاں زدہ	بحیرتم کہ عجب تیر بے کماں زدہ

غرضکہ نگاہ ایسی بُری بلا ہے کہ اس سے بیحد خرابیاں واقع ہوتی ہیں لوگ ناجائز محبت کرتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم پیٹ بھر کر دیکھ لیں تو پھر دل سے اسکا خیال جاتا رہیگا حالانکہ اس دیکھنے سے اور خیال زیادہ ہوتا ہے کم نہیں ہوتا۔ جسکا اثر بعد کو معلوم ہوتا ہے۔ پس اسکا علاج تو صرف یہ ہے کہ محبوب سے جسماً نظراً تصوراً ہر طرح علیحدگی اختیار کرے جب کہیں یہ مرض جاتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

مال دنیا دام مرغان ضعیف	ملک عقبیٰ دام مرغان شریف

یعنی دنیا کا مال تو مرغان ضعیف کا جال ہے اور آخرت کا ملک شریف جانوروں کا جال ہے

تا بدیں ملکے کہ او دامی است ژرف	در شکار آیند مرغان شگرف

یعنی یہاں تک کہ اس ملک میں جو کہ ایک عظیم جال ہے۔ شکار میں بڑے بڑے جانور آویں مطلب یہ کہ یہ دنیا کا مال و متاع تو کمزور لوگوں کا جال ہے جسمیں یہ لوگ پھنس جاتے ہیں اور

آخرت کا جال اولیاء اللہ کیلئے ہے۔ کہ اسمیں بڑے بڑے جانور عظیم الشان آکر پھنستے ہیں اور شکار ہوتے ہیں۔ آگے حضرت سلیمان علیہ السلام کے مقولے طرف عود ہی فرماتے ہیں کہ

من سلیمان می نخواہم ملک تان　　بلکہ من برہانم از ہر ہلک تان

یعنی میں تو سلیمان ہوں میں تمھارا ملک نہیں چاہتا بلکہ میں ہر ہلاکت سے تمکو چھڑاتا ہوں

کاین زمان ہستید خود مملوک ملک　　مالک الملک آنکہ او بجہد ز ہلک

یعنی اسوقت تو تم ملک کے بندے ہو رہے ہو اور ملک کا مالک تو وہ ہے جو ہلاکت سے چھوٹے بمطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے تمھارے ملک کی ضرورت نہیں ہے بلکہ میرا تو مقصود یہ ہے کہ تم ہلاکت سے بچ جاؤ۔ اور عذاب سے چھوٹ جاؤ۔ اور اسوقت تو تم بندۂ ملک و زر ہو رہے ہو اور اگر میرا اتباع کروگے اسوقت مالک الملک ہوگے اسلئے کہ اسوقت تو معرض ہلاکت میں ہو اور جو شخص کہ معرض ہلاکت میں ہو اسکو مالک ملک کون کہیگا۔ وہ تو بندگان ملک سے بھی کمتر ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

باز گونہ ای اسیر این جہاں　　نام خود کردی امیر این جہاں

یعنی بالعکس اسے قیدی اس جہان کے تو نے اپنا نام اس جہان کا امیر کر رکھا ہے

اے تو بندۂ این جہاں محبوس جاں　　چند گوئی خویش را خواجہ جہاں

یعنی ای وہ شخص جو کہ اس جہانکا غلام اور محبوس جان ہے اپنے کو جہان کا آقا کہانتک کہیگا یعنی اسے شخص جسکی جان بند سیم و زر میں قید ہے اور وہ خود اس جہان کا قیدی ہو رہا ہے کب تک اپنے کو آقا اور خواجہ کہتا رہے گا۔ ارے اب تو تو غلامان غلام اس جہاں کا ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ آگے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا ان قاصدوں کو مع ہدیہ کے واپس فرما دینے کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

سلیمان علیہ السلام کا ان قاصدوں کی دلداری کرنا

اور اُن کے دل سے وحشت کو دفع کرنا اور ہدیہ قبول نہ کرنے کا عذر فرمانا

اے رسولان من فرستم تان رسول
رد من بہتر شمارا از قبول

پیش بلقیس آنچہ دیدید از عجب
باز گوئید از بیابان ذہب

کہ چہل منزل بروئے زر بدید
وز چنیں ہدیہ خجل چوں می شدید

تا بداند کہ بزر طامع نہ ایم
ما زر از زر آفریں آوردہ ایم

آنکہ گر خواہد ہمہ خاک زمیں
سر بسر زر گردد و دُرِّ ثمیں

حق برائے آں کند اے زر گزیں
روز محشر ایں زمین را نقرگیں

فارغیم از زر کہ ما بس پُر فنیم
خاکیاں را سر بسر زریں کنیم

از شما کے کدیہ زر مے کنیم
ما شما را کیمیا گر مے کنیم

ترک آں گیرید گر ملک سبا است
کہ بروں آب و گل بس ملکہا است

تختہ بند ست آنکہ تختش خواندہ
صدر پنداری و بر در ماندہ

پادشاہی نیستت بر ریش خود
پادشاہی چوں کنی بر نیک و بد

بے مراد تو شود ریشت سفید
شرم دار از ریش خود اے کژ امید

مالک الملک است ہر کش سر نہد
بے جہاں خاک صد ملکش دہد

لیک ذوق سجدہ پیش خدا
خوشتر آید از دو صد دولت ترا

پس بنالی کہ نخواہم ملکہا
ملک آں سجدہ مسلّم کن مرا

بادشاہان جہاں از بدرگی | بو نبردند از شراب بندگی
ورنہ ادہم وار سرگردان و دنگ | ملک را برہم زدندے بے درنگ
لیک حق بہر ثبات ایں جہاں | مہرشان بنہاد بر چشم و دہاں
تا شود شیریں برایشان تخت و تاج | کہ ستانیم از جہانداران خراج
از خراج ار جمع آری زر چو ریگ | آخر آں از تو بماند مردہ ریگ
ہمرہ جانت نگردد ملک و زر | زر بدہ سرمہ ستاں بہر نظر
تا ببینی کایں جہاں چاہیست تنگ | یوسفانہ آں رسن آری بچنگ
تا بگوید چوں ز چاہ آئی ببام | جان کہ یا بشری لنا ہذا غلام
ہست در چہ انعکاسات نظر | کمتریں آنکہ نماید سنگ زر
وقت بازی کودکاں را ز اختلال | می نماید آں خزفہا زر و مال
عارفانش کیمیاگر گشتہ اند | تاکہ شد کانہا برایشان نترند

اسکے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اسے قاصدو میں تمہیں قاصد بنا کر بھیجتا ہوں۔ اور اس ہدیہ کو واپس کرتا ہوں۔ اور یہ میرا واپس کر دینا تمہارے لئے اسکے لے لینے سے بہتر ہے کیونکہ اس ہدیہ کا مقصد یہ ہے کہ میں تم پر فوج کشی سے رک جاؤں اور تمہارے ساتھ مصالحت کر لوں پس اگر میں اسکو لیکر تمہارے ساتھ مصالحت کر لوں تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم گمراہ رہو گے اور اگر میں نہ لوں اور مصالحت نکروں تو ممکن ہے کہ تم دین حق قبول کر لو۔ اسلئے اسکی واپسی ہی بہتر ہے۔ پس تم جاؤ اور جو کچھ تم نے بیابان زر کی کیفیت عجیبہ مشاہدہ کی ہے اسکو بلقیس سے کہدینا۔ اور کہدینا کہ ہم چالیس منزل تک سونے پر چلے ہیں اور سونے کی اس کثرت کو دیکھکر ہمکو اپنے ہدیہ سے نہایت شرمندگی

ہوتی تھی۔ تاکہ اوسے معلوم ہوجاوے۔ کہ ہمکو سونیکی طمع نہیں ہے۔ کیونکہ ہمکو سونے کی پیدا کرنے والے نے سونا دے رکھا ہے۔ اور وہ پیدا کرنے والا وہ ہے کہ اگر چاہے زمین کی تمام مٹی سونا اور بیش بہا موتی بنجاوے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ قیامت میں حق سبحانہ اس زمین کو اسی لئے روپہلی بنائیں گے تاکہ یہ ظاہر ہوجاوے کہ انکو سونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ بہت کامل القدرۃ والعلم ہیں۔ اور خاک کیونکو سونا بنا دیتے ہیں پس انکو تم سے سونا مانگنا مقصود نہیں کیونکہ وہ تو ایسے کامل القدرۃ ہیں کہ خود تمکو کیمیا گر بنا دیتے ہیں۔ کہ تم سونا بنا سکو۔ پس جو اتنا قادر ہو وہ کسی سے سونا کیا مانگے گا۔ اس مضمون کو ختم کر کے پھر سلیمان علیہ السلام کا سلسلہ گفتگو شروع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ اگر ملک سبا کا سا زرخیز ملک تمھارے قبضہ میں ہے تو بھی تم اُسے چھوڑ دو کیونکہ عالم ناسوت سے باہر عجیب عجیب اور بہت سے ملک ہیں ان پر قبضہ کرنا چاہئے اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔ دیکھو جسے تم تخت کہتے ہو یہ ٹکٹکی ہے نہ کہ تخت۔ اور تم اپنے کو صدر کہتے ہو حالانکہ ہنوز در پر پڑے ہوئے ہو دولت سرا میں تمھاری رسائی ہی نہیں۔ تم غور تو کرو کہ تمکو اپنی ڈاڑھی پر تو بادشاہت ہے ہی نہیں پھر تم اچھی بُری اشیاء پر کیا حکومت کروگے۔ ڈاڑھی پر حکومت نہ ہونیکی دلیل یہ ہے کہ بلا تمھاری خواہش کے تمھاری ڈاڑھی سفید ہوجاتی ہے۔ پس تمکو اپنی اس ڈاڑھی سے شرمانا چاہئے کہ اس غیر محکوم ڈاڑھی پر دعوئی سلطنت زیب نہیں دیتا۔ مالک الملک وہ ہی جو اپنا سر اطاعت جھکا دے کیونکہ ایسے شخص کو حق سبحانہ سیکڑوں ملک یعنی اس جہان خاکی کے سوا عطا فرما دیتے ہیں لیکن خدا کے سامنے سجدہ کرنے کی لذت ایسی عجیب و غریب ہے کہ وہ تمکو سیکڑوں دولتوں سے اچھی معلوم ہوگی۔ اور تم روؤگے اور کہوگے کہ ای اللہ ہمیں ملکونکی ضرورت نہیں ہمیں تو تو ملک سجدہ عطا فرماوے۔ ان دنیا کے بادشاہوں کو انکی شرارت کی وجہ سے عالم طاعت کا احساس نہیں ہوا ورنہ ابراہیم بن ادہم کی طرح متحیر اور سرگرداں ہو کر فوراً سلطنت کو الٹ پلٹ کر دیتے۔ لیکن انکو جو اس کا احساس نہیں اُسکی وجہ یہ ہے کہ حق سبحانہ نے اس جہان کے قائم رکھنے کیلئے اُنکے منہ

اور آنکھوں پر مہر کردی ہے۔ تاکہ بدیں خیال انکے لئے یہ تخت و تاج لذیذ ہو جاوے۔ کہ ہم بادشاہوں سے خراج لیں گے مگر انکو معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر ریت کے برابر بھی زر خراج جمع کرلو تو بھی تم اسے بطور ترکہ کے چھوڑ جاؤ گے۔ اور اس ملک و زر کو اپنی جان کے ساتھ نہ لیجاؤ گے پس تم کو چاہیئے کہ اس دولت کو دیکر اپنی چشم باطن کیلئے سرمہ خرید لو۔ تاکہ تمھیں معلوم ہو جاوے کہ یہ جہاں ایک تاریک کنواں ہے۔ اور تاکہ تم اس سے نکلنے کیلئے یوسف علیہ السلام کی طرح حبل اللہ المتین کو پکڑ لو جسکا نتیجہ یہ ہو کہ جب تم کنوئیں کی تہ سے اسکی من پر آؤ تو تمھاری جان فرط مسرت سے یہ کہے یا بشری ہذا غلام یعنی ارے بڑی خوشی کی بات ہے کہ لڑکا ملگیا۔ دیکھو اس کنوئیں میں عام کنوؤں کی طرح الٹا دکھائی دیتا ہے اور ادنیٰ بات یہ ہے کہ پتھر سونا معلوم ہوتا ہے شاید یہ مضمون تمھاری سمجھ میں نہ آئے۔ اس لئے ہم تمھیں ایک نظیر مشاہد سے سمجھاتے ہیں دیکھو کھیل کے وقت لڑکوں کو اپنے نقصان عقل کے سبب ٹھیکرے سونا اور مال معلوم ہوتے ہیں۔ پس یہی تمھاری حالت ہے۔ برخلاف عارفان حق کے کہ وہ کیمیا گر ہیں جسکا نتیجہ یہ ہے کہ انکے نزدیک سونے کی کانیں بھی بے حقیقت ہیں اب ایک حکایت بیان کرتے ہیں جس سے عرفا کی کیمیا گری معلوم ہو۔ اور تم جانلو کہ انکو تبدیل صفات و احوال اجساد و ارواح میں مہارت تامہ حاصل ہے۔

شرح شبیری

سلیمان علیہ السلام کا ان قاصدوں کی دلداری کرنا اور انکے دل سے وحشت کو دفع کرنا اور ہدیہ قبول نہ کرنیکا عذر فرمانا

اے رسولان می فرستم تان رسول ۔۔۔ رد من بہتر شمارا از قبول

یعنی (حضرت سلیمان نے فرمایا کہ) اے قاصدو میں تمکو قاصد بنا کر بھیجتا ہوں اور

میرا ارد کردینا تمہارے لئے قبول کرلینے سے بہتر ہے (اسلئے کہ اگر ہدیہ قبول کرونگا تو تم قاصدان بلقیس ہی رہوگے اور اب تم قاصدان سلیمان علیہ السلام ہوگئے ہو اور قاصدان بلقیس سے قاصدان سلیمانؑ ہونا ظاہر ہے کہ اچھا ہے غرضکہ اب تم قاصد بنکر میری جانب سے بلقیس کے پاس جاؤ)

پیش بلقیس آنچہ دیدید از عجب　　　باز گوئید از بیابان ذہب

یعنی بلقیس کے آگے وہ عجیب چیزیں جو تمنے دیکھی ہیں بیان کرو۔ اور سونے کے جنگل (کے قصہ) کو بیان کرو۔

کہ چہل منزل بروئے زر بدید　　　وز چنیں ہدیہ خجل چوں می شوید

یعنی کہ چالیس منزل تک تم سونے پر چلے تھے۔ اور ایسے ہدیہ سے تم کس طرح شرمندہ ہوئے تھے مطلب یہ کہ یہاں کا اسکے سامنے پورا قصہ بیان کردینا۔ تاکہ۔

تا بداند کہ بزر طامع نہ ایم　　　ما زرا ز زر آفریں آوردہ ایم

یعنی تاکہ وہ جان لے کہ ہم لالچی نہیں ہیں اور ہم سونا سونا پیدا کرنے والے کے پاس سے لائے ہیں (جسکی کہ یہ شان ہے کہ)

آنکہ گر خواہد ہمہ خاک زمیں　　　سر بسر زر گردد و دُر ثمیں

یعنی وہ ذات کہ اگر چاہے تو زمین کی تمام خاک سر بسر سونا ہو جاوے۔ اور قیمتی موتی ہو جاوے (تو بھلا جسکا تعلق ایسی ذات سے ہوگا اُسکو سونے چاندی جواہرات کی کیا کمی ہوگی) آگے فرماتے ہیں کہ

حق برائے آں کند اے زر گزیں　　　روز محشر ایں زمیں را نقرگیں

یعنی اے سونیکے قبول کرنے والے حق تعالیٰ اسی (بات کے ظاہر کرنے کے) لئے محشر کے روز اس زمین کو چاندی کی کردیں گے۔ (تاکہ معلوم ہوجائے کہ)۔

فارغیم از زر کہ ما بس پرفنیم　　　خاکیاں را سر بسر زریں کنیم

یعنی ہم سونے سے فارغ ہیں اور ہم بہت پرفن ہیں کہ خاک والوں کو سر بسر سونے کا کردیں۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ اسی بات کے ظاہر کرنے کیلئے تاکہ معلوم ہوجاوے کہ

انکو اس سونے چاندی کی ضرورت نہیں ہے۔ قیامت میں زمین کو چاندی کی کردیں گے جس سے معلوم ہو جاویگا کہ اس سونے چاندی کی وہاں کچھ بھی قدر نہیں تھی۔ آگے پھر حضرت سلیمان علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ۔

از شما کے گدیۂ زر می کنیم ‌ ‌ ‌ ما شما را کیمیا گر می کنیم

یعنی ہم تم سے سونے کا سوال کب کرتے ہیں ہم تو تم کو کیمیا گر بنائے دیتے ہیں مطلب یہ کہ حضرت نے فرمایا کہ یہ ظاہری سونا ہم تم سے نہیں مانگتے۔ بلکہ ہم تو تمکو ایسا بنادینگے کہ تم اصلی اور حقیقی کیمیا خود بنانے لگوگے۔ تو بھلا جو دوسرونکو کیمیا گر بنا دے۔ وہ اس ظاہری سونے کو لیکر کیا کریگا اور فرمایا کہ۔

ترک آں گیر ید گر ملک سبا است ‌ ‌ ‌ کہ بروں آب و گل بس ملکہا است

یعنی اسکو چھوڑدو اگرچہ وہ ملک سبا ہے کہ آب و گل سے باہر بہت سے ملک ہیں مطلب یہ کہ اس ملک ظاہر کو ترک کرو تو تمکو حقیقی ملک ملیگا۔

تختہ بند است آنکہ تختش خواندۂ ‌ ‌ ‌ صدر پنداری و بر در ماندۂ

یعنی جسکو تو تخت سمجھ رہا ہے (حقیقت میں) وہ تختہ بندی ہے اور تم (اپنے کو) صدر سمجھ رہے ہو (حالانکہ) دروازہ ہی پر رہ رہے ہو (تختہ بندی کہتے ہیں اس عقوبت کو کہ ہاتھ پیر ایک تختہ میں باندھکر پھر بیت لگاتے ہیں) مطلب یہ کہ جسکو تم تخت کہہ رہے ہو وہ حقیقت میں وہ عقوبت تختہ بندی ہے اسلئے کہ تم اُسمیں بالکل مجبور ہو رہے ہو جسطرح وہ شخص مجبور ہوتا ہے۔

بادشاہی نیستت بر ریش خود ‌ ‌ ‌ بادشاہی چوں کنی بر نیک و بد

یعنی تمکو اپنی ڈاڑھی پر تو قدرت ہے ہی نہیں تو بھلا بُرے بھلے پر تم کیا بادشاہی کروگے۔

بے مراد تو شود ریشت سفید ‌ ‌ ‌ شرم دار از ریش خود ای کژ امید

یعنی بے تیرے ارادہ کے تیری ڈاڑھی سفید ہو جاتی ہے۔ تو اسے کج امید والے اپنی ڈاڑھی سے شرم کر۔ مطلب یہ کہ تم اپنے کو بہت زبردست بادشاہ اور حاکم سمجھتے ہو۔ بھلا تمکو اپنی ڈاڑھی پر تو قدرت ہے ہی نہیں کہ تم چاہتے ہو کہ سفید نہو اور وہ سفید ہو جاتی ہے۔ تو

بھلا اپنی ڈاڑھی سے ہی شرم کر۔ کہ وہی تیرے قابو میں نہیں آتی۔ اور تو کیا کوئی تیرے زیر قدرت ہو گا۔

مالک الملک است ہر کش سر نہد　　بے جہاں خاک صد ملکش دہد

یعنی وہ مالک الملک ہے جو شخص کہ اُسکے آگے سر رکھے بے جہاں خاکی کے اُسکو سیکڑوں ملک دے۔ مطلب یہ کہ وہ تو ایسا مالک الملک ہے کہ جو اُسکی اطاعت کرے وہ اس دنیا کی ملکوں کے علاوہ باطنی ملک اُسکو سیکڑوں عطا فرمادے۔ یہاں یہ شبہ ہوا کہ ہم نے تو جتنے مقبولان حق دیکھے فقر و فاقہ ہی میں دیکھے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اُسکو ممالک دنیا کے علاوہ اور ملک ملیں گے یعنی یہ بھی ملیں گے تو آگے اسکا جواب دیتے ہیں کہ۔

لیک ذوق سجدۂ پیش خدا　　خوشتر آید از دو صد دولت ترا

یعنی لیک ایک سجدہ کا مزہ خدا کے آگے تیرے لئے دو سو ملکوں سے بہتر معلوم ہو گا۔

پس بنالی کہ نخواہم ملکہا　　ملک آں سجدہ مسلم کن مرا

یعنی پس تو روویگا کہ میں ملکوں کو نہیں چاہتا۔ مجھے اُس سجدہ کا ملک سپرد فرمادیا جاوے۔ مطلب یہ کہ جو خدا کے بندے ہیں اور مقبولاں حق ہیں اُنکو جو طاعت حق میں لطف حاصل ہوا ہے۔ اور اُسکا جو ذوق اُنکو نصیب ہو گیا ہے اسلئے ان ممالک دنیا کی اُنکو پرواہ نہیں رہی۔ اور اگر یہ ممالک اُنکو ملتے بھی ہیں تو وہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ بس وہ ذوق طاعت عطا فرمادے اور جاہ و حشم دنیا کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ اسلئے وہ فقر و فاقہ میں رہتے ہیں

پادشاہاں جہاں از بدرگی　　بو نہ بردند از شراب بندگی

یعنی بادشاہان دنیا بدرگی کی وجہ سے شراب بندگی کی بو نہیں لیگئے یعنی اُنکو اس ذوق طاعت کی ہوا بھی نہیں لگی اسلئے وہ اس جہان دنیا میں خوش ہیں۔

ورنہ ادہم وار سر گرداں و دنگ　　ملک را برہم زدندے بے درنگ

یعنی ورنہ (ابن) ادہم کی طرح سرگردان اور دنگ (ہوکر) ملک کو بلا توقف درہم برہم کر دیتے۔

لیک حق بہر ثبات ایں جہاں　　مہر شاں بنہاد بر چشم و دہاں

یعنی لیکن حق تعالیٰ نے اس جہان کے قیام کیلئے اُنکی آنکھ اور منہ پر مہر لگا دی ہے۔

تا شود شیریں بر ایشاں تخت و تاج　　　　کہ ستانیم از جہان داران خراج

یعنی تاکہ اُن پر تخت و تاج شیریں ہو جاوے۔ کہ ہم بادشاہوں سے خراج لے رہے ہیں مطلب یہ کہ ان بادشاہان دنیا کو اس ذوق طاعت کی ہوا بھی نہیں لگی ورنہ اگر انکو ذوق طاعت نصیب ہو جاتا۔ تو یہ بھی حضرت ابراہیم ابن ادہم کی طرح تمام ملک و مال کو چھوڑ چھاڑ کر الگ ہو جاتے مگر حق تعالیٰ نے ان لوگوں کی آنکھوں اور منہ پر مُہر لگا دی ہے۔ کہ وہ ذوق طاعت اور اُسکے برکات کو نہ چکھ سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں اور اس مہر لگا دینے میں حکمت یہ تھی کہ یہ لوگ اسمیں مشغول ہوں اور خوش ہوں کہ ہم بڑے بڑے بادشاہوں سے خراج لے رہے ہیں تو ہم بہت بڑے بادشاہ ہوئے اور اسمیں خوش رہکر دنیا کے انتظامات خوب اچھی طرح انجام دیں۔ جیسا کہ کسی کا قول ہے۔ لولا الحمقاء لخربت الدنیا آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

از خراج ار جمع آری زر چو ریگ　　　　آخر آں از تو بماند مردہ ریگ

یعنی خراج کے ذریعہ سے اگر تم نے ریت کی طرح سونا جمع کر لیا تو آخر کار وہ تجھ سے میراث رہجاویگا

ہمرہ جانت نگردد ملک و زر　　　　زر بدہ سرمہ ستاں بہر نظر

یعنی تیری جان کی ہمرہ ملک و زر نہ جاویگا تو سونا دیدے اور نظر کیلئے سرمہ لے لے۔

تا بہ بینی کایں جہاں چاہیست تنگ　　　　یوسفانہ آں رسن آری بچنگ

یعنی تاکہ تم دیکھ لو کہ یہ جہاں ایک تنگ کنواں ہے اور یوسف علیہ السلام کی طرح اُس رسی کو تم چنگل میں لاؤ۔ مطلب یہ کہ اگر تم نے لوگوں سے روپیہ لیلے کر جمع کر بھی لیا۔ تو انجام کار یہ ہوتا ہے کہ تم مر جاؤ گے اور وہ مال میراث کے طور پر چھوڑ جاؤ گے۔ لہٰذا تمہیں چاہئے کہ اس زر دنیا کو چھوڑ کر وہ بات حاصل کرو کہ جس سے حقیقت منکشف ہو جاوے اور تم اس دنیا کی حقیقت کو دیکھ لو کہ یہ ایک کنوئیں کی طرح تنگ و تاریک جگہ ہے۔ اور پھر اس کو اس جگہ دیکھ کر یوسف علیہ السلام کی طرح اس سے پریشان ہو کر طاعت حق کی رسی پکڑ کر اس سے باہر نکل جاؤ اور تم کو بصیرت حاصل ہو جاوے۔

تا بگوید چوں ز چاہ آئی ببام　　　　جاں کہ یا بشریٰ لنا ہذا غلام

یعنی تاکہ جب تم کنوئیں سے باہر نکلو تو جان کہے کہ یا بشریٰ ہذا غلام مطلب یہ کہ تم کو

بصیرت حاصل ہوگی اور تم اس دنیا کے علائق سے چھوٹ جاؤ گے تو تمھاری روح خوش ہوگی۔ اور اُسکو اس دنیا سے چھٹکارا ملکر بیحد فرحت ہوگی آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہست درچہ انعکاسات نظر　　کمترین آنکہ نماید سنگ زر

یعنی کنویں میں نظر کے انعکاسات ہیں اور سب سے کم یہ ہے کہ پتھر سونا معلوم ہوتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جسطرح کہ کنویں میں جس شے کو دیکھو الٹی ہی نظر آتی ہے، مثلاً اسمیں کوئی جھانکے تو اُسکا منہ نیچے ہے اور سر اوپر مگر کنویں میں الٹا نظر آتا ہے۔ علی ہذا آسمان اوپر ہے اور اسمیں نیچے نظر آتا ہے تو اسی طرح اس دنیا میں بھی حقائق پوشیدہ ہیں اور تمام اشیا اُلٹی نظر آتی ہیں کہ جو غیر مقصود ہے وہ مقصود نظر آتا ہے اور جو مقصود ہے وہ غیر مقصود معلوم ہوتا ہے آگے اسکے ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

وقت بازی کودکاں از اختلال　　می نماید آں خزفہا زر و مال

یعنی کھیل کے وقت بچوں کو بوجہ خلل کے وہ ٹھیکرے سونا اور مال معلوم ہوتا ہے مطلب یہ کہ بچے جب کھیلتے ہیں تو ٹھیکروں کے روپے پیسے بنا لیتے ہیں اور پھر اُنپر لڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارا روپیہ ہے یہ ہمارے پیسے ہیں تو اسی طرح دنیا کے مال و زر کے واسطے لوگ اپنی جانیں برباد کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں وہ اُن ٹھیکرونکی برابر بھی قدر نہیں رکھتے جیسا کہ اس دنیا کے عقلا بھی ان بچونکو بیوقوف سمجھتے ہیں اسلئے کہ یہ ان ٹھیکرونکو روپیہ پیسہ سمجھے ہوئے ہیں اسی طرح حضرات اہل اللہ تمھارے اس ظاہری سونے چاندی کو فضول اور تمھارے اسمیں انہماک کو بیوقوفی خیال کرتے ہیں۔ آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

عارفانش کیمیاگر گشتہ اند　　تاکہ شد کانہا بر ایشاں نثرند

یعنی عارفان حق کیمیاگر ہوئے ہیں یہانتک کہ معادن اُن کے نزدیک حقیر و ذلیل ہوگئے ہیں۔ مطلب یہ کہ حضرات اہل اللہ کیمیاگر ہیں کہ تبدیل ماہیت کرتے ہیں اور حقیقی دولت سے مالا مال کر دیتے ہیں تو اُن کے نزدیک یہ معادن دنیا بالکل ہیچ اور فضول معلوم ہوتے ہیں اور وہ حضرات ان چیزوں کو بالکل ہی بیکار خیال کرتے ہیں چونکہ بیان کیا ہے کہ حضرات اہل اللہ کیمیاگر ہیں کہ تبدیل ماہیت کر دیتے ہیں آگے

اسی کے مناسب ایک حکایت لاتے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے خواب میں اولیاء اللہ کو دیکھا تو عرض کیا کہ کوئی تدبیر ایسی بتایئے کہ بے کسب کے روزی ملجایا کرے چونکہ کسب کرنے سے عبادت میں خلل واقع ہوتا ہے تو انھوں نے فرمایا کہ یہ پہاڑی پھل کھالیا کرو۔ اور وہ پھل سب کڑوے ہوتے تھے لیکن اُن کے فرمانے کے بعد سے سارے پھل شیریں اور خوشگوار ہوگئے تو دیکھو اُن حضرات کی توجہ سے اُنکی تلخی مبدل بہ شیرینی ہوگئی اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

ایک شخص کا مشایخ کی جماعت کو خواب میں دیکھنا اور اُن سے روزی حلال کی بے کسب کے درخواست کرنا کیونکہ کسب کی وجہ سے عبادت میں کمی آتی تھی اور اُن حضرات کا ارشاد فرمانا کہ پہاڑی میوے جو تلخ و ترش تھے کھایا کرو اور اُس شخص پر اُن حضرات کے ارشاد فرما دینے کی وجہ سے سب میووں کا شیریں ہوجانا،

آں یکے درویش گفت اندر سمر	خضریانرا من بدیدم خواب در
گفتم ایشانرا کہ روزئے حلال	از کجا نوشم کہ نبود آں وبال
مرمرا سوئے کہستاں راندند	میوہ ہا زاں بیشہ می افشاندند

کہ خدا شیریں بکرد آں میوہ را — در دہاں تو بہ تہمائے ما

ہیں بخور پاک و حلال و بے حسیب — بے صداع و نقل بالا و نشیب

پس مرا زاں رزق نطقے رو نمود — ذوق گفت من خرد ہا می ربود

گفتم ایں فتنہ است اے رب جہاں — بخششے دہ از ہمہ خلقاں نہاں

شد سخن از من دل خوش یافتم — چوں انار از ذوق می بشگافتم

گفتم از چیزے نباشد در بہشت — غیر ایں شادی کہ دارم در سرشت

ہیچ نعمت آرزو ناید دگر — زیں نپردازم بجز زوینشکر

ماندہ بود از کسب یک دو حبہ ام — دوختہ در آستین جبہ ام

درویش (مذکور) کا یہ نیت کرنا کہ کچھ پیسے اس لکڑ ہارے کو دیدوں جبکہ مجھے روزی حلال میسر ہو گئی ہے اور اس لکڑ ہارے کا اس بات سے رنجیدہ ہونا۔

آں یکے درویش ہیزم میکشید — خستہ و ماندہ ز بیشہ در رسید

پس بگفتہ من ز روزی فارغم — زیں سپس از بہر رزقم نیست غم

میوۂ مکروہ بر من خوش شدہ است — رزق خاصے جسم را آمد بدست

چونکہ من فارغ شدستم از گلو — حبہ چند است ایں بدہم بدو

بدہم ایں زر را بدیں تکلیف کش — تا دو سہ روزک شود از قوت خوش

خود ضمیرم را ہمی دانست او — زانکہ شمعش داشت نور از شمع ہو

بود پیشش سر ہر اندیشۂ — چوں چراغے در درون شیشۂ

هیچ پنهاں می نشد از وے ضمیر — بود بر مضمون دلہا او خبیر
پس ہمی ہنکید با خود زیر لب — در جواب فکرتم آں بو العجب
کہ چنیں اندیشئے از بہر لوک — کیف تلقی الرزق ان لم یرزقوک
من نمی کردم سخن را فہم لیک — بر دلم می زد عتابش نیک نیک
سوئے من آمد بہیبت ہمچو شیر — تنگ ہیزم را نہاد از پشت زیر
پرتو حالے کہ او ہیزم نہاد — لرزہ بر ہفت عضو من فتاد
گفت یا رب گر ترا خاصان حی اند — کہ مبارک دعوت و فرخ پے اند
لطف تو خواہم کہ میناگر شود — ایں زماں ایں تنگ ہیزم زر شود
در زماں دیدم کہ زر شد ہیزمش — ہمچو آتش بر زمین می تافت خوش
من دراں بیخود شدم تا دیر گہ — چونکہ با خویش آمدم من از ولہ
بعد ازاں گفت ای خدا گر آں کبار — بس غیور اند و گریزاں ز اشتہار
باز ایں را بند ہیزم ساز زود — بے توقف ہم براں حالے کہ بود
در زماں ہیزم شد آں اغصان زر — مست شد در کار او عقل و نظر
بعد ازاں برداشت ہیزم را و رفت — سوئے شہر از پیش من او تیز و تفت
خواستم تا در پے آں شہ روم — پرسم از وے مشکلات و بشنوم
بستہ کرد آں ہیبت او مر مرا — پیش خاصاں رہ نباشد عامہ را
ور کسے را رہ شود گو سر فشاں — کاں بود از رحمت و از جذب شاں
پس غنیمت دار آں توفیق را — چوں بیابی صحبت صدیق را

نے چو آں ابلہ کہ یابد قرب شاہ | سہل و آساں در فتد آندم ز راہ
چوں ز قربانی دہندش بیشتر | پس بگویدراں گاو ست ایں مگر
نیست ایں از راں گاوای مفتری | راں گاو ت مے نماید از خری
بذل شاہان است ایں بے رشوتے | بخشش محض است ایں از رحمتے

سلیمان علیہ السلام کا قاصدوں کو واپس جانے اور بلقیس کی ہجرت کی حرص دلانا

ہمچنانکہ شہ سلیماں در نبرد | جذب فیل و شکر بلقیس کرد
کہ بیائید اے عزیزان زود زود | کہ بر آمد موجہا از بحر جود
سوئے ساحل می فشاند بے خطر | جوش موجش ہر زمانے صد گہر
الصلا گفتیم اے اہل رشاد | کایں زماں رضواں در جنت کشاد
پس سلیماں گفت اے پیکان روید | سوئے بلقیس و بدیں دیں بگروید
پس بگوئیدش بیا اینجا تمام | زود کان اللہ یدعو الی السلام
ہیں بیا اے طالب دولت شتاب | کہ فتوح ست ایں زمان و فتحیاب
اے کہ تو طالب نہ تو ہم بیا | تا طلب یابے ازاں یار وفا
ملک برہم زن تو ادہم وار زود | تا بیابے ہمچو او ملک خلود

ایک فقیر نے اثنائے گفتگو میں بیان کیا کہ میں نے خضر علیہ السلام کی طرح کچھ اصحاب خدمت اہل اللہ کو خواب میں دیکھا اور میں نے اُن سے سوال کیا کہ روزی حلال جو کہ وبال جان نہو میں کہاں سے کھاؤں اسپر وہ مجھے پہاڑوں میں لیگئے اور ایک بن میں سے کچھ میوے گرائے۔ اور کہا کہ تو خدائے تعالیٰ نے ہماری دعاؤں کی برکت سے تمہاری

منہ میں ان میوونکو شیریں کردیا۔ (ایک کیمیاگری تو یہ ہوئی) تم انہیں کھاؤ کہ یہ حلال
اور بیحساب ہیں۔ نہ انکی تحصیل میں کوئی دردسر اور نہ انتقال مکانی کہ اوپر جاؤ اور
نیچے آؤ۔ (مراد نفی مشقت کسب ہے) یہ خواب دیکھکر میں نے وہ میوے کھانے شروع کئے اور
اس رزق حلال کے کھانے سے مجھ میں وہ قوت گویائی پیدا ہوگئی کہ میری گفتگو کی
لذت عقلونکو کھوئے دیتی تھی (دوسری کیمیاگری یہ ہوئی) یہ دیکھکر میں نے حق سبحانہ
سے دعا کی کہ اے اللہ یہ تو میرے لئے فتنہ کا سبب ہے۔ آپ مجھے ایسا عطیہ فرمائیں۔
جس کی کسی کو خبر نہو۔ سو میری یہ دعا مقبول ہوئی اور وہ گویائی مجھسے جاتی رہی
(تیسری کیمیاگری یہ ہوئی) مگر اسکے عوض قلب پاکیزہ مجھے عطا ہوا۔ (چوتھی کیمیاگری
یہ ہوئی) جسکی لذت سے میں انار کی طرح کھلتا تھا اور کہتا تھا کہ بہشت میں سوائے
اس خوشی کے جو کہ میری طبیعت میں ہے اگر اور کوئی چیز نہو تو مجھے اور کسی نعمت کی
آرزو نہو اور اگر لذائذ جسمانیہ بھی وہاں ہوں تو میں اسے چھوڑ کر ان میں کبھی مشغول
نہوں۔ یہ قصہ تو ہوچکا اب سنو کہ میرے پاس میری کمائی کے کچھ دام باقی تھے۔ جو
میرے جبہ کی آستین میں سلے ہوئے تھے۔ اتفاقاً ایک فقیر لکڑیاں لئے ہوئے بن سے
تھکا ماندہ آرہا تھا اسکی حالت دیکھکر میں نے اپنے جی میں کہا کہ میں تو رزق کیطرف
سے بیفکر ہوں یہ کچھ دام ہیں میں اسے دیدوں اور اس بیچارے تکلیف برداشت
کرنے والے فقیر کے حوالہ کردوں تاکہ دو تین روز کیلئے یہ غذا سے خوش ہوجاوے
وہ میرے خیال کو جانتا تھا کیونکہ اسکی شمع میں شمع الٰہی کا نور تھا۔ جیسا حدیث شریف
میں آیا ہے اتقوا فراسۃ المؤمنین فانہ ینظر بنور اللہ اور اسلئے خیال باطنی
اسکے لئے ایسا تھا جیسا فانوس کے اندر چراغ کہ جسطرح فانوس مانع رویت چراغ
نہیں ہوتا۔ یوں ہی قلب بھی مانع ادراک خیال نہ تھا اور کوئی خیال اس سے
پوشیدہ نہ رہتا تھا۔ کیونکہ وہ تمام دلونکے خیالات پر مطلع تھا۔ (مقصود صرف
اظہار کثرت کشف ہی اور استغراق عرفی ہے نہ کہ حقیقی فتنبہ لہ) پس میرے اس خیال
کو معلوم کرکے وہ حیرت انگیز فقیر میرے خیال کے جواب میں منہ ہی منہ میں کچھ کہتا

تھا میں سمجھتا ہوں کہ وہ یہ کہتا تھا کہ ہیں بادشاہوں کی نسبت تیرا یہ خیال ہے۔ بتا تو
سہی اگر یہ لوگ تجھے رزق نہ دیں تو تو کہاں سے رزق پائے۔ (مقصود یہ ہے کہ تجھے
جو رزق حلال ملا ہے جسکے بھروسے پر تو یہ سخاوت کرنا چاہتا ہے وہ تو ہماری ہی
برکت سے ملا ہے پھر تو ہم کو بھوکا سمجھتا ہے۔ اور یہ معنی نہیں ہیں کہ دنیا بھر کو رزق یہ
ہی لوگ دیتے ہیں) میں اسکی بات کو سمجھتا نہ تھا مگر انکا عتاب میرے دل پر نہایت گہرا
اثر کرتا تھا الغرض وہ شیر کی طرح میری طرف آیا اور لکڑیوں کے گٹھے کو کمر سے نیچے رکھدیا
اس نے جو ایک خاص کیفیت سے اس گٹھے کو رکھا۔ اسکے پرتو سے میرے تمام جسم میں
لرزہ پیدا ہو گیا۔ اس نے لکڑیاں رکھکر دعا کی اور کہا کہ اے اللہ اگر تیرے خاص بندے
زندہ ہیں جو کہ مبارک دعا اور فرخ قدم ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ آپکی عنایت کاریگری
کرے۔ اور اسی وقت یہ لکڑیاں سونا ہو جائیں۔ میں نے دیکھا کہ فوراً وہ لکڑیاں سونا
ہو گئیں (یہ پانچویں کیمیا گری ہے) اور آگ کی طرح زمین پر پڑی دہک رہی تھیں اس
واقعہ سے کچھ دیر تو میں بیخود رہا۔ اسکے بعد مجھے ہوش آیا۔ پس جبکہ مجھے ہوش آیا تو
اس نے کہا کہ اے اللہ اگر وہ تیرے بزرگ بندے بیحد غیرت مند اور شہرت سے بھاگنے
والے ہیں تو پھر تو انکو فوراً ویسی ہی لکڑیاں کر دے جیسی تھیں۔ اس دعا کے بعد وہ
سونیکی سریاں فوراً لکڑیاں ہو گئیں (یہ چھٹی کیمیا گری ہوئی) اُن کے اس کام سے
عقل و فکر بیخود تھے۔ کہ اے اللہ یہ معمولی شخص اور اسکے اندر یہ جوہر بھرا ہوا ہے۔ اسکے
بعد اس نے لکڑیاں اٹھائیں اور میرے آگے آگے شہر کی جانب تیز چال سے چلدیا
میں نے بہت چاہا کہ اسکے پیچھے جاؤں اور اپنی مشکلات کو اسکے سامنے پیش کروں
اور جواب سنوں۔ لیکن اسکی ہیبت نے مجھے باندھ دیا۔ کہیں قدم ہی نہ اٹھا سکا اور
چلتا کیونکہ عوام تو خواص تک پہونچ ہی نہیں سکتے۔ اور اگر کوئی پہونچ جاوے تو اس سے
کہو کہ ارے خوشی سے جھوم کہ یہ انکی رحمت اور انکا جذب ہے۔ اور جبکہ کسی صدیق کی
صحبت نصیب ہو جاوے تو اس توفیق کو غنیمت سمجھ۔ اور اس احمق کی طرح مت ہو جسکو
آسانی سے قرب شاہ میسر ہو جاوے۔ اور وہ اسکی قدر نہ کرے۔ اور راہ راست سے

ہٹ جاوے - اور حیلہ اسکو قربانی میں سے زیادہ حصہ دیں تو وہ اسکی قدر نہ کرے اور کہے کہ یہ ہے ہی کیا یہ تو گائے کی ران ہے - ارے مفتری یہ گائے کی ران نہیں ہے بلکہ تجھے تیری حماقت کے سبب گائے کی ران معلوم ہوتی ہے - یہ عطیہ شاہی ہے جو کہ بے رشوت تجھے ملا ہے اور فرط کرم سے عطائے خالص ہے - تو صورت کو دیکھتا ہے حقیقت کو نہیں دیکھتا - اور یہ ایسی ہی بخشش ہے جیسے سلیمان علیہ السلام نے محض براہ کرم بلقیس اور اسکے لشکر پر کی تھی - کہ انہیں کھینچ لیا تھا - اور کہا تھا کہ جلدی آؤ کہ بحر سخاوت میں موجیں اٹھ رہی ہیں اور ہر موج ساحل پر بے کھٹکے سیکڑوں موتی پھینک رہی ہے اب مولانا جوش میں آکر بنابر استحضار واقعہ فرماتے ہیں کہ طالبین ہدایت کو اعلان عام ہے کہ وہ آئیں اور جنت میں داخل ہوں - کیونکہ اسوقت رضوان نے دروازہ بہشت کھول رکھا ہے - اور ہر شخص کو اندر جانیکی عام اجازت ہے - اور یہ ممکن ہے کہ حضرت سلیمان ہی کا مقولہ ہو مگر خلاف ذوق ہے - خیر تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے قاصدو بلقیس کے پاس جاؤ اور اس دین حق کو قبول کر لو - اور اس سے کہدو کہ بہت جلد ہمارے پاس آ جاؤ کہ اللہ جل جلالہ سلامتی کیساتھ بلا رہے ہیں - اب مولانا پھر جوش میں آتے ہیں اور بنا علی التحضار الواقعہ فرماتے ہیں - اے طالب دولت دیکھ جلد آ کہ اسوقت دولت مفت مل رہی ہے - اور خزانہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے - اور کچھ طالبوں ہی کی تخصیص نہیں بلکہ غیر طالبونکو بھی بلایا جاتا ہے - تاکہ اس یار وفادار (حق سبحانہ) کی طرف سے تمہیں طلب نصیب ہو اور ملک و سلطنت کو ابراہیم بن ادہم کی طرح فوراً درہم برہم کر دے - تاکہ تم کو انکی طرح ملک باقی الی الابد نصیب ہو - اب سلطان ابراہیم بن ادہم کے ترک سلطنت کا واقعہ بیان فرماتے ہیں

شرح شبیری

ایک شخص کا مشائخ کی جماعت کو خواب میں دیکھنا اور ان سے روزی حلال بے کسب کے درخواست کرنا کیونکہ کسب کیوجہ سے

عبادت میں کمی آتی تھی اور اُن حضرات کا ارشاد فرمانا کہ پہاڑی میوے جو تلخ و ترش تھے کھایا کرو اور اس شخص پر اُن حضرت کے ارشاد فرما دینے کی وجہ سے سب میووں کا شیریں ہو جانا،

آں یکے درویش گفت اندر سمر　　خضریانرا من بدیدم خواب در

یعنی ایک درویش نے باتوں میں یہ بیان کیا کہ میں نے اولیاء اللہ کو خواب میں دیکھا ہے (اولیاء اللہ کو بوجہ اُن کے رہبر اور رہنما ہونیکے خضریاں کہدیا ہے)

گفتم ایشانرا کہ روزی حلال　　از کجا نوشم کہ نبود آں وبال

یعنی میں نے اُن سے عرض کیا حلال روزی میں کہاں سے کھاؤں جو وبال (جان) نہو۔

مر مرا سوئے کہستاں راندند　　میوہا زاں بیشہ می افشاندند

یعنی مجھے کوہستان کی طرف لے چلے اور میوے اُس جنگل کے جھاڑنے لگے (اور یہ دعا فرمائی کہ)

کہ خدا شیریں بگرداں میوہ را　　در دہاں تو بہمتہائے ما

یعنی کہ حق تعالیٰ میووں کو تیرے منہ میں شیریں کر دے ہماری دعاؤں سے مطلب یہ کہ خواب میں پہاڑی میوے اونھوں نے جھاڑے اور یہ دعا کی کہ خداوند کریم ان میووں کو تیرے منہ میں شیریں بنا دے کیونکہ وہ سب میوے تلخ تھے۔ اور اس دعا کی بعد یہ فرمایا کہ

ہیں بخور پاک و حلال و بیحسیب　　بے صداع نقل و بالا و نشیب

یعنی ہاں پاک اور حلال اور بیحساب کھا۔ بلا دردسری اور اوپر نیچے چڑھنے اوترنے کے مطلب یہ کہ چونکہ اس شخص نے دعا کی تھی کہ ایسی حلال روزی ملے کہ کچھ کرنا نہ پڑے تو اُن بزرگوں نے ارشاد فرمایا کہ بس یہ میوے جو حلال و پاک ہیں کھا لیا کرو اور

یہیں پہاڑ ہی میں عبادت کیا کرو تو تم کو نہ کہیں جانا پڑے نہ آنا پڑے۔ آرام سے کھایا کرو۔ یہانتک تو جواب تھا آگے فرماتے ہیں کہ۔

پس مرا زاں رزق نطقے رو نمود ذوق نطق من خردہا در ربود

یعنی پس مجھے اوس رزق سے ایک ایسی گویائی نے منہ دکھلایا کہ میرے نطق کا ذوق عقلونکو ربودہ کرتا تھا۔ مطلب یہ کہ اُن میووں کے کھانے سے انکی گفتگو میں ایسی دلربائی پیدا ہو گئی کہ جو سُنتا بس فریفتہ ہو جاتا۔ اور ظاہر ہے کہ اسمیں بیحد شہرت ہوتی ہے۔ تو اسپر انھوں نے دعا کی کہ

گفتم ایں فتنہ است اے رب جہاں بخششے دہ از ہمہ خلقاں نہاں

یعنی میں نے دعا کی کہ اے پروردگار عالم یہ تو فتنہ ہے کوئی بخشش تمام مخلوق سے پوشیدہ عطا فرمایئے۔ مطلب یہ کہ انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ یہ تو فتنہ ہو گیا کہ لوگ بڑا ماننے لگے ہیں آپ اس سے بچا کر کوئی کمال ایسا عطا فرمایئے کہ جسمیں کسیکو خبر ہو اور نہ شہرت ہو بس اس دعا کے بعد یہ ہوا کہ۔

شد سخن از من و دل خوش یافتم چوں انار از ذوق می بشگافتم

یعنی کلام تو مجھسے جاتا رہا اور ایک خوش دل میں نے پالیا۔ کہ انار کی طرح لذت سے میں پھٹا پڑتا تھا۔

گفتم از چیزے بباشد در بہشت غیر ایں شادی کہ دارم در سرشت

یعنی میں کہا کرتا تھا کہ اگر کوئی چیز بہشت میں سوائے اس خوشی کے جسکو میں خمیر میں کہتا ہوں ہو

ہیچ نعمت آرزو ناید دگر زیں نپردازم بحوز و نیشکر

یعنی کسی دوسری نعمت کی آرزو نہ آویگی اور اسکو چھوڑکر جوز و نیشکر میں مشغول نہوں مطلب یہ کہ اُس فرحت کی وجہ جو مجھے اُس نطق کے ازالہ کے بعد حاصل ہوئی تھی یہ کیفیت تھی کہ میں پھٹا پڑتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ میاں جنت میں اگر کوئی نعمت ہی سوائے اسکے نہو بس یہ فرحت اور سرور ملجاوے تو بھائی ہم تو اور کسی نعمت کی بھی آرزو نہ کریں بس اسی میں مگن اور خوش رہیں۔ تو دیکھئے ان بزرگوں کی برکت سے جنکو انھوں نے خواب میں دیکھا کیسی تبدیلی ہو

ماہیت ہو گئی کہ تلخ شے شیریں ہو گئی۔ اور یہاں چونکہ اس امر کو بیان کیا ہے کہ یہ شہرت سے بچے اور انھوں نے دعا کی کہ اے اللہ مجھے اس شہرت سے نجات دے۔ جو انکو اُس وعظ وغیرہ کی سبب سے ہو گئی تھی تو آگے ایک اور قصہ ان ہی بزرگ کا ایک اور بزرگ کیساتھ بیان فرماتے ہیں جس سے اس تبدیل ماہیت کی بھی تائید ہوتی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی شہرت سے بچتے تھے۔ اور گھبراتے تھے۔ آگے قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

درویش (مذکور) کا یہ نیت کرنا کہ کچھ پیسے اس لکڑہاری کو دیدوں جبکہ مجھے روزی حلال میسّر ہو گئی ہے اور اُس لکڑہاری کا اسبابت رنجیدہ ہونا،

ماندہ بود از کسب یک دو حبّہ ام ... دوختہ در آستین جبّہ ام

یعنی کسب میں سے میرے پاس دو ایک حبہ میرے جبہ کی آستین میں سلے ہوئے رہ گئے تھے

مطلب یہ کہ وہی مذکور شخص جنکے لئے پہاڑی میوے شیریں ہو گئے تھے فرماتے ہیں کہ میرے جبہ کی آستین میں پہلے جو میں کسب کیا کرتا تھا اُمیں سے دو چار پیسے سلے ہوئے رہ گئے تھے اور میں نے یہ دیکھا کہ۔

آں یکے درویش ہیزم می کشید ... خستہ و ماندہ ز بیشہ در رسید

یعنی ایک غریب آدمی جو لکڑیاں ڈھویا کرتا تھا کا ماندہ جنگل سے پہونچا۔

پس بگفتم من ز روزی فارغم ... زیں سپس از بہر رزقم نیست غم

یعنی پس میں نے (دل میں) کہا کہ میں تو روزی سے فارغ ہوں اور اس (قصہ) کے بعد مجھے رزق کا کوئی غم نہیں۔ (کیونکہ)

میوۂ مکروہ بر من خوش شد است ... رزق خاصے جسم را آمد بدست

یعنی ناگوار میوے میرے لئے خوشگوار ہو گئے ہیں اور جسم کیلئے ایک خاص رزق ہاتھ میں آگیا ہے۔

چونکہ من فارغ شدستم از گلو ... حبّۂ چند است من بدہم بدو

یعنی جب میں گلے سے فارغ ہو گیا ہوں تو یہ چند پیسے ہیں اسی کو دیدوں۔

بدہم ایں زر را بدیں تکلیف کش تا دو سہ روزک بود از قوت خوش

یعنی اس زر کو اس تکلیف کھینچنے والی کو دیدوں تاکہ دو تین روز کیلئے وہ روزی سے خوش ہو جاوے۔ مطلب یہ کہ یہ جارہے تھے تو ایک لکڑہارے کو دیکھا کہ بیچارہ جنگل سے آیا ہے لکڑیاں سر پر ہیں اور بہت ہی تھکا ماندہ ہے انھوں نے سوچا کہ اب مجھے تو روزی کی فکر ہے ہی نہیں مجھے تو بیفکری سے روزی ملجاتی ہے۔ اس غریب پر سخت مصیبت سے گذرتی ہے لاؤ وہ پیسے اسکو ہی دیدیں انھوں نے دل میں یہ سوچا اور وہ صاحب کشف تھے انکو انکا یہ خیال معلوم ہو گیا اسی کو آگے فرماتے ہیں کہ۔

خود ضمیرم را ہمی دانست او زانکہ شمعش داشت نور از شمع ہو

یعنی خود وہ میرے دل کی بات کو جانتے تھے اسلئے کہ انکی شمع شمع ہو سے نور رکھتی تھی یعنی چونکہ انکو نور باطن نصیب تھا اسلئے انھوں نے میرے ما فی الضمیر کو معلوم کر لیا۔ اور انکی ایسی حالت تھی کہ۔

بود پیشش سر ہر اندیشۂ چوں چراغے در درون شیشۂ

یعنی انکے آگے ہر خیال کا بھید مثل چراغ کے تھا جو کہ شیشہ میں ہو۔ مطلب یہ کہ جسطرح کہ چراغ لال ٹین میں رکھا ہوا باوجود اندر ہونیکے باہر سے نظر آتا ہے اسیطرح انکو دل کی باتیں باوجود انکے اندر ہونیکے معلوم ہو جایا کرتی تھیں۔

ہیچ پنہاں می نشد از وے ضمیر بود بر مضمون دلہا او خبیر

یعنی اسپر کوئی پوشیدہ بات چھپی نہیں تھی۔ اور وہ قلوب کے مضمون پر واقف تھے مطلب کہ انکا کشف بہت ہی بڑھا ہوا تھا لہذا انھوں نے انکے اس خیال کو بھی معلوم کر لیا۔ اور پھر یہ ہوا کہ

پس ہمی منکید با خود زیر لب در جواب فکرتم آں بو العجب

یعنی پس وہ بوالعجب آپ ہی آپ زیر لب چپکے چپکے میرے خیال کے جواب میں کچھ کہنے لگے (منکیدن زیر لب آہستہ سخن گفتن بوجہیکہ دیگر نشنود) اور وہ یہ فرما رہے تھے کہ۔

کہ چنیں اندیشی از بہر ملوک کیف تلقی الرزق ان لم یرزقوک

یعنی کہ بادشاہوں کے لئے ایسی بات سوچتا ہے اگر وہ تجھے رزق نہ دیں تو تجھے رزق کسطرح ملے

مطلب یہ کہ انھوں نے فرمایا کہ ایسی باتیں ایسے لوگوں کیلئے (یعنی ہمارے لئے) سوچتے ہو جو کہ بادشاہ (باطن) ہیں بلکہ یہاں تک ہے کہ تم کو بھی رزق ان ہی کی برکت سے ملتا ہے اور تمکو رزق ملنے کے بھی وہی سبب ہیں۔ تو بھلا جب تم کو بھی اُن ہی کی بدولت رزق ملتا ہے تو تم کس منہ سے کہتے ہو کہ ہم انکو دیدیں اور ان لم یرزقوک میں اضافت سبب کیطرف ہے کیونکہ دنیا میں جو نعمتیں ہوتی ہیں یہ بزرگوں اور اولیاء اللہ کی بدولت ہی تو ہوتی ہیں اگرچہ انکو خبر بھی نہو کہ ہم سے فلاں فیض تکوینی ہو رہا ہے۔ جیسا کہ سورج کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ میرا نور کس کس جگہ پڑ رہا ہے لیکن نور ہے کہ سب کو منور کر رہا ہے۔ اسی طرح حضرات اولیاء اللہ کو اگرچہ بعض اوقات خبر بھی نہیں ہوتی۔ کہ ہم سے یہ فیض ہوا ہے۔ لیکن بہت سے فیوض اُن ہی کی برکت سے پہنچتے ہیں تو یہ مثلاً اُسکے سبب رزق ہیں کہ انکی وجہ سے رزق دیا جا رہا ہے لیکن خود رزاق نہیں ہیں اسی لئے کہا گیا کہ اضافت سبب کی طرف ہے۔ خوب سمجھ لو آگے فرماتے ہیں کہ۔

من نمی کردم سخن را فہم لیک ۔۔۔ بردلم میزد عتابش نیک نیک

یعنی میں بات کو سمجھتا نہ تھا لیکن میرے دل پر انکا عتاب خوب خوب اثر کر رہا تھا۔

سوئے من آمد بہ ہیبت ہمچو شیر ۔۔۔ تنگ ہیزم را نہاد از پشت زیر

یعنی میری طرف ہیبت کیساتھ شیر کی طرح آئے اور لکڑیوں کے گٹھے کو کمر سے نیچے رکھدیا۔ مطلب یہ کہ اول تو کچھ منہ ہی منہ میں کہتے رہے اور اسکے بعد گٹھا سر پر سے نیچے رکھکر انکی طرف آئے تو اب یہ کہتے ہیں کہ۔

پرتو حالے کہ او ہیزم نہاد ۔۔۔ لرزہ بر ہفت عضو من فتاد

یعنی اُس حالت کے اثر سے جس سے کہ اونھوں نے لکڑیاں رکھی تھیں میرے ساتوں اعضاء میں لرزہ پڑ گیا۔ مطلب یہ کہ انھوں نے جو لکڑیاں جوش میں سر سے اتاریں تو اسوقت ان پر جو حالت تھی اُسکے اثر سے میں کانپ اٹھا۔ اسکے بعد انھوں نے یہ دعا کی کہ۔

گفت یارب گر ترا خاصان ہی اند ۔۔۔ کہ مبارک دعوت و فرخ پے اند

یعنی اُن لکڑہاری صاحب نے دعا کی کہ اے اللہ اگر آپکے خاص لوگ (اولیاء) زندہ ہیں

جو کہ مبارک دعا اور مبارک قدم ہیں۔

لطف تو خواہم کہ میناگر شود　　　　این زمان این تنگ ہیزم زر شود

یعنی میں چاہتا ہوں کہ آپکا لطف کیمیا گر ہو اور یہ لکڑیوں کا گٹھا سونا ہو جاوے۔
مطلب یہ کہ انھوں نے دعا کی کہ اے اللہ اگر تیرے اولیا موجود اور زندہ ہیں جو کہ مقبول الدعوات اور مبارک قدم ہیں تو میرا دل چاہتا ہے کہ انکی برکت سے اس لکڑیوں کے گٹھر کو سونیکے گٹھر سے بدل دیجئے۔ اور ان سبکو سونا کر دیجئے۔ آگے یہ پہاڑی فقیر صاحب کہتے ہیں کہ۔

در زمان دیدم کہ زر شد ہیزمش　　　　ہمچو آتش بر زمین می تافت خوش

یعنی میں نے اسی وقت دیکھا کہ انکی لکڑیاں سونا ہو گئیں اور آگ کی طرح زمین پر (رکھی ہوئی) چمک رہی تھیں۔

من دران بیخود شدم تا دیر گہ　　　　چونکہ با خویش آمدم من از ولہ

یعنی میں اسمیں دیر تک بیخود رہا اور جب میں حیرانی سے آپے میں آیا (تو یہ ہوا کہ)

بعد ازان گفت اے خدا گر آن کبار　　　　بس غیورند و گریزان ز اشتہار

یعنی اسکے بعد انھوں نے عرض کیا کہ اے خدا اگر وہ حضرات بہت غیور ہیں اور مشہور ہونے سے بھاگتے ہیں۔

باز این را بند ہیزم ساز زود　　　　بے توقف ہم بران حالے کہ بود

یعنی پھر اسکو جلدی سے لکڑیوں کی گٹھری بلا توقف کے اسی حالت پر جسپر کہ تھی بنا دیجئے۔
مطلب یہ کہ اول جو انھوں نے دعا کی تو انکی لکڑیاں ساری سونے کی ہو گئیں اسکو دیکھکر ان پہاڑی صاحب کو سخت حیرت ہوئی۔ اور یہ کچھ دیر کیلئے عالم بیخودی میں آ گئے خیر جب انکو اس حالت سے افاقہ ہوا اور کچھ انکو ہوش آیا تو انھوں نے سنا کہ وہ یہ فرما رہے ہیں کہ اے اللہ اگر تیرے خاص بندے شہرت سے بھاگتے ہیں اور انکو مشہور ہونے سے غیرت آتی ہے تو آپ ان لکڑیوں کو جو کہ سونیکی ہو گئی ہیں پھر لکڑیاں ہی بنا دیجئے۔ کیونکہ اگر یہ اسی طرح رہیں گی تو لوگ دیکھیں گے کہ یہ انکی دعا سے سونے کی ہو گئی ہیں۔ تو وہ مجھے بزرگ ماننے لگیں

انکا یہ دعا کرنا تھا کہ وہ پھر لکڑیاں ہو گئیں اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

در زماں ہیزم شد آں اغصان تر — مست شد در کار او عقل و نظر

یعنی وہ سونیکی شاخیں اسی وقت لکڑیاں ہو گئیں اور اُن کے کام میں عقل و نظر مست تھے یعنی یہ بات نہ تو کچھ سمجھ میں ہی آتی تھی اور نہ ان آنکھوں سے کچھ دکھائی دیتا تھا بس حیرت ہی حیرت تھی۔

بعد ازاں برداشت ہیزم را و رفت — سوئے شہر از پیش من او تیز و تفت

یعنی اسکے بعد انھوں نے لکڑیاں اٹھائیں اور شہر کی طرف میرے سامنے سے تیز اور جلدی سے چلدیئے۔

خواستم تا در پئے آں شہ روم — پرسم از وے مشکلات و بشنوم

یعنی میں نے چاہا کہ ان شاہ صاحب کے پیچھے چلوں اور ان سے مشکلات (طریق) پوچھوں اور سنوں

بستہ کرد آں ہیبت او مر مرا — پیش خاصاں رہ نباشد عامہ را

یعنی انکی ہیبت نے مجھے بستہ کر دیا (مولانا فرماتے ہیں کہ) خاصان حق کے آگے عوام کو راہ نہیں ہوتی۔ مطلب یہ کہ جب دوبارہ انھوں نے دعا کی کہ ای اللہ انکو پھر لکڑیاں بنا دے تو وہ پھر لکڑیاں ہو گئیں۔ بس انکو لیکر شہر کی طرف کو روانہ ہو گئے تاکہ انکو فروخت کریں دیکھئے اس قصہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرات اولیاء اللہ کا فقر اختیاری ہوتا ہے اضطراری نہیں ہوتا بھلا دیکھئے کہ اگر اس لکڑیوں کے گٹھر کو جو سونا ہو گیا تھا یہ خرچ کرتے اور کام میں لاتے تو کیا شے مانع تھی اور کس مزہ کی زندگی کہ جب خرچ کم ہوا فوراً لکڑیاں جمع کیں اور سونا بنا لیا کیا کوئی کیمیا گر کر سکتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں کیا۔ بلکہ وہی لکڑیاں لیکر بازار کو چلدیئے۔ اب وہاں جاکر انکو فروخت کریں گے جھگڑا کریں گے لڑیں گے اسکے بعد فروخت کر کے پھر اسکو کام میں لاوینگے یہی تو سنت ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ارشاد خداوندی ہوا کہ اُحد کو سونا بنا دیا جاوے تو آپ نے یہی فرمایا کہ نہیں یا اللہ بس یہ چاہتا ہوں کہ ایک روز پیٹ بھر کر ملے تو شکر کروں اور ایکروز فاقہ ہو تو صبر کروں غرضکہ وہ لکڑیاں اٹھاکر چلدیئے تو انھوں نے چاہا کہ انکے ساتھ ہولوں۔ کہ ایسا بزرگ پھر کب ملتا ہے ان سے سلوک کے

متعلق جو مشکلات پیش آرہی ہیں انکو حل کروں یہ ارادہ کرکے انھوں نے چلنے کا قصد کیا ہی تھا کہ انکی ہیبت کی وجہ سے انکا قدم ہی آگے کو نہ اوٹھ سکا اور یہ وہیں دیکھتے کے دیکھتے رہگئے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ بھلا خاصان خدا کے آگے عوام لوگ کیا چل سکتے ہیں عوام کو حضرات اولیا اللہ تک رسائی ہونا ظاہر ہے کہ سخت مشکل ہے۔ کیونکہ وہ شاہان باطن ہیں ایک فقیر کو بادشاہوں تک رسائی ظاہر ہے کہ مشکل ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ور کسے را رہ شود گوشہ فشاں کان شود از رحمت و از جذب شاں

یعنی در اگر کسی کو رسائی ہوجاوی تو کہدے کہ سر قربان کردے۔ کیونکہ وہ انکی رحمت و انکے جذب سے ہوا ہے۔

پس غنیمت دار آں توفیق را چوں بیابی صحبت صدیق را

یعنی اس توفیق کو غنیمت سمجھو جبکہ کسی صدیق کی صحبت تم کو ملجاوے۔

نے چو آں ابلہ کہ یابد قرب شاہ سہل و آساں در فتد آندم ز راہ

یعنی اس بیوقوف کیطرح نہو جاوی کہ جس نے قرب شاہی آسانی سے پالیا تو اسوقت راستہ ہی میں پڑ جاوے۔

چوں ز قربانی دہندش بیشتر پس بگوید ران گاو است ایں مگر

یعنی جب اسکو قربانی میں سے بہت سا دیں تو یوں کہے کہ شاید گائے کی ایک ران ہے (مولانا فرماتے ہیں کہ)

نیست ایں از گاو ران اے مفتری ران گاو ت می نماید از خری

یعنی اے بہتان لگانیوالے یہ ران گاؤ سے نہیں ہے تجھے گدھے پن سے ران گاؤ معلوم ہوتی ہے

بذل شاہان است ایں بے رشوتے بخشش محض است ایں از رحمتے

یعنی یہ تو بلا کسی رشوت کے بادشاہوں کی عطا ہے اور رحمت کی وجہ سے بخشش محض ہے مطلب یہ ہے کہ مولانا فرماتے ہیں کہ اول تو کسی کو حضرات اولیا اللہ تک رسائی نہیں ہوتی یہ حضرات کسی کو منہ نہیں لگاتے۔ اور اگر کسی کو رسائی ہوجاوے اور وہ حضرات کسی پر عنایت فرماویں تو اسکو چاہیئے کہ بس اپنے کو قربان کردے۔ اور انکی صحبت میں رٹ جاوے۔ اور فنا ہوجاوے۔ اور اس بیوقوف کیطرح نہو جاوے جسکو کہ آسانی سے قرب شاہی نصیب ہوگیا تھا اور وہ وہیں مچل گیا اور راستہ ہی میں بیٹھ گیا کہ اب مجھے کوشش کرنیکی کیا ضرورت ہے میں تو بڑے

درجہ کا آدمی ہو گیا۔ اور پھر اگر اُسکو عطائے شاہی ہوئی اور اُسکو کچھ عنایت ہو (ران گاؤ بطور مثال کے ہے معنی یہی کہ اُسکو کچھ ملا) تو اُسکو بوجہ تاکے حقیر سمجھنے لگا اور کہنے لگا کہ صرف فلاں چیز ملی ہے اور ملا ہی کیا ہے اسی طرح اگر حضرات اہل اللہ کچھ توجہ و عنایت فرماویں تو اُسپر اتراوے نہیں اور اُسکو اپنے کئے کا ثمرہ نہ سمجھے بلکہ صرف عنایت ہی عنایت سمجھے کہ خدا کی رحمت ہے کہ اُن کے قلوب کو میری طرف باوجود میرے نالائق ہونیکے اسطرح متوجہ فرما دیا اور اُن حضرات کا شکریہ ادا کرے کہ وہ اسکی طرف توجہ فرماتے ہیں اور تھوڑی توجہ کو بھی بہت جانے۔ اور حق تعالیٰ کا پھر اُنکا شکریہ ادا کرے۔ کہ ارشاد ہے کہ ان شکرتم لازیدنکم کیونکہ وہ جو کچھ عنایت و نوازش و توجہ فرماتے ہیں تمہیں اُنکی تو کوئی ذاتی غرض ہے ہی نہیں بلکہ محض عنایت و نوازش ہے کہ وہ توجہ فرماتے ہیں۔ تم نے اُنکو کونسا فائدہ پہونچایا ہے کہ جسکی عوض میں وہ تمہارے اوپر عنایت فرماتے ہیں اور اگر کوئی صاحب نذرانہ وغیرہ دیکر خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے فلاں بزرگ کی اسقدر خدمت کی اسلئے وہ متوجہ ہیں تو ذرا خود انصاف کرلو اور گریبان میں منہ ڈالکر دیکھ لو کہ کیا تم دل سے اُس خدمت اور دینے کو عوض سمجھتے ہو اور کیا وہ اُنکی ان توجہات کا بدلا ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ وہ جو کچھ بھی کریں اُنکی عنایت ہے اور بہت ہے۔ اور تم جتنا بھی کرو تمہارا فرض منصبی ہے اور کم ہے خوب کہا ہے کہ ؎

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی　　منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

خبر بھی ہے کہ اُنکو تم لوگوں سے ملنے میں اور تم سے اختلاط کرنے میں کیسی کچھ کلفت ہوتی ہے کچھ تھوڑا سا اندازہ اُنکی کلفت کا اس مثال سے ہو جاویگا کہ مثلاً کسی کا محبوب ہے اور وہ اُسکو دیکھ رہا تھا اور وہ اُسکے دیدار میں محو تھا کہ محبوب نے یہ حکم دیا کہ دیکھو اس طرف جو ہمارا ایک غلام حبشی بیٹھا ہے اسکو دیکھو تو اگرچہ اسوقت اُس محب کی توجہ اس غلام کی طرف بالمجبوری ہے اور اُسکے حکم سے ہی ہے اور وہ جانتا ہے کہ جب میں نے محبوب کا کہا مانا ہے تو اُسکو میرے اوپر عنایت بھی زیادہ ہو جاویگی لیکن پھر بھی کوئی اُسکے دل سے پوچھے کہ اُسپر کیا گذری ہے کیا وہ اس حالت کو اُس حالت سے افضل جانے گا جسمیں کہ وہ مشاہدۂ محبوب میں مشغول تھا۔ ہرگز نہیں اسکو اسمیں سخت سے سخت کوفت ہو رہی ہے لیکن صرف اسلئے کہ حکم ہے اس طرف

متوجہ ہو رہا ہے۔ اسی طرح جو اولیاء اللہ ایسے ہیں کہ جنکے سپرد تربیت خلق کر دیگئی ہے وہ خلق کی طرف متوجہ ہیں۔ اور حکم حق بجالا رہے ہیں اور ذرا چون وچرا نہیں کرتے بظاہر خوش بھی معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر اُنکے دل سے پوچھو تو وہ یہی کہیں گے کہ اگرچہ اسوقت بوجہ حکم محبوب کے یہی حالت افضل ہے اور ہم اسی میں لگے ہوئے ہیں اور اسی پر راضی ہیں لیکن طبعی طور پر یہی چاہتے ہیں کہ بس ہم ہوں اور جمال محبوب ہو۔ اور کہیں گے کہ اگرچہ یہ بھی واسطہ ہیں مشاہدہ حق کے لیکن ع شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری + غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری بس اب اس سے اندازہ کر لو کہ ایسا شخص جو اسطرح متوجہ کر دیا گیا ہو اُسکی ذرا سی توجہ بھی غنیمت ہے۔ ہمکو تو اُسکی ذرا سی توجہ کو بھی غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ اور اُسکو چاہیئے کہ وہ حق تعالیٰ کے حکم پوری طرح بجالاوے۔ اور وہ بجالاتے ہیں لیکن ہم کو اُن سے اسکا متوقع رہنا کہ وہ ہماری خوشامد کریں اور ہماری قدر و منزلت کریں سخت سے سخت بیوقوفی ہے غرضکہ اُن تک اگر رسائی ہو جاوے۔ تو اُسکو غنیمت سمجھے اور پھر اُسکے حقوق حتی الوسع ادا کرے اور اس رسائی کو اور اپنی طلب کو اُن ہی کا جذب سمجھے اور اُن ہی کی برکت خیال کرے ورنہ اگر وہ جذب نکریں تو سچ یہ ہے کہ اُسکے اندر طلب بھی باقی نہ رہے جیسا کہ بزرگوں کے قصوں سے صاف ظاہر ہے بوجہ تطویل کے مضمون کو بیان نہیں کیا گیا ہے بیحد مشہور ہیں آگے مولانا یہ بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو جسطرح کہ سلیمان علیہ السّلام نے بلقیس کو اور اُن کے لشکر کو دعوت اسلام دی تھی اور انکو بلایا تھا تو وہ سب سلمان ہو گئے تو یہ اُنکا اسلام کیطرف میلان صرف حضرت سلیمان علیہ السّلام کی توجہ کی برکت سے تھا۔ کہ اُنھوں نے چاہا کہ وہ مسلمان ہو جاویں۔ ورنہ اگر اُنکا دل نہ چاہتا تو وہ اسلام ہی نہ لاتے اور اُنکو اسطرف توجہ ہی نہوتی خوب سمجھ لو۔

سلیمان علیہ السلام کا قاصدوں کو واپس جانے اور بلقیس کے ہجرت کی حرص دلانا،

ہمچنانکہ شہ سلیماں در نبرد | جذب خیل و لشکر بلقیس کرد

یعنی جسطرح کہ شاہ سلیمان علیہ السّلام نے مقابلہ کے وقت بلقیس کے خیل و لشکر کو جذب کیا اور فرمایا کہ

کہ بیائید ای عزیزان زود زود　　که برآمد موجہا از بحر جود

یعنی کہ اے عزیزو جلدی جلدی آؤ کہ جود حق کے دریا میں سے موجیں نکل رہی ہیں۔

سوے ساحل می فشاند بیخطر　　جوش موجش ہر زمانے صد گہر

یعنی ساحل کی طرف بلا کسی خطرہ کے اسکی موج کا جوش ہر گھڑی سیکڑوں موتی ڈال رہا ہے
مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے لوگو جلدی دوڑو کہ اسوقت موج رحمت
جوش میں ہے اور فیوض و برکات نازل ہو رہے ہیں لہذا جلدی سے آکران فیوض سے دامن بھرلو۔

الصّلا گفتیم اے اہل رشاد　　کایں زماں رضواں در جنت کشاد

یعنی اے اہل رشاد ہم نے منادی کردی ہے کہ اسوقت رضوان نے جنت کا دروازہ کھول دیا ہے
مطلب یہ کہ اسوقت فیوض و برکات نازل ہو رہے ہیں چلو اور لوٹو۔

پس سلیمان گفت ای پیکاں روید　　سوئے بلقیس و بدین دین بگروید

یعنی پھر سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے قاصدو بلقیس کیطرف لوٹ جاؤ اور اس دین
کی طرف گرویدہ کرو۔

پس بگوئیدش بیا اینجا تمام　　زود کان اللہ یدعو با السلام

یعنی پھر اس سے کہو کہ یہاں جلدی سے بالکل آجاوے۔ کہ اللہ تعالیٰ سلامتی کی طرف بلا رہے
ہیں (کان اللہ یدعو اصل میں کہ ان اللہ یدعو تھا۔ ہمزہ کو قرأت میں گرادیا گیا ہے) آگے مولانا
فرماتے ہیں کہ۔

ہیں بیا ای طالب دولت شتاب　　کہ فتوح است ایں زمان و فتح باب

یعنی کہ ہاں ای دولت کے طالب جلدی سے آجا کہ اسوقت فتوح ہیں اور فتح باب ہے۔ مطلب
یہ کہ طالب سے فرماتے ہیں کہ یہاں آجاؤ اسوقت فیوض و برکات سے مالامال ہو جاؤ جسطرح
کہ سلیمان علیہ السلام اپنے زمانہ میں بلا رہے ہیں تمہارے زمانہ میں بھی تمہارے لئے سلیمان
موجود ہیں انکے پاس جاؤ اور مالامال ہو جاؤ۔ اور اپنے مطلوب حاصل کرلو۔ یہ تو طالب کو ارشاد
تھا آگے غیر طالب کو خطاب ہے کہ۔

اے کہ تو طالب نۂ تو ہم بیا　　تا طلب یابی ازاں یار وفا

یعنی ای وہ شخص جو کہ طالب نہیں ہے۔ تو بھی آجا۔ تاکہ تو اُس یار وفا سے طلب پاوے۔
مطلب یہ کہ مولانا جوش میں فرماتے ہیں کہ یہاں جو طالب ہیں وہ آویں گے تو اُن کو اُنکا مطلوب
ملجاویگا اور جو طالب نہیں ہیں وہ بھی آجاویں کہ ان حضرات کے فیض صحبت سے اُن میں طلب
پیدا ہوجاویگی۔ غرضکہ طالب ہو تو مقصود کے حصول کیلئے آجاؤ اور اگر طلب ہی نہیں ہے
تو طلب پیدا کرنے کیلئے آجاؤ ہاں ایک کام ہر حالت میں تمکو کرنا ہوگا وہ یہ کہ۔

ملک برہم زن تو ادہم وار زود　　تا بیابی ہمچو او ملک خلود

یعنی ابن ادہم رضؓ کی طرح ملک کو جلدی درہم برہم کردو تاکہ تم اُنکی طرح ملک خلود پاؤ۔ مطلب
یہ کہ جسطرح کہ حضرت ابراہیم ابن ادہم نے حصول مقصود کیلئے ملک کو جو کہ مانع طریق تھا
چھوڑ دیا تھا تب اُن کو مقصود ملا تھا بس اسی طرح تم بھی موانع کو مرتفع کردو۔ اور اسکے بعد
آجاؤ پھر اُن دونوں حالات مذکورہ میں سے جو حالت بھی ہوگی وہ درست ہوجاویگی چونکہ حضرت
ابراہیم ابن ادہم رضؓ کا ذکر آگیا تو آگے اُن کے ترک سلطنت کے قصہ کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ابراہیم بن ادہم کی ہجرت اور ملک خراسان کو چھوڑ دینے کا سبب

خفتہ بود آن شہ شبانہ بر سریر	حارسان بر بام اندر دار و گیر
قصد شہ از حارسان آنہم نبود	کہ کنند زان دفع دزدان و رنود
او ہمی دانست کان کو عادلست	فارغست از واقعہ آمن دل است
عدل باشد پاسبان گامہا	نے بہ شب چوبک زنان بر بامہا
لیک بد مقصودش از بانگ رباب	ہمچو مشتاقان خیال آن خطاب
نالہ سرنا و تہدید دہل	چیزکے ماند بدان ناقور کل

پس حکیمان گفته‌اند این لحنها / از دوار چرخ بگرفتیم ما
بانگ گردشهای چرخ است اینکه خلق / می‌سرایندش بطنبور و بحلق
مومناں گویند کاثار بهشت / نغز گردانید هر آواز زشت
ما همه اجزائے آدم بوده ایم / در بهشت آن لحنها بشنوده ایم
گرچه برما ریخت آب و گل شکے / یاد ما آید از انها اندکے
لیک چون آمیخت با خاک کرب / کے دهد این زیر و این بم آن طرب
آب چوں آمیخت با بول و کمیز / گشت آمیزش مزاجش تلخ و تیز
چیزکے از آب هستش در جسد / بول ازاں رو آتشے را میکشد
گر نجس شد آب این طبعش بماند / کآتش غم را بطبع خود نشاند
پس غذائے عاشقاں آمد سماع / که درو باشد خیال اجتماع
قوتے گیرد خیالات ضمیر / بلکه صورت گردد از بانگ صفیر
آتش عشق از نواها گشت تیز / آنچنانکه آتش آن جوز ریز

حضرت ابراہیمؒ بن ادہم رات کو اپنے تخت پر سو رہے تھے اور کوٹھے پر پہرہ دار اپنا فرض منصبی انجام دے رہے تھے۔ لیکن بادشاہ کا مقصود اس پہرہ کے قائم کرنے سے یہ نہ تھا کہ چوروں اور بدمعاشوں کو روکا جاوے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جو شخص عادل ہوگا اسکو کسی واردات کا کھٹکا نہ ہوگا۔ اور وہ اسکی طرف سے بے فکر ہوگا۔ کیونکہ عدل ہی لوگوں کے مقاصد کا پہرہ ہے اور نہ کہ کوٹھے پر بیٹھکر باجا بجانے والے بلکہ مقصود ان پاسبانوں کے مقرر کرنے اور انکے باجا بجانے سے عشاق کی طرح اس خطاب ازلی کی یاد آتی جو کہ سبب بقائے عالم ہے۔ اور جو کہ ارواح کو اس وقت سنایا گیا تھا جبکہ انکو قوالب انسانی میں داخل ہونیکا حکم ہوا تھا۔ تاکہ وہ اسکی لذت میں مست

ہوکر انمیں داخل ہوجائیں اور متوحش نہوں۔ کیونکہ سرنا اور ڈھول کی آواز کسیقدر اس صور کلی یعنی خطاب ربانی سے جو کہ سبب بقائے عالم ہے کسیقدر ملتی ہے۔ جبکہ سلسلہ گفتگو بیان نغمات تک منجر ہوگیا تو اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انکی اصل کو بیان کردیا جاوے پس سنو کہ اسکی اصل میں اختلاف ہے۔ حکما کہتے ہیں کہ یہ راگ ہم نے گردشہائے فلکیہ اور انکی آوازوں سے اخذ کئے ہیں اور یہ جو لوگ طنبور وغیرہ باجوں میں اور حلق سے گاتے ہیں یہ افلاک کی گردشونکی آوازیں ہیں۔ اور ان کے مقابلہ میں مومن کہتے ہیں کہ بہشت کی آثار نے ان آوازوں کو دلکش کررکھا ہے۔ اور ہر بری آواز کو اچھا بنا دیا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہم سب اجزائے آدم تھے۔ اور کتنگے ضمن کے بین بین ہم نے یہ راگ بضمن خطاب مذکور سنے ہیں پس جو دلکشی ہماری آوازوں میں ہے وہ اسی خطاب اور انہیں نغمات کے سبب ہے۔ شاید تم کو شبہ ہو کہ جب یہ نغمات ہمارے سنے ہوئے ہیں تو پھر ہمیں یاد کیوں نہیں آتے اور ان سے ہم کو لذت تامہ کیوں نہیں حاصل ہوتی جیسے عالم ارواح میں ہوتی تھی اسکی وجہ یہ ہے کہ غلبۂ ناسوتیت نے ہمیں شک اور جہل میں مبتلا کردیا ہے۔ اسلئے ہمکو کچھ یاد آتے ہیں اور پورے طور پر یاد نہیں آتے۔ اور ہم کو لذت تامہ نصیب نہیں ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ وہ آوازیں غم کی مٹی سے مخلوط ہیں اسلئے ہمکو زیر و بم وغیرہ کی آوازوں سے وہ نشاط نہیں ہوتا۔ جو ان سے پہلے ہوتا تھا۔ اس مضمون کو ہم ایک حسنی مثال سے سمجھاتے ہیں دیکھو جب پانی پیشاب کیساتھ مخلوط ہوجاتا ہے تو اسکے ساتھ آمیز ہوجانے سے اسمیں تلخی اور تیزی آجاتی ہے اور اپنی اصلی حالت پر نہیں رہتا۔ مگر اسکی ساتھ ہی چونکہ جسم کے اندر کسی قدر پانی موجود ہے اسلئے پیشاب آگ کو بجھا دیتا ہے۔ پس گو وہ آب نغمات ناپاک ہوگیا ہے اور اپنی صرافت اور محوضت پر باقی نہیں ہے مگر اسکے بعض خواص و آثار موجود ہیں اور اسی لئے وہ آتش غم کو اپنی طبیعت اصلیہ سے بجھا دیتا ہے۔ جب تم کو یہ معلوم ہوگیا کہ یہ نغمات خطاب ربانی سے ملتے ہیں تو اب تم سمجھو کہ یہی وجہ ہے کہ عاشقان ربانی کی غذا سماع ہے۔ کیونکہ اسکو سنکر اجتماع و قرب سابق کا خیال اور اسکی طرف توجہ ہوتی ہے۔ اور اس سے اس تصور و خیال کو قوت ہوتی ہے بلکہ ایک وقت میں انہیں آوازوں کی بدولت وہ خیال و تصور صورت

بنجاتا ہے یعنی قرب حق حاصل ہوجاتا ہے۔ کیونکہ نغمات سے آتش عشق تیز ہوتی ہے جسطرح
پانی میں اخروٹ ڈالنے والے کے طلب کو پانی کی آواز سے ترقی ہوتی ہے۔ اور یہ طلب
موصل الی المطلوب ہوجاتی ہے۔ (**ف** اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جواز و عدم
جواز سماع کے متعلق ایک مختصر بحث لکھدیجاوے۔ تاکہ مولانا کے اشعار سے کسی کو غلط
فہمی نہو سگر اصل مقصود سے پیشتر چند مقدمات کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ تاکہ مقصود کے
سمجھنے میں آسانی ہو مقدمہ اولی حرمت اشیار دو قسم کی ہے اول لذات الاشیا دوم
للعوارض الخارجیۃ۔ مقدمہ ثانیہ اشیار محرمہ للعوارض الخارجیۃ کی حالتیں مختلف ہیں
کبھی تو انکی یہ حالت ہوتی ہے کہ عوارض خارجیۃ غالب احوال میں انکے ساتھ رہتے ہیں
اور انفکاک انکا نادر و قلیل ہوتا ہے۔ اور کبھی یہ حالت ہوتی ہے کہ مصاحبت عوارض
نادر ہوتی ہے۔ اور انفکاک غالب ہوتا ہے پس پہلی قسم کی اشیار کے متعلق حکم عام حرمت
کا ہوتا ہے۔ اور مواضع شاذہ کو نظر انداز کردیا جاتا ہے جیسے اختلاط با غیر محارم کہ یہ مفضی
الی الزنا ہونیکے سبب حرام ہے۔ اور اسکا ہر فرد مفضی الی الزنا نہیں مگر چونکہ افضا اغلب ہے
اسلئے حکم عام حرمت کا ہے۔ اور دوسری قسم میں حکم اصلی حلت ہوتا ہے اور وہ خاص
عورتیں حرام ہوتی ہیں جنمیں عوارض محرمہ موجود ہوں۔ جیسے اختلاط با محارم کہ یہ بھی بعض
احوال میں مفضی الی الزنا ہوجاتا ہے۔ مگر اغلب عدم افضا ہے اسلئے اسوقت تک جائز ہے
جب تک ابتلار کا اندیشہ نہو مقدمہ ثالثہ خطاء اجتہادی یا غلبۂ حال سے معصیت پر حکم
معصیت مرتب نہیں ہوتا۔ ان مقدمات کے بعد جاننا چاہیئے کہ غنا و مزامیر محرم لذواتہا
نہیں بلکہ یہ عوارض خارجیہ حرام ہیں اور یہ مشاہد ہے کہ انمیں فساد اغلب ہے اور صلاح
شاذ علاوہ مشاہدہ کے۔ اتنی بات خود مولانا کو بھی تسلیم ہے۔ کیونکہ وہ لوگ جنمیں فساد کا
اندیشہ نہیں۔ اہل اللہ اور نفوس قدسیہ ہی ہوسکتے ہیں اور ایسے حضرات کی ندرت کو
خود مولانا قبول فرماتے ہیں۔ چنانچہ ایک دوسرے مقام پر کہتے ہیں ؎

اتصالے بے تکیف بے قیاس	ہست رب الناس را با جان ناس
لیک گفتم ناس من نسناس نے	ناس غیر جان جان اشناس نے

ناس مردم باشد و کو مردمی　　　　تو سر مردم ندیدستی دمی

پس یہ دونوں بحکم مقدمہ ثانیہ علی الاطلاق محرم ہونگے۔ اور منفعتیں بتلانے والوں سے کہا جاویگا۔ کہ فیھما اثم کبیر ومنافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما اور جن لوگونکا سماع خود اُن کے لئے مفضی الی الفساد نہیں اُنکے سماع کو گو اسلئے معصیت نہ کہا جاوے کہ انکے لئے مفضی الی الفساد ہے۔ لیکن انکے اس فعل کو اسلئے ضرور معصیت کہا جاویگا کیونکہ انھوں نے ایک قانون عام شرعی کی خلاف ورزی کی جیسا کہ وبا کے زمانہ میں امرود بیچنے کی اسلئے ممانعت کیجاتی ہے کہ لوگ ضرر سے محفوظ رہیں لیکن اگر کوئی شخص امرود بیچے اور کھانے والونکو نقصان نہ پہونچے تب بھی بیچنے والا مجرم ہے۔ کیونکہ اس نے قانون کی مخالفت کی۔ نیز اسلئے بھی اسے معصیت کہا جاویگا کہ گو خود انکے لئے مفضی الی الفساد نہیں مگر انکا یہ فعل دوسروں کیلئے مفضی الی الفساد ہے۔ لیکن چونکہ ہم مقدمہ ثالثہ میں بتلا چکے ہیں کہ خطاء اجتہادی وغلبۂ حال کے سبب معصیت پر اثر معصیت مرتب نہیں ہوتا اسلئے ایسے لوگو نپر علی الاطلاق ملامت نہ کی جاویگی بلکہ اگر وہ مجتہد ہیں تو چونکہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے اسلئے انکو مجتہد مخطی کہا جاویگا۔ اور وہ اس خطاء پر بھی ایک ثواب کے مستحق ہونگے۔ اور اگر مغلوب الحال ہیں تو غلبۂ حال انکا عذر ہوگا۔ اور اسلئے وہ قابل ملامت نہ ہونگے۔ اور اگر اہل ہونیکے ساتھ مجتہدین مجوزین کے مقلد ہیں تو اُنکا عذر تقلید ہے۔ اور اگر یہ تینوں صورتیں نہیں تو متبع ہوئے اور عاصی نہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ غنا ومزامیر علی الاطلاق حرام ہیں مگر جن اہل اللہ سے اسکی تجویز یا اسکا ارتکاب منقول ہے وہ یا تو خطاء اجتہادی کی وجہ سے معذور ہیں۔ یا تقلید مجتہد کے باعث یا غلبۂ حال کے سبب۔ اسلئے نہ ان پر ملامت کیجاویگی نہ انکی علی الاطلاق تقلید کیجاویگی ہاں اگر کوئی شخص اسکا اہل بھی ہو اور ان شرائط کا پابند بھی ہو جو مجوزین نے جواز کیلئے قائم کی ہیں اور وہ مجوزین کو مصیب بھی سمجھتا ہو تو اسکے لئے گنجائش ہے مگر پھر بھی ترک مناسب ہے۔ کیونکہ اول تو یہ ہی کچھ ضرور نہیں کہ جو اپنے کو اہل سمجھے وہ اہل بھی ہو کیا بعید ہے کہ تسویل نفس ہو۔ پھر اہل ہونیکے ساتھ یہ فعل فی نفسہ جائز نہیں بعض عوارض کے سبب مواخذہ نہونا شے دیگر ہے اور اگر جائز بھی ہو تو وصول اسپر موقوف نہیں۔

پھر کیا ضرور ہے کہ بلا ضرورت آدمی خطرہ میں پڑے ہمارے اس بیان سے یہ شبہ بھی مندفع ہوگیا کہ اگر یہ فعل حرام ہوتا تو بعض اہل اللہ کیلئے موجب ترقی کیوں ہوتا۔ حالانکہ انکے لئے موجب ترقی ہے۔ جیسا کہ مولانا کے کلام سے ظاہر ہے۔ اور وجہ اندفاع یہ ہے کہ انکے حق میں یہ فعل بوجہ خطاء اجتہادی یا غلبۂ حال یا تقلید مجتہد کے حکم میں غیر معصیت کے ہے۔ اب کوئی شبہ نہیں

شرح شبیری

ابراہیمؒ بن ادہم کی ہجرت اور ملک خراسان کو چھوڑ دینے کا سبب

خفتہ بود آں شہ شبانہ بر سریر　　حارسان بر بام اندر دار وگیر

یعنی وہ بادشاہ رات کو تخت پر سو رہے تھے۔ اور چوکیدار کوٹھے پر پکڑ دھکڑ میں تھے یعنی چوکیدار پہرہ دے رہے تھے اور حضرت ابراہیم بن ادہمؒ سو رہے تھے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

قصد شہ از حارساں آنہم نبود　　کہ کنند زاں دفع دزداں و رنود

یعنی بادشاہ کا قصد چوکیداروں سے یہ نہیں تھا کہ اُن کے ذریعہ سے چوروں اور رندوں کو دفع کرے (کیونکہ)۔

او ہمی دانست کاں کو عادل است　　فارغ است از واقعہ آمن دل است

یعنی کہ وہ جانتے تھے کہ جو شخص کہ عادل ہے وہ کسی واقعہ ہونے سے بفکر ہے اور بے خوف دل والا ہے

عدل باشد پاسبان کامہا　　نے بہ شب چوبک زناں بر بامہا

یعنی مقاصد کا پاسبان عدل ہوتا ہے نہ کہ رات کو کوٹھے پر نقارہ بجانے والے مطلب یہ کہ انسان کے مقاصد کو پورا کرنے والا اور انمیں رکاوٹ نہ پیدا کرنے والا تو عدل ہے ورنہ چوکیدار جو رات کو نقارہ بجاتے ہیں ان سے کیا پاسبانی ہوسکتی ہے۔ غرضکہ حضرت ابراہیم بن ادہم کو اسمیں تو پورا توکل تھا اور وہ جانتے تھے کہ مجھے کوئی گزند نہیں پہونچا سکتا۔ تو پاسبانوں اور نقاروں وغیرہ سے مقصود نگہبانی تو تھی نہیں۔

لیک بد مقصودش از بانگ رباب　　ہمچو مشتاقاں خیال آں خطاب

یعنی لیکن مقصود اونکا باجے کی آواز سے مشتاقوں کی طرح اُس خطاب کا خیال تھا مطلب یہ کہ روز ازل میں جو تمام ارواح سے خطاب کیا گیا تھا اسمیں جو نکہ لذت تھی اور وہی لذت اسمیں بھی آتی تھی کہ جب نفیری یا دہل بجتا تھا تو اُنکو وہ آوازیں وہاں کی یاد آجاتی تھیں۔ بس اس لئے تمام پاسبانوں کو جمع کر رکھا تھا کہ انکے ذریعہ سے یہ آوازیں سننے میں آتی ہیں آگے فرماتے ہیں کہ

نالۂ سرنا و تہدید دہل ۔ چیزکے ماند بداں ناقور کل

یعنی بانسلی کا نالہ اور ڈہول کی آواز کچھ کچھ اُس ناقور کل کے مشابہ ہے مطلب یہ کہ یہاں کی یہ آوازیں چونکہ اُن آوازوں کے مشابہ تھیں جنکو کہ عالم غیب میں سُنا تھا اسلئے روح کو انکی طرف کشش ہوتی ہے آگے اسپر تفریع فرماتے ہیں کہ

پس حکیماں گفتہ اند ایں لحنہا ۔ از دوار چرخ بگرفتیم ما

یعنی پس حکیموں نے کہا ہے کہ ہم نے ان لحنوں کو آسمان کے چکروں سے لیا ہے۔

بانگ گردشہائے چرخ است اینکہ خلق ۔ می سرایندش بطنبور و بحلق

یعنی آسمان کی گردشوں کی آواز ہے جسکو کہ خلق طنبور اور حلق سے گاتے ہیں مطلب یہ کہ اوپر جو کہا ہے کہ یہ آوازیں وہ ہیں جنکو روز ازل میں روح نے سنا ہے اسلئے ان سے مانوس ہے یہاں اسپر تفریع فرماتے ہیں کہ دیکھئے حکماء اشراقیین نے کہا ہے کہ جسقدر راگ ہیں یہ سب دوار چرخ سے لیا ہے یعنی آسمان جو چلتا ہے تو اسمیں بجید سریلی آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔ انکو کسی حکیم نے جو کہ اشراقیین میں سے تھا اور فن موسیقی کا موجد ہے۔ اپنے کشف کے ذریعہ سے معلوم کر کے دنیا میں اُنکی مشابہ باجے اور راگنی نکالدیں۔ تو دیکھئے حکماء بھی اسکے قائل ہیں کہ یہ آوازیں عالم غیب ہی کی ہیں۔ اب چونکہ انکی نگاہ ظاہر تک پہونچی انھوں نے انکو دوار چرخ کی آوازیں بتلایا اور صرف یہیں تک اُنکی رسائی ہوئی اور جو کامل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ۔

مومناں گویند کآثار بہشت ۔ نغز گردانید ہر آواز زشت

یعنی مومنین کاملین فرماتے ہیں کہ بہشت کے آثار نے ہر بُری آواز کو اچھا بنا دیا ہے مطلب یہ کہ کاملین یہ فرماتے ہیں کہ یہ سب چیزیں جنت میں ہیں اور اُن کے آثار دنیا میں آئے تو اُن آثار کی بدولت دنیا کی آوازیں وغیرہ بھی عمدہ اور دلفریب ہو گئیں تو حکماء آسمان کی آواز بتاتے ہیں

اور مومنین کاملین جنت کی آوازیں بتاتے ہیں غرضکہ ہیں دونوں صورت میں وہیں کی آوازیں
اسی لئے روح ان سے مانوس ہے۔ آگے یہی فرماتے ہیں کہ۔

ما ہمہ اجزائے آدم بودہ ایم ۔۔۔ در بہشت آن لحنہا بشنودہ ایم

یعنی ہم سب آدمؑ کے اجزا تھے تو ہم سب نے بہشت میں وہ آوازیں سنی ہیں۔

گرچہ بر ما ریخت آب و گل شکے ۔۔۔ یاد ماں آید ازانہا اندکے

یعنی اگرچہ ہم پر آب و گل نے ایک شک ڈالدیا ہے۔ (لیکن) ہمکو انمیں سے کچھ یاد آتا ہی
مطلب یہ کہ ہم نے چونکہ اُن آوازوں کو سُنا ہے اسلئے ہماری روح اُن سے مانوس ہے۔ اور
اگرچہ بوجہ تعلق ناسوت کے اُس اثر میں کمی ہوگئی ہے۔ لیکن آخر کچھ کچھ تو یاد آہی جاتا ہے۔
جیسا کہ بعض بزرگوں نے تو یہاں تک بیان کیا ہے کہ ہمیں وہ آواز جو ازل میں عہد لیا گیا تھا
کہ الست بربکم اب تک آرہی ہے۔ اسی کو حضرت شیخ شیرازیؒ فرماتے ہیں کہ ؎

الست از ازل ہمچناں شاں بگوش ۔۔۔ بفریاد قالوا بلیٰ در خروش

غرضکہ وہ فرماتے ہیں کہ وہ آواز بلند ہے۔ کہ اب تک آرہی ہے۔ لیکن بوجہ غلبۂ ناسوت
کے ہر شخص کو سنائی نہیں دیتی۔ تو بعض مرتبہ یہاں کی آوازیں سنکر اُس طرف توجہ
ہو جاتی ہے۔ اور اس آواز کی طرف التفات ہو جاتا ہے۔ تو اُس سے متلذذ ہوتے ہیں اور
ظاہر میں لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ اس آواز سے خوش ہو رہے ہیں۔ غرضکہ اُنکو انمیں لذت آتی ہے
اگرچہ بوجہ تعلق ناسوت کے وہ لذت اصلی تو نہیں آتی۔ لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ اثر اُسی کا ہے۔
آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

لیک چوں آمیخت با خاک و کرب ۔۔۔ کے دہد این زیر وایں بم آں طرب

یعنی لیکن جب خاک اور کرب میں ملگیا ہے۔ تو یہ زیر و بم وہ طرب کب دیتی ہیں مطلب یہ کہ
بوجہ تعلق ناسوت کے وہ لذت جو اصل ہے وہ تو بھلا کہاں آسکتی ہے لیکن خیر کچھ تھوڑی
بہت لذت آہی جاتی ہے۔ آگے اسکی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

آب چوں آمیخت با بول و کمیز ۔۔۔ گشت ز آمیزش مزاجش تلخ و تیز

یعنی پانی جب پیشاب اور گندگی میں ملگیا تو اسکے ملنے کی وجہ سے تلخ و تیز ہوگیا ہے (لیکن)

چیزکے از آب ہستش در جسد ۔ بول زاں رو آتشے را می کشد

یعنی کچھ پانی میں سے اُسکے جسم میں باقی ہے ۔اسی لئے بول آگ کو بجھا دیتا ہے ۔

گر نجس شد آب ایں طبعش بماند ۔ کاتش غم را بالطبع خود نشاند

یعنی اگرچہ پانی نجس ہوگیا (لیکن) اُسکی یہ طبیعت باقی رہگئی ۔کہ آتش غم کو اپنی طبیعت سے اُس نے بجھا دیا مطلب یہ کہ دیکھو پانی پیشاب میں ملکر گندہ ہوگیا ہے ۔اور اُسکو پانی نہیں کہا جاتا ۔اور اگر کہا جاتا ہے تو نجس اور خراب اور اب اُسمیں وہ لذت اور شیرینیت نہیں رہی لیکن ایک اثر ماہیت کا اُسمیں اب بھی موجود ہے ۔کہ وہ آگ کو بجھا دیتا ہے ۔تو دیکھیئے اُسمیں ماہیت کا ایک اثر باقی ہے اسی طرح اگرچہ دنیا میں ہماری روح پر غلبہ ناسوت کا ہوگیا ہے لیکن پھر بھی ایک اثر وہاں کا باقی ہے کہ اُسکی وجہ سے کچھ لذت آجاتی ہے ۔آگے مولانا گویا کہ سماع کے متعلق فیصلہ فرماتے ہیں کہ

پس غذائے عاشقاں آمد سماع ۔ کہ درو باشد خیال اجتماع

یعنی پس عاشقوں کی غذا سماع آئی ہے ۔کہ اُسمیں اجتماع کا خیال ہوتا ہے ۔

قوتے گیرد خیالات ضمیر ۔ بلکہ صورت گردد از بانگ و صفیر

یعنی خیالات دل کو ایک قوت حاصل ہوتی ہے ۔بلکہ بانگ و صفیر سے صورت ہوجاتی ہے

آتش عشق از نواہا گشت تیز ۔ آنچنانکہ آتش آں جوز ریز

یعنی عشق کی آگ اُنکی آوازوں سے تیز ہوجاتی ہے جیسا کہ اُس اخروٹ ڈالنے والے کی آگ مطلب یہ ہے کہ مولانا فرماتے ہیں کہ سماع عشاق کی غذا ہے کیونکہ اُنکی توجہ سماع کے ذریعہ سے حق تعالیٰ کی طرف اور آخرت کی چیزوں کی طرف ہوجاتی ہے اور اس سے اُن کے خیالات قلبی کو قوت ہوتی ہے ۔اور آگ عشق حق کی اُنکی دل میں بھڑکتی ہے ۔تو اُنکو اس سے فائدہ ہوتا ہے پس یہ گویا کہ فیصلہ ہے سماع کے متعلق ۔اسلئے کہ ہر شخص اپنی اپنی حالت کا اندازہ کرلے ۔اور موازنہ کرلے ۔کہ آیا سماع سے اُسکی یہ حالت ہوتی ہے ۔یا خواہشات نفسانی میں ترقی ہوتی ہے اگر اول صورت ہے تو اُسکو ملامت نہوگی اگرچہ جائز بھی نہ کہا جاویگا ۔لیکن بوجہ مجبور ہونیکے ملامت نہوگی ۔اور جسکو صورت ثانی پیش آتی ہے اُسکو یقینا

ملامت ہوگی۔ اور قطعی حرام ہے بلکہ صورت اول میں تو فائدہ ہوتا ہے اور ثانی صورت میں ظاہر ہے کہ ضرر بلکہ ہلاکت ہے خوب سمجھ لو۔ آگے ایک حکایت لاتے ہیں جسکی کہ مثال دی ہو کہ ہمچنانکہ آتش آں جوز ریز۔ خلاصہ حکایت کا یہ ہے کہ ایک شخص کو پیاس لگ رہی تھی اور پانی ایک گہرے گڑھے میں تھا۔ جہاں یہ پہونچ نہ سکتا تھا۔ تو اُس نے یہ کیا کہ ایک اخروٹ کے درخت پر چڑھکر اُسکو ہلایا۔ تو اُسمیں سے جو اخروٹ پانی میں گرتے اور پانی کی آواز اُسکے کان میں آتی اور بلبلے دیکھتا تو یہ خوش ہوتا۔ اسی طرح جو شخص کہ اول پیاس لگا چکا ہو اور وہ سماع ستے اُسکو مجبور کہکر ملامت نہ کریں گے خوب سمجھ لو۔ آگے اُس جوز ریز کی حکایت سنو۔

شرح حبیبی

اُس پیاسے کی حکایت کہ درخت اخروٹ پرسے اخروٹ پانی میں ڈالتا تھا جو کہ گڑھے میں تھا اور اخروٹ کے گرنے سے جو آواز پانی میں ہوتی تھی اسکو سنکر خوش ہوتا تھا

در تغوے بود آب آں تشنہ راند	بر درخت جوز جوزے می فشاند
می فتاد از جوزبن جوز اندر آب	بانگ می آمد ہمی دید او حباب
عاقلے گفتش کہ بگذار اے فتا	جوز با خود تشنگی آرد ترا
بیشتر در آب می افتد ثمر	آب در پستی است از تو دور تر
بیشتر در آب می افتد ببین	می برد آبش ترا چہ سود ازیں

تا تو از بالا فرود آئی بہ زیر ۔۔۔ آب جوزت بردہ باشد اے دلیر
گفت قصدم زین فشاندن جوز نیست ۔۔۔ تیز تر بنگر بدین ظاہر مایست
قصد من آنست کاید بانگ آب ۔۔۔ ہم ببینم بر سر آب این حباب
تشنہ را خود شغل چہ بود در جہاں ۔۔۔ گرد پائے حوض گشتن جاوداں
گرد جوئے و گرد آب و بانگ آب ۔۔۔ ہمچو حاجی طائف کعبہ صواب
ہمچناں مقصود من زین مثنوی ۔۔۔ اے ضیاء الحق حسام الدین توئی
مثنوی اندر اصول و ابتدا ۔۔۔ جملہ بہر تست و بر تست انتہا
التجا بر تست و بر امداد تو ۔۔۔ تکیہ بر اشفاق و بر اسعاد تو
مثنوی اندر اصول و در فروع ۔۔۔ میکند زیر لوائے تو رجوع
مثنوی در استوا و در ابا قبول ۔۔۔ جملہ آں تست و کردستی قبول
در قبول تست عز و مقبلے ۔۔۔ زانکہ شاہ جان و سلطان دلے
در قبول آرند شاہاں نیک و بد ۔۔۔ چوں قبول آرند نبود ہیچ رد
چوں نہالے کاشتی آبش بدہ ۔۔۔ چوں کشادش دادہ بکشا گرہ
قصدم از الفاظ او راز تو است ۔۔۔ قصدم از انشاش آواز تو است
پیش من آوازت آواز خدا است ۔۔۔ عاشق از معشوق حاشا کی جدا است
اتصالے بے تکیف بے قیاس ۔۔۔ ہست رب الناس را با جان ناس
لیک گفتم ناس من نسناس نے ۔۔۔ ناس غیر جان جاں اشناس نے
ناس مردم باشد و کو مردمی ۔۔۔ تو سر مردم ندیدستی دمی

ما ز بیت از بیت خواندی	لیک جسمی در تجزی ماندی
ملک جسمت را چو بلقیس اے غنی	ترک کن بہر سلیمان نبی
میکنم لاحول نے از گفت خویش	بلکہ از وسواس آں اندیشہ کیش
کو خیالے میکند در گفت من	در دل از وسواس و انکارات و ظن
میکنم لاحول یعنی چارہ نیست	چوں ترا در دل بضدم گفتنی است
چونکہ گفت من گرفتت در گلو	من خمش کردم تو آں خود بگو

قصہ ایک نے بجانے والے کا کہ نے بجانے کیوقت اُسکی ریح صادر ہوئی تو اُس نے نے کو زمین پر رکھدیا کہ اگر تو اچھی آواز نکال سکتی ہے تو تو ہی بول لے

آں یکے نائے کہ خوش نے میزد ست	ناگہاں از مقعدش بادے بجست
نائے را بر کوں نہاد او کہ ز من	گر تو بہتر میزنی بستان بزن

اوپر ہم نے کہا تھا "ہمچنانکہ آتش آں جوز ریز" اسمیں ایک قصہ کیطرف اشارہ تھا۔ اب ہم وہ قصہ بیان کرتے ہیں۔ سنو ایک گڑھے میں پانی تھا اور اُسکے قریب ایک اخروٹ کا درخت کھڑا تھا۔ ایک پیاسا اُس درخت پر چڑھا اور اخروٹ گرانے لگا۔ اس اخروٹ کے درخت سے اخروٹ ٹوٹ ٹوٹ کر پانی میں گرتے تھے۔ انکے گرنے سے پانی میں سے ایک آواز نکلتی تھی جسکو وہ سنتا تھا۔ اور بلبلے اُٹھتے تھے جسکو وہ دیکھتا تھا۔ ایک عاقل نے اُسکی یہ حرکت دیکھی۔ اور کہا کہ یہ کیا حرکت کر رہا ہے اسے چھوڑ دے اس سے تو تجھے اور پیاس لگے گی رہا اخروٹ نکالنا ہاتھ آنا سو اسکی یہ حالت ہے کہ اکثر اخروٹ پانی میں

جارہے ہیں۔ اور پانی بہت گہرائی میں اور تجھ سے بہت دور ہے۔ اسلئے وہ تیرے ہاتھ نہیں آسکتے۔ تو دیکھ لے کہ زیادہ حصہ انکا پانی میں گر رہا ہے۔ اور پانی انکو اپنے اندر لے رہا ہے پس تجھے اس سے کیا فائدہ ہے جب تک تو نیچے اترےگا اتنے میں پانی تیرے اخروٹوں کو ہضم کر جاویگا۔ ر**ف** اس مقام پر ایک نسخہ آب جوئش ہے مگر ہم نے نسخہ آب جوزت اختیار کیا ہے۔ کیونکہ اشعار بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آب جو نہ تھا بلکہ آب تغول تھا) اس نے کہا کہ میرا مقصود اخروٹوں کے گرانے سے اخروٹ نہیں ہیں تم کو میرے فعل میں نظر غائر کرنی چاہئے۔ اور نظر کو صرف ظاہر ہی تک محدود نہ رکھنا چاہئے۔ میرا مقصود یہ ہے کہ پانی کی آواز آئے۔ اور نیز یہ کہ میں بلبلے اٹھتے دیکھوں پیاسے کو دنیا میں اور کیا کام ہے بجز۔ اسکے کہ پائے حوض کے گرد پھرتا رہے۔ اور ندی اور پانی کے بانی اور پانی کی آواز کے گرد پھرتا رہے جیسے حاجی کعبہ کا طواف کرتا ہے۔ یہ قصہ تو ختم ہوا آیے لانا حسام الدین کو خطاب فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جسطرح اس پیاسے کا مقصود پانی اور اسکی آواز کا سننا اور اسکے بلبلوں کا دیکھنا تھا یوں ہی اے ضیاء الحق حسام الدین اس مثنوی سے میرا مقصود تم ہو۔ اور یہ مثنوی جڑ اور ابتدا سے سب تمہارے ہی لئے ہے اور تمہیں پر اسکی انتہا ہے اسکی تکمیل کی تمہیں سے اور تمہاری ہی امداد سے التجا رہے۔ اور تمہاری عنایتوں اور تمہاری ہی اعانت پر بھروسہ ہے۔ مثنوی اپنے مضامین اصلیہ اور تبعیہ سب میں آپ ہی کے جھنڈے کیطرف راجع ہے یہ آفتاب مثنوی اپنے انتہائے کمال اور انتہائے نقصان غرضکہ ہر حالت میں آپ ہی کا ہے۔ اور آپ ہی نے اسے کرم سے قبول فرمایا ہے۔ اسلئے یہ اسکے لئے موجب عزت وخوش اقبالی ہے۔ کیونکہ آپکا کسی شئے کو قبول کر لینا اس امر مقبول کیلئے موجب عزت اور خوش اقبالی ہے۔ اسلئے کہ آپ شاہ جان اور سلطان دل ہیں آپکا اسکو قبول فرمالینا کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ بادشاہ لوگ اچھی بری ہر چیز کو قبول کر لیتے ہیں اور اچھی کیساتھ بری کا میں نے محاورہ کے طور پر ذکر کر دیا ہے ورنہ جو چیز بادشاہوں کے یہاں مقبول ہو جاوے وہ بری کیوں ہونے لگی تھی۔ جبکہ مثنوی کا یہ پودا آپنے لگایا ہے تو آپ اسکو پانی بھی دیں۔ اور

جبکہ آپنے اسکو شروع کیا ہے تو جو مشکلات اسکی تکمیل میں ہیں انکو حل ہی کیجئے کیونکہ میرا مقصود مصنف
اس کے الفاظ سے آپکا راز بیان کرنا ہے۔ کیونکہ اسکے الفاظ مصنف کے کمال پر دال ہیں اور
اسکے فی الحقیقت آپ ہیں میں تو ایک آڑ ہوں۔ ویدل علیہ قولہ فی مفتح ھذا السفر الرابع
اے ضیاء الحق حسام الدین توئی الیٰ قولہ مثنوی راچو تو مبدا بودہ الخ وقولہ مفتح السفر الثالث
اے ضیاء الحق حسام الدین بیار الی البیت الثانی وقولہ فی مفتح السفر الثانی چون ضیاء الحق
حسام الدین عنان الی البیت الثالث اور اسکے انشار سے میرا مطلوب آپکی آواز ہے جسکو میں
آپکے القائے مضامین کے وقت اپنے گوش دل سے سنتا ہوں ولا تلتفت الی ما قال
المحشون۔ کیونکہ میرے نزدیک آپکی آواز خدا کی آواز ہے۔ اسلئے کہ آپ عاشق الٰہی ہیں اور
عاشق و معشوق میں ایک ایسا تعلق خاص ہوتا ہے جسکی بناء پر ایک کا فعل دوسرے کی
طرف نسبت کیا جا سکے۔ نیز حق سبحانہ کو آدمیوں کے ساتھ ایک ارتباط و تعلق خاص ہے
جو بے کیف ہے اور جسکی کنہ کو عقل بشری ادراک نہیں کر سکتی۔ اس بنا پر بھی یہ کہنا صحیح ہے
کہ آپکی آواز خدا کی آواز ہے۔ لیکن تم یہ شبہ نکرنا کہ اس سے تو لازم آتا ہے کہ زید و عمر و کی آواز
کو بھی خدا کی آواز کہا جا سکے۔ کیونکہ میں نے آدمی کہا ہے نہ کہ بن مانس۔ اور آدمی عارف حق
ہی ہوتا ہے زید و عمر و تو بن مانس ہیں اور میرے الفاظ اتصالے بے تکیف بے قیاس ہست
رب الناس را با جان ناس ہیں۔ اور ناس آدمی کو کہتے ہیں سو آدمی کہاں ہیں اور تو تو آدمی
کی دم ہے۔ تو نے آدمی کا سر کہاں دیکھا ہے۔ باوجودیکہ تو نے ما رمیت اذ رمیت ولکن
اللہ رمیٰ پڑھا ہے۔ مگر چونکہ تو جسم ہے اور روحانیت سے تجھے لگاؤ نہیں اسلئے تو اس اتحاد کی
حقیقت نہیں سمجھ سکتا اور لزوم تجزی پر تقدیر اتحاد کے شبہ میں پھنسکر رہ گیا ہے حالانکہ یہ وہ
اتحاد نہیں جو مستلزم تجزی حق سبحانہ ہو اگر تجھے اس اتحاد کو معلوم کرنا ہے تو اسے کو دلیع
اپنے جسم کو نائب سلیمان نبی یعنی شیخ کی خاطر چھوڑ دے اور اسے فنا کر دے اسوقت ذوقاً
تجھے یہ اتحاد معلوم ہو جاویگا۔ اور تیرے شکوک زائل ہو جائیں گے۔ صاحبو میں نے جو اسوقت
لاحول پڑھی ہے یہ میں نے اپنی گفتگو پر نہیں پڑھی کیونکہ وہ تو بالکل صحیح ہے بلکہ عادی در سامعین
معترض کے وسوسۂ شیطانی پر پڑھی ہے۔ کہ وہ وساوس شیطانیہ اور انکار اور گمان باطل کے

سبب میری گفتگو کے متعلق خیال فاسد دل میں لاتا ہے اور میرے لاحول پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ اے معترض جب تو نے میری گفتگو کا مطلب میرے مقصود کے خلاف سمجھ لیا۔ تو اب میں کیا کر سکتا ہوں۔ اچھا جبکہ میری بات تیرے گلے میں پھنسکر رہگئی اور دل میں نہیں بیٹھی۔ تو میں چپ ہوتا ہوں تو اپنی کہہ اور میرا یہ کہنا ایسا ہے جیسا کہ ایک شخص نہایت عمدہ بانسری بجا رہا تھا دفعتہً اسکا گوز نکل گیا۔ تو اس نے بانسری کو اپنے پائخانہ کی مقام پر رکھکر کہا کہ تو مجھے نہیں بجانے دیتی نہ سہی اگر تو مجھسے اچھا بجا سکتی ہے تو تو ہی بجا۔

شرح شبیری

اُس پیاسے کی حکایت کہ درخت اخروٹ پر سے اخروٹ پانی میں ڈالتا تھا جو کہ گڑھے میں تھا اور اخروٹ کی گرنیسے جو آواز پانی میں ہوتی تھی اُسکو سُنکر خوش ہوتا تھا۔

در تغوے بود آب آں تشنہ راند　　　بر درخت جوز جوزی می فشاند

یعنی کہ ایک گڑھے میں پانی تھا تو وہ پیاسا اخروٹ کے درخت پر چڑھکر اخروٹ جھاڑنے لگا۔

می فتاد از جوز بن جوز اندر آب　　　بانگ می آمد ہمی دید او حباب

یعنی اخروٹ کے درخت سے اخروٹ پانی میں گرتے تھے تو آواز آتی تھی اور وہ (پیاسا) بلبلے دیکھتا تھا۔

عاقلے گفتش کہ بگذار اے فتا　　　جوزہا خود تشنگی آرد ترا

یعنی ایک عاقل نے اُس سے کہا کہ اے جوان چھوڑ کیونکہ اخروٹ تو تیرے لئے پیاس زیادہ لاوینگے مطلب یہ کہ تو جو درخت کو ہلا رہا ہے اسمیں جو محنت ہوتی ہے اس سے تو پیاس اور بڑھیگی کم کب ہوگی۔ پھر کیا فائدہ ہے اور اگر ان اخروٹوں ہی کو کھا کر پیاس کم کرتا تو یہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ

بیشتر در آب می افتد ثمر   آب در پستی است از تو دور تر

یعنی زیادہ تر پھل تو پانی میں گرتے ہیں اور پانی تجھسے پستی میں بہت دور ہے۔

بیشتر در آب می افتد ببیں   میبرد آبش ترا چہ سود ازیں

یعنی دیکھ سے زیادہ تر پانی میں گر رہے ہیں دریا نی انکو بیجا رہا ہی تو تجھے اس سے کیا فائدہ

تا تو از بالا فرود آئی بزیر   آب جویش بردہ باشد ای دلیر

یعنی جب تک کہ تو اوپر سے نیچے کو آویگا ندی کا پانی انکو لے گیا ہوگا۔ اے دلیر۔ مطلب یہ کہ اس عاقل نے کہا کہ زیادہ ترا خروٹ پانی میں گر رہے ہیں اور پانی انکو بہائے لئے جارہا ہے جب تک تو نیچے اتریگا انکو پانی کہیں سے کہیں بہا لیجاویگا۔ پھر تجھے اس محنت سے کیا فائدہ ہو رہا ہے آگے اسکا جواب ہے کہ۔

گفت قصدم زیں فشاندن جوز نیست   تیز تر بنگر بدیں ظاہر مایست

یعنی اس پیاسے نے کہا کہ میرا مقصد اس جھاڑنے سے اخروٹ نہیں ہیں ذرا غور کرو ظاہر پر مت قایم ہو۔

قصد من آنست کاید بانگ آب   ہم ببینم بر سر آب آں حباب

یعنی میرا قصد یہ ہے کہ پانی کی آواز آوے اور میں پانی کے اوپر بلبلے دیکھوں یعنی اس نے کہا کہ میاں میری ظاہری حالت سے استدلال مت کرو۔ بلکہ میرے مقصود اصلی کو دیکھو کہ کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ میں پیاسا ہوں اخروٹ گرنے سے جو مجھے پانی کی آواز آتی ہے اور مجھے اسپر بلبلے نظر آتے ہیں اس سے مجھے فرحت ہوتی ہے۔ اور مجھے اس حالتمیں بھی بہت غنیمت معلوم ہوتا ہے۔ کہ مجھے خیر آواز محبوب تو آرہی ہے اگرچہ میری رسائی وہاں تک نہیں ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

تشنہ را خود شغل چہ بود در جہاں   گرد پائی حوض گشتن جاوداں

یعنی دنیا میں پیاسے کا کام ہی کیا ہوتا ہے (صرف) حوض کے گرداگرد ہمیشہ پھرنا

گرد جو و گرد آب و بانگ آب   ہمچو حاجی طائف کعبہ صواب

یعنی ندی کے اور پانی کے اور پانی کی آواز کے گرد پھرنا جیسے کہ حاجی کعبہ اصلی کا طائف

ہوتا ہے مطلب یہ کہ جو پیاسا ہو اسکا تو یہ کام ہونا چاہئے کہ اگر پانی تک رسائی نہو تو اسکے مظروف کے گرد اگرد پھرتا ہی رہے اسی طرح طالب حق کو اگر رسائی نہو تو اسکی طلب میں تو لگا رہے چھوڑے نہیں آخر ایک روز رسائی بھی ہو ہی جاوے گی۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔ ہمچناں مقصود من زیں مثنوی اے ضیاء الحق حسام الدین توئی

یعنی اسی طرح اس مثنوی سے میرا مقصود اے ضیاء الحق حسام الدین آپ ہی ہیں۔

مثنوی در اصل او در افول جملہ آں تست و کردستی قبول

یعنی مثنوی شروع میں اور ختم میں بالکل آپ ہی کی ہے اور آپنے اسکو قبول فرمالیا ہے،

التجا بر تست و بر امداد تو تکیہ بر اشفاق و بر اسعاد تو

یعنی آپ ہی سے التجا ہے اور آپ ہی کی امداد ہے اور آپ ہی کی شفقتوں اور مسعود کرنے پر بھروسہ ہے۔

مثنوی اندر اصول و فروع می کند زیر لوائے تو رجوع

یعنی مثنوی اصول و فروع میں (سب میں) آپ ہی کی جھنڈے کے نیچے رجوع کرتی ہے +

مثنوی اندر اصول و ابتدا جملہ بہر تست و بر تست انتہا

یعنی مثنوی ابتدا میں اور انتہا میں بالکل آپ ہی کیلئے ہے۔ اور آپ ہی پر ختم ہے (اصل چونکہ جڑ کو کہتے ہیں اور وہ آخر میں ہوتی ہے اسلئے اس سے انتہا مراد ہوئی)۔

در قبول تست عز و مقبلے زانکہ شاہ جان و سلطان دلی

یعنی آپکے قبول کر لینے میں عزت اور خوش نصیبی ہے اسلئے کہ آپ شاہ جان و سلطان دل ہیں۔

در قبول آرند شاہان نیک و بد چوں قبول آرند نبود ہیچ رد

یعنی بادشاہ لوگ ہر نیک و بد کو قبول فرما لیتے ہیں اور جب وہ قبول فرمالیں تو پھر کوئی مردودیت نہیں رہتی۔

چوں نہالے کاشتی آبش بدہ چوں کشادش دادۂ بکشا گرہ

یعنی جب آپنے ایک پودا لگایا ہے تو اسکو پانی بھی دیجئے اور جب آپ نے اسکو کشادگی دی ہے تو گرہ بھی کھولئے یعنی اگر کوئی رکاوٹ پیدا ہو تو اسکو بھی زائل کیجئے جب کے آپنے

اسکو شروع کردیا ہے۔

قصدم از الفاظ او راز تو است قصدم از انشاش آواز تو است

یعنی اسکے الفاظ سے مجھے آپکا راز مقصود ہے۔ اور اسکے لکھوانے سے مجھے آپکی آواز مقصود ہے۔ مطلب یہ کہ اسمیں جو میں نے الفاظ میں اولیاء اللہ کے حالات بیان کئے ہیں اور اسرار حقائق بیان کئے ہیں ان سے میرا مقصود آپ کے راز کا اظہار ہے کہ یہ سب کمالات آپکے اندر موجود ہیں اور اسکے لکھوانے سے صرف یہ مقصود ہے کہ آپ یہ کہدیں کہ خوب لکھا بس یہ آواز آجانا اور آپکا یہ فرما دینا ہی میرا مقصود ہے آگے جو تغیر فرماتے ہیں کہ۔

پیش من آوازت آواز خداست عاشق از معشوق حاشا کی جداست

یعنی میرے آگے آپکی آواز خدائے تعالیٰ کی آواز ہے۔ خدا نہ کرے عاشق معشوق سے جدا کب ہے مطلب یہ کہ چونکہ آپکی شان بی یسمع بی یبصر کی ہوگئی ہے تو آپ کا تعریف کردینا اور اس مثنوی کو اچھا کہدینا گویا کہ حق تعالیٰ کا تعریف کردینا ہے۔ اسلئے میں جو کچھ لکھوا رہا ہوں اور جو الفاظ میں بول رہا ہوں اس سے صرف مجھے یہی مقصود ہے کہ آپ اسکے متعلق کچھ فرمادیں دوسرے مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ بھلا عاشق معشوق سے جدا کب ہوتا ہے۔ انمیں تو ایک ایسا علاقہ ہوتا ہے کہ اسکی وجہ سے وہ دونوں گویا ایک ہی ہوجاتے ہیں اسی طرح چونکہ حق تعالیٰ محبوب ہیں اور تم محب حق ہو لہذا تمھارے اور حق تعالیٰ کے درمیان میں بھی ایک ایسا علاقہ ہے کہ اسکو یگانگت اور وحدت اصطلاحی سے تعبیر کرسکتے ہیں آگے اس اتحاد کا اتحاد لغوی ہونا بلکہ اتحاد اصطلاحی ہونا خود بیان فرماتے ہیں کہ۔

اتصالے بے تکیف بے قیاس ہست رب الناس را با جان ناس

یعنی ایک اتصال بلاکیف اور بے قیاس رب الناس کو لوگونکی جان کیساتھ ہے مطلب یہ کہ حق تعالیٰ کو ارواح عباد کیساتھ ایک ایسا اتصال ہے کہ جسکی کیفیت کو بیان کرنا ممکن نہیں۔ وہ ایک بالکل بے کیف تعلق ہے جسکو الفاظ سے تعبیر کرنا ممکن نہیں ہے

لہذا وہی اتحاد اصطلاحی ہوگا۔ نہ کہ اتحاد لغوی۔ اب یہاں یہ شبہ ہوا کہ شاید وہ فیض ہر شخص کیساتھ عام ہوگا آگے اس شبہ کو دفع فرماتے ہیں کہ۔

لیک گفتم ناس من نسناس نے ناس غیر جان جان اشناس نے

یعنی لیکن میں نے آدمی کہا ہے بن مانس نہیں (کہا) ہے اور آدمی بجز جان جان کے پہچاننے والے کے نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ ہم نے جو کہا ہے کہ آدمی کیساتھ حق تعالیٰ کو ایک بے کیف تعلق ہے وہ آدمیوں کیلئے کہا ہے کہ جو آدمی ہیں۔ انکی جان کیساتھ حق تعالیٰ کو تعلق ہے۔ اور انسان وہی ہے جسکو معرفت حاصل ہو۔ کیونکہ جو عارف نہیں ہے اسکی تو صرف صورت آدمی کی ہوتی ہے حقیقت انسان اسکے اندر نہیں ہوتی۔ تو وہ تو مثل بن مانس کے ہے اور وہ انسان نہیں ہے۔ لہذا تعلق جو ہوگا وہ عارفین کاملین کیساتھ ہوگا عوام عباد کیساتھ وہ تعلق نہیں ہے ہاں خالقیت کا تعلق تو سب کے ساتھ ہے بحث اس خاص بے کیف تعلق میں ہے تو وہ تعلق صرف عارفین ہی سے ہوتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے آگے بھی اسی کی توضیح فرماتے ہیں کہ

ناس مردم باشد کو مردمی تو سر مردم ندیدستی دمی

یعنی ناس تو آدمی ہوتے ہیں اور آدمیت کہاں ہے تونے آدمی کا سر نہیں دیکھا تو دم ہے مطلب یہ کہ ہم نے جو ناس کہا ہے تو اس سے آدمی مراد ہیں اور جنکو تم آدمی کہتے ہو۔ یہ آدمی ہی نہیں ہیں اسلئے کہ ان کے اندر آدمیت تو ہے ہی نہیں لہذا آدمی سے مراد وہ آدمی ہے جسمیں آدمیت بھی ہو۔ اور ایسے حضرات اولیاء اللہ ہی ہیں۔ اور چونکہ تم اس ظاہر جسم ہی میں پھنسے ہوئے ہو۔ اسلئے تم اس شخص ہی کو آدمی کہتے ہو جسکی صورت آدمی جیسی ہو۔ اور حقیقت انسان کو تم نہیں دیکھتے تو تم بمنزلہ دم کے ہو۔ کہ جسے کچھ بھی تمیز نہیں ہوتی۔ آگے فرماتے ہیں کہ

ما رمیت اذ رمیت خواندۂ لیک جسمی در تجزی ماندۂ

یعنی تونے ما رمیت اذ رمیت پڑھا ہے لیکن تو جسم والا ہے تو تجزی میں رہا ہوا ہے مطلب یہ کہ دیکھو قرآن شریف میں ارشاد حق ہے کہ ما رمیت اذ رمیت ولکن

اللہ رمی حالانکہ ظاہرا حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم ہی نے رمی فرمائی تھی اور اس رمی کو حق تعالیٰ اپنی طرف منسوب فرماتے ہیں جس سے کہ ایک تعلق حق تعالیٰ کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کیساتھ صاف طور پر معلوم ہوتا ہے اب جبکہ معلوم ہوا کہ وہ تعلق حق اس جسم ظاہری سے نہیں ہوتا بلکہ وہ تعلق بے کیف اور روحانی ہوتا ہے اسی لئے فرماتے ہیں کہ۔

ملک جسمت را چو بلقیس اے غنی　　ترک کن بہر سلیمان نبی

یعنی اے غنی اپنے ملک جسم کو بلقیس کی طرح سلیمان نبی علیہ السلام کیلئے چھوڑ دے مطلب یہ کہ جسطرح کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت کیلئے بلقیس نے اپنا ظاہری ملک ترک کر دیا تھا اور پھر اسکو دولت باطنی حاصل ہو گئی تھی اسی طرح تم بھی اپنے اس ظاہری جسم کے مقتضیات پر عمل مت کرو اسکو ترک کرو تب تمکو عروج روحانی حاصل ہوگا۔ انھوں نے خدمت سلیمان علیہ السلام کیلئے ترک کیا تھا تو تم اپنے شیخ کی خدمت کیلئے ترک کردو۔ کہ وہ بھی تمہارے لئے مثل سلیمان علیہ السلام ہی کے ہے۔ اب یہاں مولانا کو معترض کا خیال آ گیا تو وہ فرماتے ہیں کہ

می کنم لاحول نے از گفت خویش　　بلکہ از وسواس آں اندیشہ کیش

یعنی میں لاحول پڑھتا ہوں (مگر) اپنے قول پر نہیں بلکہ اس وہمی کے وسوسوں کی وجہ سے

کو خیالے میکند در گفت من　　در دل از وسواس و انکارات و ظن

یعنی کہ وہ میرے قول میں اپنے دل کے اندر وساوس اور انکار اور ظن کا خیال (باطل) کرتا ہے مطلب یہ کہ وہ معترض جو میرے قول میں وسوسے کر رہا ہے اور اس قول کا انکار کر رہا ہے کہ یہ جو جسم کے ترک کو کہتے ہیں یہ غلط ہے۔ تو میں اسکے ان گمانوں پر لاحول پڑھتا ہوں

می کنم لاحول یعنی چارہ نیست　　چوں ترا در دل بضدم گفتنے است

یعنی کہ میں لاحول پڑھتا ہوں یعنی کوئی علاج نہیں ہے۔ جبکہ تجھے میری ضد میں کچھ کہنا ہے۔

چونکہ گفت من گرفتت در گلو　　من خمش گردم تو آں خود بگو

یعنی جبکہ میرا قول تیرے حلق میں اٹکتا ہے تو میں خاموش ہوتا ہوں تو اپنی بات ہی کہہ لے مطلب یہ کہ میں جو لاحول پڑھتا ہوں تو اس لاحول کے معنی یہ ہیں کہ اے معترض جب تجھے مجھسے ضد ہے تو پھر اسکا تو کوئی علاج ہی نہیں کیونکہ اگر اعتراض سے مقصود کوئی اصلاح ہوتی

یا احقاق حق مقصود ہوتا تب تو آسان تھا کہ تجھے سمجھا دیتا مگر اب جو تجھے مجھسے صرف ضد ہی ہے تو تو کسی طرح مان ہی نہیں سکتا۔ لہذا اب میں ہی چپ ہوا جاتا ہوں تو اپنی ہی کہے۔ آگے اسپر کہ میں چپ ہوتا ہوں تو اپنی ہی کہے ایک حکایت لاتے ہیں۔

قصہ ایک نے بجانیوالے کا کہ نے بجانے کے وقت اسکی ریح صادر ہوئی تو اُس نے نے کو کون پر رکھدیا کہ اگر تو اچھی آواز نکال سکتی ہے تو تو ہی بول لے

آں یکے نائی کہ خوش نے میزدست ناگہاں از مقعدش بادے بجست

یعنی ایک نے بجانیوالا جو کہ اچھی نے بجارہا تھا اچانک اُسکی ریح صادر ہوگئی۔

نائے را بر کون نہاد و کہ زمن گر تو بہتر میزنی بستان بزن

یعنی اُس بجانے والے نے نے کو کون پر رکھدیا (اور اُس سے کہا) کہ اگر مجھسے اچھی تو بجاسکے تو تو ہی بجالے (تو اسی طرح مولانا فرماتے ہیں کہ اے معترض جو کہ کون کی طرح ہے اگر تو مجھسے اچھا کلام کر سکتا ہے تو تو ہی بول لے میں چپ ہوا جاتا ہوں) آگے مولانا تعلیم فرماتی ہیں کہ ان معترضین اور بے ادبوں کی باتوں کا تحمل کرنا چاہیے۔

شرح حبیبی

ہر بے ادب کی باتوں کا تحمل کرنا اور نرمی اختیار کرنیکا بیان

اے مسلمان خود ادب اندر طلب	نیست الا حمل از ہر بے ادب
ہر کرا بینی شکایت میکند	کاں فلاں کس راست طبع و خوئے بد
ایں شکایت گو بدآنکہ بد خوے است	کہ مرآں بد خوے را او بد گوے است

زانکہ خوشخو آں بود کو در خمول | باشد از بدخو و بدطبعان حمول
لیک در شیخ آں گلہ زامر خداست | نے پئے خشم و ممارات و ہواست
آں شکایت نیست ہست اصلاح جاں | چوں شکایت کردن پیغمبراں
ناحمولے انبیا از امر داں | ورنہ حمال است بدرا حلم شاں
طبع را کشتند در حمل بدی | ناحمولے گر بود ہست ایزدی
اے سلیماں درمیان زاغ و باز | حلم حق شو با ہمہ مرغان بساز
بلبل بسیار گو را پر مکن | باز را و کبک را برہم مزن
اے دو صد بلقیس حلمت را زبوں | کاہد قومی انہم لا یعلمون

اوپر مولانا ایک معترض پر خفا ہوئے تھے اس سے کسی کو نفسانیت کا شبہ ہو سکتا تھا اسلئے اب تحمل و عدم تحمل کی تحقیق فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ طالب حق و سالک کیلئے ادب طلب یہی ہے کہ ہر بے ادب کی بات کا تحمل کرے اور جسکو تم دیکھو کہ کسی کی شکایت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں شخص کی طینت و خصلت بری ہے۔ اسکی یہ شکایت بتلاتی ہے کہ ہنوز یہ خود بدخو ہے۔ کہ اس بدخو کو برا کہتا ہے اسلئے کہ خوشخو وہ ہوتا ہے جو گوشۂ گمنامی میں پڑا ہوا بدخو اور بدخصلت لوگوں کی زیادتیوں کو برداشت کرے لیکن مشائخ مصلحین کی شکایتوں کو اس قبیل سے نہ سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ وہ بحکم خدا ہیں غصہ اور جھگڑے اور خواہش نفسانی کی بنا پر نہیں ہیں اور گو وہ بظاہر شکایت معلوم ہوں مگر حقیقت میں شکایت نہیں ہیں بلکہ اصلاح و تربیت روح ہے جیسی کہ پیغمبروں کی شکایتیں۔ تم انبیا کے عدم تحمل کو بحکم حق سمجھو۔ ورنہ فی نفسہ انکا حلم ہر برائی کا تحمل ہے۔ انھوں نے برائیوں کے تحمل کے باب میں اپنے نفس کو بالکل مار رکھا ہے پس اگر ایسی حالت میں عدم تحمل ظاہر ہو تو وہ بحکم حق ہوگا اس تحقیق کے بعد مولانا ضیاء الحق حسام الدین کو خطاب فرماتے ہیں اور وجہ اس خطاب کی یہ ہے کہ مولانا مثنوی کو ان ہی کی طرف نسبت کرتے ہیں پس شعر

طاعن گویا کہ انہیں پر طعن ہے۔ اور مولانا نے جو مثنوی میں اس پر ناخوشی کا اظہار کیا ہے وہ گویا کہ انہیں کا عتاب ہے۔ اسلئے فرماتے ہیں کہ اے سلیمان وقت کووں اور بازوں کے اندر آپ حلم حق کو کام فرمائیں اور سب جانوروں سے میل رکھیں۔ اور بلبل فضول گو کے پر نہ اکھاڑیں اور باز اور کباب سبکو مخلوط نکریں آپکے حلم کے سیکڑوں شخص خوب بلقیس کی طرح گمراہ ہیں زیر بار ہیں پس آپ حلم کو کام فرماویں اور یہ فرمائیں کہ اے اللہ تو میری قوم کو ہدایت کر یہ جانتے نہیں۔ خلاصہ یہ کہ اوپر مولانا نے معترض پر عتاب فرمایا تھا اور کہا تھا کہ اچھا میں چپ ہوتا ہوں تو ہی کہہ۔ اور مولانا چونکہ مثنوی کو حسام الدین کی طرف منسوب کرتے ہیں اسلئے یہ عتاب گویا کہ انہیں کا عتاب تھا۔ اسپر مولانا انکے غصہ کو فرو کرنا چاہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آپ خفا نہوں حلم حق سے کام لیں۔ آپ ان جاہلوں کی باتوں کی طرف التفات نفرماویں سب کے سب سمجھ ہی ہیں۔ اگر یہ جاہل نہ سمجھیں نہ سہی دوسرے لوگ سمجھیں گے۔ آپ ان نااہلوں کے سبب اہلوں کو محروم نفرمائیے اور سلسلہ گفتگو کو جاری رکھئے اور ان نااہلوں کے لئے بھی حق سبحانہ سے دعائے ہدایت فرمائیے۔ ھذا ھو المراد۔ وما قال البعض من انہ خطاب لسلیمان علیہ السلام وتوطیۃ للرجوع الی القصہ کما ھو داب مولانا والقول بان الخطاب لحسام الدین اولکل سالک تکلف وذھول عن داب مولانا اہ شطط وذھول منہ عن داب مولانا وقع مثل ھذا فی السفر الثالث تحت عنوان آداب المستمعین و المریدین عند فیض الحکمۃ من لسان الشیخ کما قال ۵ بر ملولان این مکرر کردنست نزد من عمرے مکرر بردنست + لیک باری غبتہائے ضمیر + صدقہ سلطان بفیشان وا مگیر +

اسپ خود را اے رسول آسماں
در ملولان منگر و اندر جہاں

شرح شبیری

ہر بے ادب کی باتوں کا تحمل کرنا اور نرمی اختیار کرنے کا بیان

اے مسلماں خود ادب اندر طلب
نیست الا حمل از ہر بے ادب

یعنی اے طالب طلب میں ادب یہی ہے کہ ہر بے ادب (کی گستاخیوں کا) تحمل کیا جاوے
مطلب یہ کہ طریق طلب میں تحمل اور بردباری کرنا ہی اس طریق کا ادب ہے۔

ہر کہ را بینی شکایت میکند　　کان فلان کس راست طبع و خوئے بد

یعنی جسکو کہ تو دیکھے کہ شکایت کرتا ہے کہ وہ فلاں شخص کی طبع اور خوئے بد ہے

ایں شکایت گو بدانکہ بدخو یست　　کہ مرآں بدخوئے را او بد گو یست

یعنی کہ یہ شکایت کہہ رہی ہے کہ وہ بدخو ہے کہ اُس بدخو کا یہ بدگو ہے۔

زانکہ خوشخو آں بود کو در خمول　　باشد از بدخوئے و بدطبعاں حمول

یعنی اسلئے کہ خوشخو تو وہ ہوتا ہے جو کہ خلوت گزینی میں بدخواور بدطبعوں کا تحمل کرنیوالا ہو
مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص کسیکی بدخوئی اور بدطبعی کی شکایت کرے تو سمجھ لو کہ یہ شاکی جیسا
بھی بدخو ہیں اسلئے کہ اگر خوشخو ہوتے تو یہ اُس بدخو کا تحمل کرتے اب جو یہ شکایت کرتے پھرتے
ہیں یہ شکایت خود صاف بتارہی ہے کہ یہ خود بدخو اور بدطبع ہے۔ کیونکہ خوشخو تو کہتے اُسی
کو ہیں جو بدخولوگوں کی تکالیف پر تحمل کرے۔ اب یہاں شبہ پڑتا ہے کہ جب خوشخوئی تحمل ہی ہے
تو یہ جو شیوخ اپنے مریدین کو تنبیہ فرماتے ہیں اور انکی گستاخیوں پر تحمل نہیں کرتے اس سے
تو یہ سارے کے سارے بدخو ثابت ہوتے ہیں حالانکہ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ اُن کے رذائل
کا ازالہ ہو چکا ہے اور شیخ کامل بدخو نہیں ہو سکتا۔ پھر اُن کے اس تحمل نہ کرنے کی کیا وجہ ہے
آگے اسکی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

لیک در شیخ آں گلہ ز امر خداست　　نے پئے خشم و ممارات و ہواست

یعنی لیکن شیخ میں وہ گلہ امر خدا کی وجہ سے ہے۔ نہ کہ غصہ اور دشمنی اور خواہش نفسانی
کی وجہ سے ہے۔

آں شکایت نیست ہست اصلاح جاں　　چوں شکایت کردن پیغمبراں

یعنی وہ شکایت نہیں ہے وہ جان کی اصلاح ہے۔ جیسے کہ انبیا علیہم السّلام کی شکایت کرنا

ناحمولے انبیا از امر داں　　ورنہ حمال است بدرا حلم شاں

یعنی انبیا علیہم السّلام کا بُردباری نہ کرنا حکم حق سے جانو۔ ورنہ بد کیلئے تو اُنکا حلم حمال ہی ہے

طبع را کشتند در حمل بدی ناحمولی گر بود ہست ایزدی

یعنی بدی کے تحمل کرنے میں انھوں نے طبیعت کو مار ڈالا ہے اور بُرد باری نکرنا اگر ہے تو وہ اللہ کے واسطے ہے۔ مطلب یہ کہ شیوخ کاملین اگر کبھی سختی کرتے ہیں اور تنبیہ فرماتے ہیں تو اُنکا مقصود صرف اصلاح ہوتی ہے۔ اُنکو طالب سے کوئی غرض نفسانی یا کوئی دشمنی وغیرہ نہیں ہوتی۔ بلکہ چونکہ طالب نے اصلاح کیلئے اپنے کو سپرد کر دیا ہے۔ اور حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ اگر کوئی اصلاح کیلئے اپنے کو سپرد کرے تو اسکو اُسکی لغزشوں پر متنبہ کرو تو اگر وہ متنبہ نکریں تو خائن ٹھیریں۔ اسلئے وہ طالب کو متنبہ فرماتے ہیں۔ اب اگر کہا جاوے کہ لغزش پر مطلع کرنے کیلئے نرمی بھی تو ہو سکتی ہے کہ سمجھا دیا جاوے تو یہ بات تجربہ سے معلوم ہو گئی ہے کہ بغیر سختی کے کوئی مانتا نہیں اس امر کو شیخ خود سمجھ سکتا ہے کہ کسکو نرمی نافع ہو گی اور کسکو سختی نافع ہے۔ اسلئے وہ ہر شخص سے اُسکی مناسب برتاؤ کرتا ہے اگر شیخ کا فہم اسکے لئے بھی کافی نہیں سمجھا جاتا۔ تو اسکے ہاتھ میں ہاتھ ہی کیوں دیا۔ اور اُسکو مصلح ہی کیوں بنایا۔ ہاں جو شخص طالب نہو۔ اور اپنے کو اصلاح کیلئے سپرد نکرے۔ اُسکی تمام گستاخیوں کو یہ حضرات سہتے ہیں اور اُس سے کچھ بھی نہیں کہتے جیسے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام تھے۔ کہ مخالفین کی ایذائیں تمام سہتے تھے۔ اور جو محب اور مطیع ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اُنکی ذرا سی بات بھی ناگوار ہوتی تھی جیسا کہ خود حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار نے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو پتھروں سے زخمی کر کر دیا۔ اور کیا کیا تکالیف روحانی اور جسمانی پہونچائیں مگر کبھی اُن پر خفا نہیں ہوئے بلکہ اُنکی اصلاح ہی کی دعا فرماتے رہے۔ اور ایکمرتبہ مسجد میں قبلہ کیجانب والی دیوار پر کسی کی کھنکار پڑی تھی تو حضور کا چہرۂ مبارک سُرخ ہو گیا۔ کیونکہ جانتے تھے کہ یہ حرکت کسی ایسے کی ہے کہ جو دوستی اور اطاعت کا دعویٰ کرتا ہے۔ تو بس اسی طرح جب ان حضرات کے سامنے بھی کوئی طلب کا دعویٰ کریگا تو جو اُسکے آداب اور حقوق ہیں اُنکو بھی بجا لانا پڑیگا۔ اور اگر تم ان حضرات کی خوش اخلاقی دیکھنا چاہتے ہو تو اپنے کو طالب مت بتاؤ۔ بلکہ کہدو کہ حضرت ہم طالب نہیں ہیں ہمیں اپنی اصلاح کی ضرورت نہیں ہے بس پھر دیکھو کہ یہ حضرات کیسے خوش اخلاق ہوتے ہیں۔ تو اگر طلب ہے تو پھر ان حضرات کی ذرا سی سختی سے گھبرا مت جاؤ

بلکہ اسکو سہنا چاہیے۔ یہانتک تو شیخ کی سختی کو تحمل کرنیکی مریدوں کو تعلیم فرمائی۔ آگے شیخ صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ۔

اے سلیماں درمیان زاغ و باز　　حلم حق شو با ہمہ مرغان بساز

یعنی اے سلیمان کوّے اور باز کے درمیان میں حلم حق ہوجا۔ اور تمام جانوروں کی ساتھ موافقت رکھ۔

بلبل بسیار گو را پر مکن　　باز را و کبک را برہم مزن

یعنی بلبل بسیار گو کے پر مت اکھاڑ اور باز اور کبک کو پٹک مت۔

اے دو صد بلقیس حلمت مات زبوں　　اہد قومے انہم لا یعلمون

یعنی اے وہ کہ دو سو بلقیس آپکے حلم کے (آگے) عاجز ہیں۔ (آپ تو یہ فرمائیے کہ) اے اللہ ہدایت دے میری قوم کو کہ وہ جانتے نہیں۔ مطلب یہ کہ اے شیخ ان اپنے اچھے برے مریدوں میں حلم حق ہو کر رہو اور ایسے تنک مزاج مت بنجاؤ کہ ذرا ذرا سی بات پر بگڑنے لگو بلکہ تمہیں بھی چاہیے کہ تحمل اور درگذر سے کام لو اور انکی اصلاح تنبیہ وغیرہ سے بھی کرو اور حق تعالیٰ سے دعا بھی کرو۔ غرضکہ مریدوں کو تعلیم ہے کہ شیخ کی سختی کی برداشت کرو اور شیخ سے عرض ہے کہ حضرت ان پر زیادہ سختی نہ فرمایا کیجیے کچھ نرمی سے بھی کام لیا کیجیے اور ان کی گستاخیوں پر تحمل فرمایا کیجیے۔ آگے پھر وہی بلقیس کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو دھمکی دینا کہ شرک پر اصرار مت کرو اور امتحان کیلئے ہجرت کرنیمیں دیر مت لگاؤ

ہیں بیا بلقیس ورنہ بد شود	لشکرت خصمت شود مرتد شود
پردہ دار تو درت را بر کند	جان تو با تو بجان خصمی کند

جملہ ذرات زمین و آسمان / لشکر حق اند گاہ امتحان

باد را دیدی کہ با عاد آنچہ کرد / آب را دیدی کہ در طوفان چہ کرد

آنچہ بر فرعون زد آن بحر کین / وانچہ با قارون نمودست این زمین

وانچہ آن بابیل با آن پیل کرد / وانچہ پشہ کلّۂ نمرود خورد

وانکہ سنگ انداخت داؤدے بدست / گشت صد پارہ و لشکر شکست

سنگ می بارید بر اعدائے لوط / تا کہ در آب سیہ خوردند غوط

گر بگویم از جمادات جہان / عاقلانہ یاری پیغمبران

مثنوی چندان شود کہ چل شتر / گر کشد عاجز شود از بار پُر

دست بر کافر گواہی می دہد / لشکر حق می شود سر می نہد

اے نمودہ ضد حق در فعل و درس / در میان لشکر اوئی بترس

جزو جزوت لشکر حق در وفاق / مر ترا اکنون مطیع اندر نفاق

گر بگوید چشم را کو را فشار / درد چشم از تو برآرد صد دمار

ور بدندان گوید او بنما وبال / پس بہ بینی تو ز دندان گوشمال

باز کن طب را بخوان باب العلل / تا بہ بینی لشکر تن را عمل

چونکہ جان جان ہر چیزے ویست / دشمنی با جان جان آسان کے است

خود رہا کن لشکر دیو و پری / کز میان جان کنندم صفدری

ملک را بگذار بلقیس از نخست / چون مرا یابی ہمہ ملک آن تست

خود بدانی چون بر من آمدی / کہ تو بے من نقش گرمابہ بدی

نقش اگر خود نقش سلطان یا غنی است ‏ ‏ صورت است آنجان خودی چاشنی است

زینت او از برائے دیگراں ‏ ‏ باز کردہ بیہدہ چشم و دہاں

اے تو در بیگار خود را باختہ ‏ ‏ دیگراں را تو ز خود نشناختہ

تو بہر صورت کہ آئی بیستی ‏ ‏ کہ منم ایں واللہ آں تو نیستی

یکزماں تنہا بمانی تو ز خلق ‏ ‏ در غم و اندیشہ مانی تا بحلق

ایں تو کے باشی کہ تو آں اوحدی ‏ ‏ کہ خوش و زیبا و سرمست خودی

مرغ خویشی صید خویشی دام خویش ‏ ‏ صدر خویشی فرش خویشی بام خویش

جوہر آں باشد کہ قائم با خود است ‏ ‏ واں عرض باشد کہ فرع او شد است

گر تو آدم زادۂ چوں او نشیں ‏ ‏ جملۂ ذرات را در خود بہ بیں

چیست اندر خم کہ اندر نہر نیست ‏ ‏ چیست اندر خانہ کاندر شہر نیست

ایں جہاں خم است و دل چوں جوئے آب ‏ ‏ ایں جہاں حجرہ است دل شہر عجاب

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس پر ظاہر کرنا کہ تمہارے ایمان لانے میں میرا کوشش کرنا محض اللہ واسطے ہے کسی خود غرضی کی وجہ سے نہیں ہے۔ مجھے نہ تمہارے ملک کی حاجت نہ تمہارے حسن وغیرہ کی اور جب تمہاری چشم باطن کھل جاویگی تو تمکو یہ بات خود ہی معلوم ہو جاویگی

ہیں بیا کہ من رسولم دعوتے ‏ ‏ چوں اجل شہوت کشم نے شہوتے

ور بود شہوت اسیر شہوتم | نے اسیر شہوت و روئے بتم
بت شکن بودست اصل اصل ما | چوں خلیل حق و جملہ انبیا
گر در آیم از رہے در بتکدہ | بت سجود آرد بما در معبدہ
احمد و بوجہل در بتخانہ رفت | زیں شدن تا آں شدن فرقیست زفت
ایں در آمد سر نہند او را بتاں | آں در آید سر نہد چوں امتاں
ایں جہاں شہوتی بتخانہ ایست | انبیا و کافراں را لانہ ایست
لیک شہوت بندۂ پاکاں بود | زر نسوزد زانکہ نقد کاں بود
کافراں قلب اند و پاکاں ہمچو زر | اندریں بوتہ درند ایں دو نفر
قلب چوں آمد سیہ شد در زماں | زر در آمد شد زری او عیاں
دست و پا انداخت اندر بوتہ زر | در رخ آتش ہمی خندد چو خور
جسم ما روپوش باشد در جہاں | ما چو دریا زیر ایں کہ در نہاں
شاہ دیں را منگر اے ناداں بطین | کیں نظر کردست ابلیس لعین
کے تواں اندود ایں خورشید را | با کف گل تو بگو آخر مرا
گر بریزی خاک و صد خاکسترش | بر سر نور او بر آید بر سرش
کہ کہ باشد کہ بپوشد روئے آب | طین کہ باشد کہ بپوشد آفتاب
خیز بلقیسا چو ادہم شاہ وار | دود ازیں ملک دو سہ روزہ برآر
باز گو احوال ابراہیم زود | ترک ملکش را بگو موجب چہ بود

اب مولانا پھر سلسلۂ گفتگوئے حضرت سلیمان علیہ السلام کو شروع کرتے ہیں۔ اور

فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے قاصدوں سے فرمایا کہ بلقیس سے کہدینا کہ دیکھ بلقیس اگر تو اپنا بھلا چاہتی ہے تو مطیعانہ ہماری حضور میں حاضر ہو۔ ورنہ تیرے حق میں برا ہوگا۔ اور تو اپنے لشکر پر مغرور نہونا۔ کیونکہ خود یہ تیرا لشکر ہی تیرا دشمن ہو جائیگا اور تجھسے پھر جاویگا اور جو اسوقت تیرا محافظ پردہ ہے وہ پردہ تو کیا خود تیرے سر کو اکھاڑ ڈالیگا۔ بلکہ خود تیری جان پوری کوشش سے تیری ساتھ دشمنی کریگی۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ ارشاد بالکل صحیح ہے۔ کیونکہ امتحان کے وقت زمین و آسمان کے تمام ذرات حق سبحانہ کی فوج ہوتے ہیں تونے دیکھا ہی ہے کہ ہوا نے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا اور تجھے معلوم ہی ہے کہ پانی نے طوفان نوح کے زمانہ میں کیا کیا۔ اور کینہ ور رود نیل نے فرعون کو جو صدمہ پہونچایا اور زمین نے قارون کیساتھ جو معاملہ کیا اور ابابیل نے ہاتھی کیساتھ جو سلوک کیا اور یہ کہ مچھر نے نمرود کا دماغ کھالیا تھا۔ اور یہ کہ داؤد علیہ السلام نے ہاتھ کی امداد سے پتھر پھینکا تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اور لشکر جالوت کو شکست دیدی۔ اور یہ کہ لوط علیہ السلام کے دشمنوں پر پتھر برسے۔ یہانتک کہ وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے یہ تمام واقعات تجھے معلوم ہی ہیں اور بہت سے واقعات ہیں جنکو میں بیان نہیں کرتا۔ اگر میں جمادات کے ان تمام کارناموں کو بیان کروں جو انھوں نے عقلا کی طرح پیغمبروں کی اعانت میں کئے ہیں۔ تو مثنوی اسقدر دراز ہو جاوے کہ چالیس اونٹ اگر اسے کھینچنا چاہیں تو اسکے بھاری بوجھ کے سبب اسکے کھینچنے سے عاجز ہو جائیں اسلئے میں اسے چھوڑ کر کہتا ہوں۔ کہ قیامت میں کافروں کے ہاتھ ان کے خلاف شہادت دیں گے اور حق سبحانہ کے مطیع ہونگے اور اسکا لشکر بنیں گے پس تم جو اقوال و افعال میں حق سبحانہ کی مخالفت کرتے ہو تم کو یاد رکھنا چاہیئے کہ تم اسکی فوج میں گھرے ہوئے ہو۔ لہذا تم کو ڈرنا چاہیئے اور مخالفت سے باز رہنا چاہیئے تمھارا ایک ایک جزء حق سبحانہ کا لشکر اور اسکے ساتھ متفق ہے اور تیری اطاعت محض منافقانہ یعنی ظاہری ہے چنانچہ اگر وہ آنکھ کو حکم دیدے کہ ذرا اسکا کوچ تو نکال دے تو تیری آنکھ کا درد تجھے ہلکان کر ڈالے اور اگر وہ دانت کو حکم دیدے کہ ذرا اسے سزا تو دے تو تو دیکھے گا کہ تیرا دانت تیری

گوشمالی کریگا۔ ذرا کتب طبیہ کو کھولو۔ اور فن معالجات کو پڑھو تاکہ تم کو معلوم ہو کہ لشکر تن جسکو تم اپنا سمجھ رہے ہو تمھارے ساتھ کیا کیا کرتا ہے پس تم عبرت حاصل کرو اور حق سبحانہ کی مخالفت کو چھوڑو۔ دیکھو تمام اشیار کا وجود و بقا حق سبحانہ کے ہی ذریعہ سے ہے اسلئے انکو ہر چیز کی جان کی جان کہا جا سکتا ہے اور جبکہ وہ ہر چیز کی جان ہے تو اُسکی مخالفت نہایت خطرناک ہے۔ کیونکہ جان جان کی مخالفت کوئی معمولی بات نہیں۔ یہاں تک مولانا اپنا بیان ختم کر کے پھر حضرت سلیمان علیہ السّلام کی گفتگو کا سلسلہ شروع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں انھوں نے بلقیس کو بواسطہ رسولوں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے پاس جو دیوؤں اور پریوں کا لشکر ہے وہ تو الگ رہا خود تیری جان ہی کے اندر سے وہ باتیں پیدا ہونگی جو تیری فوجی خدمت انجام دیتے ہوئے اپنی شجاعت دکھلائیں گی پس اے بلقیس قبل اسکے کہ میری طرف سے تجھپر فوج کشی ہو تو خود ہی ملک چھوڑدے اور میرے پاس آجا جب میں تیرا ہو جاؤنگا تو تمام ملک تیرا ہی ہے۔ جب تو میرے پاس آجائیگی تو تجھے خود معلوم ہو جائیگا کہ میرے بدوں تو محض تصویر حمام تھی۔ اس مقام پر چونکہ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے بلقیس کو بوجہ اسکے محجوب ہونیکے تصویر کہا ہے اب مولانا تصویر کی حالت بیان کرتے ہیں اور اسمیں دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ بلقیس کو تصویر کہنے کی وجہ ظاہر ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ آیندہ مضمون ارشادی کیلئے بطور مقدمہ کے کام آئے اور فرماتے ہیں کہ تصویر خواہ بادشاہ کی ہو یا دولتمند کی وہ محض صورت ہی صورت ہے اور لذت جان اُسے حاصل نہیں ہوتی اُسکی زینت محض دوسروں کیلئے ہوتی ہے۔ اور اسکی آنکھوں اور منہ کا کھلا ہونا اسکے حق میں محض فضول ہوتا ہے جب تصویر کی حالت جو بطور مقدمہ کے تھی بیان کرچکے تو اب مضمون ارشادی کو بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے وہ محجوب جس نے تصویر کی طرح اپنے کو بیگار کیلئے وقف کر رکھا ہے۔ اور خود میں اور غیر میں تمیز نہیں کرتا اور اسلئے دوسروں کے کاموں کو اپنا ہی کام سمجھتا ہے۔ تیری یہ حالت ہے کہ تو جس صورت یعنی غیر مطلوب چیز تک پہونچتا ہے وہیں ٹھہر جاتا ہے۔ اور اسی میں پھنسکر رہجاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ صورت میری غیر نہیں ہے بلکہ میری عین ہے۔ اور اسمیں اشتغال خود اپنے میں

اشتغال ہے - اور اسکا کام خود میرا کام ہے - یہ تیری غلطی ہے واللہ تو وہ نہیں ہے - اور نہ اسمیں اشتغال خود اپنے میں اشتغال اور نہ اسکا کام خود تیرا کام ہے نیز اگر تو کبھی مخلوق سے الگ بھی ہوتا ہے جس سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے - کہ تو مشغول مع الغیر نہیں بلکہ مشتغل باخود ہے تو اسوقت بھی تو مشغول مع الغیر ہی ہوتا ہے - اور ہموم وافکار لا یعنی میں گلے تک ڈوبا ہوتا ہے - پس تو ایسی حالت میں بھی دوسروں کے کام سے خالی نہیں حالانکہ تو اپنے کو ہموم وافکار کا عین سمجھتا ہے اور تو ان میں اشتغال کو اشتغال باخود سمجھتا ہے پس یہ تیری غلطی ہے - کہ تو آپکو انکا عین سمجھتا ہے - تو انکا عین ہرگز نہیں بلکہ تو تو وہ یکتا ہے جو نہایت پاکیزہ اور دلکش اور قابل مطلوبیت ہے نہ کہ لائق طالبیت مطلوبات دنیہ اور تو اصالۃ اپنا عاشق ہے - نہ کہ مطلوبات خسیسہ کا اور تو اپنا ہی جانور ہے - اپنا ہی شکار ہے اپنا ہی جال ہے - اپنا ہی مقام صدر ہے - اپنا ہی فرش ہے - اپنا ہی بام ہے غرض کہ تجھے جو تعلق ہے وہ خود اپنی ہی ذات سے ہے - پھر تو دوسروں کا بیگاری کیوں بن رہا ہے ان سے تجھے واسطہ کیا - تو تو جوہر ہے اور جوہر وہ ہوتا ہے جو اپنی ذات سے قائم ہو - اور اپنے وجود میں دوسروں کا تابع نہو پھر تو نے اپنے وجود کو دوسروں کا تابع کیوں بنا رکھا ہے اور جو کسی جوہر کے تابع ہو وہ تو عرض ہوتی ہے - اور تو عرض ہے نہیں - تو یہ تابعیت کیسی اگر تو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد اور الولد سر لابیہ کا مصداق ہے - تو انکی طرح متبوع و مطلوب ہو کر بیٹھ - اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو اپنی جامعیت کے سبب اور ایک اعتبار سے عالم صغر اور دوسرے لحاظ سے عالم اکبر ہونیکے باعث (جسکی تفصیل پیشتر گذر چکی ہے) تمام ذرات عالم کا خود اپنے اندر مشاہدہ کر لیگا - جبکہ وہ سب خود تیرے اندر موجود ہیں تو انکو اپنے سے باہر ڈھونڈنے اور انمیں منہمک ہو کر اپنے کو بھولجانے کی کونسی وجہ ہے - بتلا تو سہی کہ مٹکے میں وہ کیا چیز ہے جو نہر میں نہیں اور گھر میں وہ کونسی شے ہے جو شہر میں نہیں ہے - جبکہ ایسی کوئی چیز نہیں تو اب سمجھ لے کہ تمام عالم بمنزلہ ایک مٹکے کی ہے - اور قلب انسانی مثل ندی کے - اور یہ تمام جہان بمنزلہ حجرہ کے ہے - اور دل ایک حیرت انگیز شہر ہے - تو دل کو چھوڑ کر عالم میں مشغول ہونا سراسر حماقت ہے اس مضمون کو یہاں ختم کر کے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کی گفتگو کا سلسلہ شروع کرتے ہیں

اور کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اے بلقیس تو آجا
اور یہ نہ سمجھنا کہ میں کسی غرض نفسانی کیلئے بلاتا ہوں اسلئے کہ میں رسول مبلغ اور موت کیطرح
شہوات کش یعنی اُسکے ناجائز اقتضاءات کو فنا کرنے والا ہوں۔ نہ کہ پابند شہوت۔ اور اگر
مجھمیں نفس شہوت موجود ہو تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ میں اسکا حاکم ہوں اور اسیر شہوت
و روئے بتاں و حسینان نہیں ہوں میں اسیر روئے بتاں کیونکر ہو سکتا ہوں ہماری پرو نسبے
تو بت شکنی ہوتی آئی ہے۔ نہ کہ بت پرستی۔ چنانچہ ہمارے جدامجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ
اور نیز تمام انبیاء بت شکن تھے۔ اور میں بت پرست کیسے ہو سکتا ہوں جبکہ خود بتوں کی
ہمارے سامنے یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر ہم کبھی کسی ضرورت سے بتخانہ میں جا پہونچتے ہیں
تو عبادت خانہ میں وہ خود ہمیں سجدہ کرتے ہیں اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ
دیکھو کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی بتخانہ میں تشریف لیگئے تھے اور ابوجہل بھی
گیا تھا۔ لیکن آپ کے جانے اور اُسکے جانے میں بہت فرق تھا آپ تشریف لیجاتے ہیں
تو خود بت سجدہ کرتے ہیں اور ابوجہل جاتا ہے تو بندوں کی طرح خود انکو سجدہ کرتا ہے جب
یہ تمہیدی مضمون معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ یہ شہوات سے بھرا ہوا عالم ایک بتخانہ ہے جسمیں انبیاء
بھی رہتے ہیں اور کفار بھی مگر دونوں میں فرق ہے۔ شہوت اہل اللہ کی غلام ہوتی ہے۔ اور وہ
اس سے متضرر نہیں ہوتے جسطرح کہ سونا کانی اور اصلی ہوتا ہے آگ میں نہیں جلتا ہاں کفار
اس سے متضرر ہوتے ہیں اسلئے کہ کفار تو کھوٹے سونیکی مانند ہیں اور انبیا زر خالص کی مثل
اور دونوں اس جہان شہوتی کی کھٹائی میں موجود ہیں کھوٹا سونا تو اسمیں پڑتے ہی سیاہ
ہو جاتا ہے اور خالص سونا اسمیں پڑتا ہے تو اُس سے اُسکا خلوص اور بے میل ہونا ظاہر
ہو جاتا ہے۔ یعنی شہوت فی نفسہ کوئی بری چیز نہیں بلکہ ایک آلۂ امتحان ہے جس سے ناقصین
کا نقصان اور کاملین کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ زر خالص کھٹائی میں پڑتا ہے اور آگ کے
سامنے آفتاب کی طرح ہنستا ہے یعنی آگ اُسکے لئے مفید ہی مضر نہیں۔ برخلاف زر قلب کے
علیٰ ہذا شہوت اہل اللہ کیلئے مفید اور موجب ظہور کمال ستودہ ہے۔ نہ کہ کفار کی طرح مضر و
مظہر نقصان۔ اب پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا مقولہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں

کہ انھوں نے اپنے سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میری اس طلب سے شہوت پرستی کا توہم ہو سکتا ہے کیونکہ بظاہر مجھ میں اور شہوت پرستوں میں کوئی فرق نہیں مگر میں بتلائے دیتا ہوں کہ حقیقت میں ہم لوگوں اور شہوت پرستوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اور یہ جسم ظاہر جو منشأ توہم تماثل ہے محض اس حقیقت کا پردہ ہے۔ ورنہ ہماری حقیقت سے اس سے کوئی تعلق نہیں اسلئے ہماری ایسی مثال ہے جیسے دریا خس و خاشاک میں چھپا ہوا ہو۔ کہ بظاہر وہ جنگل معلوم ہوتا ہے مگر پاؤں رکھنے کے بعد حقیقت حال معلوم ہو جائیگی اسکو بیان کر کے مولانا پھر انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ احمقو اہل اللہ کو محض مٹی نہ سمجھو۔ اور ان هذا الا بشر مثلنا نہ کہو۔ کیونکہ ابلیس نے حضرت آدم کو ایسا سمجھا تھا سو اسکا نتیجہ تمکو معلوم ہو گیا۔ اور آئندہ ہو جاویگا۔ تیرا انکو مٹی کہنا آفتاب پر خاک ڈالنا اور پانی کی سطح کو ایک تنکے سے چھپانا ہے بھلا تو مجھے بتا تو سہی کیا آفتاب کو خاک آلود کیا جا سکتا ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ اگر کوئی آفتاب پر خاک ڈالے اور اہل اللہ کو مٹی کہے تو وہ اس پھینکنے والے ہی کے سر پر پڑیگی۔ اور اس مٹی کہنے سے خود اس کہنے والے ہی کا مٹی ہونا ظاہر ہوگا۔ اور ایک گھاس کے تنکے کی کیا حقیقت ہے۔ کہ وہ سطح آب کو چھپائے۔ علیٰ ہذا مٹی کی کیا حقیقت ہے کہ وہ آفتاب کو چھپالے۔ اچھا بلقیس اب تم شاہ ابراہیم بن ادہم کی طرح اٹھو اور ملک ناپائدار کو مٹاؤ۔ اچھا اب ابراہیم بن ادہم کی حالت بیان کرنی چاہئے۔ اور بتلانا چاہئے کہ اُن کے ترک سلطنت کا کیا سبب ہے۔

شرح شبیری

سلیمان علیہ السّلام کا بلقیس کو دھمکی دینا کہ شرک پر اصرار مت کرو اور امتحان کیلئے ہجرت کر کے میں پریت و نگار

ہیں بیا بلقیس ورنہ بد شود لشکرت خصمت شود مرتد شود

یعنی ہاں اے بلقیس (مطیع ہوکر) آجاؤ ورنہ بُرا ہو گا تمھارا ہی لشکر تمہارا دشمن اور باغی ہو جاوےگا

پردہ دار تو درت را بر کند ۔۔۔ جاں تو با تو بجاں خصمی کند

یعنی تیرا پردہ دار ہی تیرے در کو اکھاڑیگا اور تیری جان ہی تیری ساتھ دل وجان سے دشمنی کرے گی۔ مطلب یہ کہ یا تو مسلمان ہوکر آجاؤ ورنہ یہ تمھارا لشکر اور لشکری بلکہ خود تمھاری جان اور روح ہی تمھاری دشمن ہو جاویں گی۔ کیونکہ

جملہ ذرات زمین و آسماں ۔۔۔ لشکر حق اند گاہ امتحاں

یعنی زمین و آسمان کے تمام ذرات امتحان کے وقت میں حق تعالیٰ کے لشکر ہیں۔ مطلب یہ کہ آسمان و زمین میں جسقدر بھی چیزیں ہیں یہ تو ظاہر ہے کہ سب فرمان حق کے مطیع ہیں اودہر سے جو حکم ہو گا اسی کے اندر یہ سب چیزیں لگ جاوینگی تو اگر تم حکم حق کو نہ مانو گی تو حق تعالےٰ ان سب چیزوں کو جو اب تمھاری دوست اور محافظ ہیں تمہارے دشمن بنا دیں گے لہذا تم جلد مسلمان ہو کر حاضر ہو۔ آگے ان اشیاء کے حکم حق کے تابع ہونیکی اور اسکی کہ حکم حق کے بعد ان چیزوں نے اپنے اُن دوستوں کو جنکی یہ پرورش کیا کرتی تھیں کس طرح ہلاک کیا ہے۔ چند نظائر بیان فرماتے ہیں۔

بادرا دیدی کہ با عاد آں چہ کرد ۔۔۔ آب را دیدی کہ در طوفاں چہ کرد

یعنی تم نے ہوا کو دیکھا کہ اُس نے عاد کے ساتھ کیا کیا۔ اور پانی نے طوفان میں (قوم نوح کے ساتھ) کیا کیا۔

انچہ بر فرعون زد آں بحر کیں ۔۔۔ وانچہ با قاروں نمودست ایں زمیں

یعنی (تم نے دیکھا) جو کچھ کہ اُس بحر کینہ نے فرعون کے ساتھ کیا۔ اور جو کچھ کہ اس زمین نے قارون کے ساتھ کیا۔

وانچہ آں بابیل با آں پیل کرد ۔۔۔ وانچہ پشہ کلۂ نمرود خورد

یعنی اور جو کچھ کہ اُس ابابیل نے ہاتھی کے ساتھ کیا اور جو کچھ کہ مچھر نے نمرود کے کلہ کیساتھ کیا۔

وانکہ سنگ انداخت داؤدے بدست ۔۔۔ گشت شصد پارہ و لشکر شکست

یعنی اور وہ کہ پتھر ایک داؤدؑ نے ہاتھ سے پھینکا تو وہ تین سو ٹکڑے ہو گیا۔ اور لشکر (جالوت)

کو شکست دی۔

سنگ می بارید بر اعدائے لوط — تاکہ در آب سیہ خوردند غوط

یعنی لوط علیہ السلام کے دشمنوں پر پتھر برسے یہانتک کہ انھوں نے آب سیہ میں غوطے کھائے یعنی ہلاک ہو گئے۔ مطلب یہ کہ دیکھو ہوا پانی جو کہ زندگی کو قائم رکھنے والی چیزیں ہیں انھوں نے حکم حق سے قوم عاد و قوم فرعون کو ہلاک کیا ابابیل ایک جانور حقیر نے ہاتھی جیسے عظیم الشان جانور کو حکم حق سے ہلاک کیا۔ علیٰ ہذا جسقدر زمین و آسمان میں چیزیں ہیں سب کی سب حکم حق کی تابع ہیں اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

گر بگویم از جمادات جہاں — عاقلانہ یاری پیغمبراں

یعنی اگر میں جمادات جہاں کا پیغمبروں کی عاقلوں کی طرح مدد کرنا بیان کروں۔

مثنوی چنداں شود کہ چل شتر — گر کشد عاجز شود از بار پُر

یعنی مثنوی اسقدر (بڑی) ہو جاوے کہ چالیس اونٹ اگر کھینچیں تو باربرداری سے عاجز ہو جاویں۔ مطلب یہ کہ اگر میں اسکو بیان کروں کہ جمادات نے انبیا علیہم السلام کی تابعداری کیسی عقلاء کی طرح کی ہے اور کس طرح حکم کی وجہ سے اُنکے فرمانبردار رہے ہیں تو یہ مضمون اسقدر زیادہ ہو جاوے کہ پھر مثنوی کو چالیس اونٹ بھی نہ اٹھا سکیں یعنی بیحد نظائر اسکے موجود ہیں کہ جو چیزیں کہ دوست اور ممد حیات تھیں وہی انبیا علیہم السلام کے حکم سے جو کہ نائب حق تھے مہلک ہو گئیں۔ اور اونھوں نے اپنے دوستوں ہی کو ہلاک و برباد کیا۔ آگے اور نظائر بیان فرماتے ہیں کہ۔

دست بر کافر گواہی می دہد — لشکر حق می شود سر می نہد

یعنی ہاتھ کافر پر گواہی دیتا ہے حق تعالیٰ کا لشکر ہوتا ہے اور اطاعت کرتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو قیامت میں انسان کے ہاتھ پاؤں جو بڑے دوست ہیں حکم حق ہی کی وجہ سے اسکے خلاف گواہی دیں گے اور جسطرح حکم حق ہو گا وہ اُسی طرح اطاعت کریں گے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

اے نمودہ ضد حق در فعل و درس — در میان لشکر اوئی بترس

یعنی اے شخص کہ فعل و قول میں حق تعالیٰ کے خلاف کرتا ہے اور تو اسکے لشکر کے درمیان میں ہے ڈرتا رہ۔

جزو جزوت لشکر حق در وفاق مرترا اکنوں مطیع اندر نفاق

یعنی تیرا جزو جزو حق تعالیٰ کا لشکر ہے۔ موافقت میں اور اب نفاق سے تیرے مطیع ہو رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ اے شخص تو جو حق تعالیٰ کے خلاف کر رہا ہے کہ کام بھی اسکی مرضی کے خلاف اور باتیں بھی ویسی ہی تو ذرا ڈرتا رہو اسلئے کہ تیرے ہاتھ پاؤں آنکھ ناک غرض سارے اعضاء حق تعالیٰ کے لشکر ہیں۔ اور اصل میں اُسی کے تابع ہیں صرف حکم کی وجہ سے وہ بظاہر منافقوں کی طرح تمہارے مطیع ہو رہے ہیں تو اگر حکم حق ہوگا تو یہ سارے کے سارے تیرے مخالف ہو جاویں گے اور تیرے ہلاک کرنیکے لئے یہی کافی ہونگے آگے ان اعضاء کا حق تعالیٰ کے حکم سے اس صاحب اعضاء ہی کو گزند پہونچانیکی نظائر بیان فرماتے ہیں

گر بگوید چشم را کو را فشار درد چشم از تو برآرد صد دمار

یعنی اگر حق تعالیٰ آنکھ کو حکم دے کہ اسکو (صاحب چشم کو) ذرا سزا دے تو درد چشم تیرے اندر سے سو دماغ نکال لے۔

گر بدندان گوید او بنما وبال پس ببینی تو ز دندان گوشمال

یعنی اگر دانتوں کو حکم دے کہ تم وبال دکھلاؤ تو تو دانتوں سے گوشمالی دیکھے۔

باز کن طب را بخوان باب العلل تا ببینی لشکر تن را عمل

یعنی طب (کی کتاب) کھولکر باب العلل پڑھو تاکہ تم لشکر تن کا عمل دیکھو۔ مطلب یہ کہ دیکھو اگر حق تعالیٰ آنکھ کو تمہاری گوشمالی کا حکم دے یا دانتوں کو مثلاً تو یہی چیزیں تمہاری گوشمالی کیلئے کافی ہیں مثلاً درد چشم و درد دنداں وغیرہ تمکو درست کردے۔ علیٰ ہذا ذرا طب کی کتاب میں باب العلل کو اٹھا کر دیکھو تو تم کو معلوم ہو کہ یہ تمہارے اعضا اسطرح تابع فرمان حق ہیں اور جو اب تمہارے دوست معلوم ہوتے ہیں وہی تمہارے دشمن ہو جانیگے تو اسی لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو لکھا کہ تم مسلمان ہو کر آجاؤ۔ ورنہ یہ

تمہارا سارا لشکر جو کہ تمہارا محافظ ہے یہی تمکو ہلاک کر دیگا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

چونکہ جان جاں ہر چیزی ویست دشمنی با جان جاں آسان کے است

یعنی جبکہ ہر چیز کی جان جاں وہی حق تعالیٰ ہیں تو جان جاں کے ساتھ دشمنی کب آسان ہے

خود رہا کن لشکر دیو و پری کز میان جان کنندم صفدری

یعنی لشکر دیو و پری کو چھوڑ دو کہ وہ تیری جانکی اندر سے پہلوانی کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ ہی مالک ہیں اور وہی ہر چیز کے روح الروح اور جان جاں ہیں تو پھر ان اسباب ظاہری کو ترک کر دو۔ تب تم کو قوت اور عروج روحانی نصیب ہوگا۔ آگے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول بلقیس کو خطاب کر کے ہے۔ فرماتے ہیں کہ۔

ملک را بگذار بلقیس از نخست چوں مرا یابے ہمہ ملک آں تست

یعنی اے بلقیس ملک کو پہلے ہی چھوڑ دے جب تو مجھے پالے گی تو تمام ملک تیری ہی ملک ہے

خود بدانی چوں بر من آمدی کہ توبے من نقش گرمابہ بدی

یعنی تو خود جان لیگی جب میرے پاس آویگی کہ تو بے میرے نقش حمام تھی۔

نقش اگر خود نقش سلطان غنی است صورت است از جان خود بے چاشنی است

یعنی نقش اگرچہ بادشاہ اور امیر ہی کا نقش ہو (مگر) صورت ہے اور اپنی جان سے بے ذوق ہے

زینت او از برائے دیگراں باز کردہ بیہدہ چشم و دہاں

یعنی اسکی زینت دوسروں کے لئے ہے۔ اور وہ خود فضول منہ اور آنکھ کھولے ہوئے ہے مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اے بلقیس تم اس ظاہری ملک کو ترک کر کے میرے پاس چلی آؤ۔ تو تم کو وہ ملک باطنی ملے کہ تم خود کہدو کہ پہلا ملک ظاہری صرف ایک نقش بدیوار کی طرح تھا۔ کہ وہ اوروں کے لئے تو فرحت بخش ہوتا ہے مگر اپنی زیب و زینت سے اسکو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح تمہارا یہ سب ملک و مال دوسروں کے لئے تو مفید ہے مگر تمکو اس سے کوئی نفع حقیقی نہیں ہے۔ ہاں دوسرونکی خدمت خوب ہو رہی ہے۔ تو تم کو چاہئے کہ اس سے نکلکر ایک ایسا ملک حاصل کرو کہ جس سے تمکو بھی نفع ہو۔ آگے مولانا اسی مضمون کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

اے تو در بیگار خود را باختہ   دیگراں را تو ز خود نشناختہ

یعنی اے وہ شخص کہ تو بیگار میں اپنے کو ہارے ہوئے ہے اور دوسروں کو اپنے سے (ممتاز کرکے) پہچانتا نہیں مطلب یہ کہ تم نے جو اپنے آپ کو دوسروں کی خدمت میں کھپا رکھا ہے اور اپنے میں اور دوسروں میں امتیاز نہیں کرتا کہ تیرا کیا کام تھا اور دوسروں کا کیا کام تھا اور تیری یہ حالت ہے کہ۔

تو بہر صورت کہ آئی بیستی   کہ منم ایں واللہ آں تو نیستی

یعنی تو جس صورت میں آتا ہے کھڑا ہو جاتا ہے۔ کہ میں یہی ہوں۔ حالانکہ خدا کی قسم تو وہ نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ تیری جو حالت ہے کہ تو دوسروں کی خدمت میں لگا ہوا ہے اور تعلقات مع الخلق میں پھنسا ہوا ہے تو اسکو تو اپنی اصلی حالت جانتا ہے۔ حالانکہ وہ تیری اصلی حالت نہیں ہے کیونکہ۔

یکزماں تنہا بمانی تو ز خلق   در غم و اندیشہ مانی تا بحلق

یعنی تو ایک زمانہ کیلئے مخلوق سے تنہا رہتا ہے تو حلق تک غم و اندیشہ میں ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو اصلی حالت وہ ہوتی ہے جو خلوت اور جلوت ہر حالت میں یکساں رہے۔ اور تم اگر کبھی ایک ممتد زمانہ تک خلق سے الگ رہتے ہو تو گھبراتے ہو اور پریشان ہوتے ہو جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمھاری اصلی حالت یہ نہ تھی بلکہ حالت اصلیہ کوئی اور ہے اور یہ تعلقات مع الخلق تمھاری اصلی حالت نہیں ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

ایں تو کی باشی کہ تو آں اوحدی   کہ خوش و زیبا و سرمست خودی

یعنی تو یہ کب ہے کیونکہ تو تو وہ یگانہ ہے کہ خود ہی سرمست اور زیبا اور خوش ہے مطلب یہ کہ یہ تعلقات مع الخلق تیری اصلی حالت کب ہے۔ کیونکہ تو تو اپنی اصلی حالت کے اعتبار سے ایسا بے تعلق اور یگانۂ روزگار ہے کہ تجھے اوروں کی طرف التفات کی حاجت ہی نہ ہوتی۔ خود اپنے ہی اندر خوش و خرم رہتا۔ اور اپنے ہی نقش و نگار کو دیکھا کرتا۔ اسلئے کہ۔

مرغ خویشی صید خویشی دام خویش   صدر خویشی فرش خویشی بام خویش

یعنی تو خود ہی مرغ ہے اور خود ہی شکار ہے۔ اور خود ہی دام ہے اور خود ہی صدر ہے اور خود ہی

فرش ہے۔ اور خود ہی بام ہے۔ مطلب یہ کہ اور چیزیں جنکے محتاج ہیں تو وہ یگانہ ہے۔ کہ تجھے انکی ضرورت نہیں ہے بلکہ اُن ساری چیزوں کے قائم مقام تو ہی ہے اسلئے کہ۔

جوہر آں باشد کہ قائم با خود است　　　وآں عرض باشد کہ فرع او شد است

یعنی جوہر تو وہ ہوتا ہے جو کہ قائم بنفسہ ہو اور وہ عرض ہوتا ہے جو کہ اُسکی فرع ہوتا ہے مطلب یہ کہ تو تو جوہر ہے اور جوہر قائم بنفسہ ہوتا ہے۔ اور عرض پر اُسکو شرف حاصل ہوتا ہے۔ کہ وہ عرض اپنے قیام میں دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ لہذا تجھے چاہئے کہ تو اپنے قیام میں دوسروں کا محتاج نہ رہے۔ اور اُن ہی کی خدمت کو اپنا شیوہ نہ بنائے۔ بلکہ خود اپنے لئے بھی کچھ کام کرنا چاہئے۔ اور جسطرح جوہر کو عرض پر شرف حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح تمکو بھی سب سے اشرف رہنا چاہئے۔ اور وہ اشرفیت حاصل ہو سکتی ہے۔ ترک تعلقات سے لہذا ان تعلقات کا ترک چاہئے

گر تو آدم زادۂ چوں او نشیں　　　جملہ ذرات را در خود بہ بیں

یعنی اگر تو آدم زادہ ہے تو اُنکی طرح بیٹھ اور تمام ذرات کو اپنے اندر مشاہدہ کر مطلب یہ کہ اگر تو آدم علیہ السلام کا وارث ہے تو تجھے چاہئے کہ اُن ہی کی طرح رہے۔ کہ جس طرح وہ تمام تجلیات اسماء و صفات کے جامع تھے اور ساری چیزوں کی تجلی خود ہی اُن ہی کی اندر موجود تھی اور اصل وہی تھی۔ باقی سب اُنکی فروع تھے۔ اسی طرح تو بھی تعلق خلق کو ترک کر کے اُس اصالت کو اختیار کر۔ اور تمام الوان کو خود اپنے ہی اندر مشاہدہ کر اگلے شعر کے دو مصرعوں میں اس کی دو مثالیں دیتے ہیں کہ۔

چیست اندر خم کہ اندر نہر نیست　　　چیست اندر خانہ کاندر شہر نیست

یعنی مٹکے میں کیا شے ہے جو نہر میں نہیں ہے۔ اور گھر میں کیا ہے جو شہر میں نہیں ہے مطلب یہ کہ دیکھو مٹکے کے اندر جو شراب یا پانی وغیرہ آیا ہے تو ندی ہی میں سے آیا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ندی میں اول پانی موجود ہوگا۔ اسکے بعد تو مٹکے میں آیا علی ہذا جو شے گھر میں ہوگی وہ شہر میں ضرور ہوگی اس لئے کہ خود گھر ہی شہر میں ہے تو اسی طرح انسان جو جامع ہے تمام تجلیات کا اُس کے اندر تمام اشیاء ہوں گی اور تمام اسماء و صفات کی تجلی اُسکے اندر موجود ہوگی۔ اور وہ سب سے اشرف اور اصل ہوگا۔ اُسکو مشاہدہ کیلئے کسی دوسری شے کی احتیاج نہ ہوگی۔ بلکہ وہ خود اپنے

ہی اندر مطالعہ کر سکتا ہے۔ آگے ان دونوں مثالوں کی تطبیق خود بیان فرماتے ہیں کہ۔

ایں جہاں خم است و دل چوں جوئے آب ایں جہاں حجرہ است و دل شہر عجاب

یعنی یہ جہاں تو خم ہے۔ اور دل پانی کی ندی کی طرح ہے۔ اور یہ جہاں حجرہ ہے اور دل ایک شہر عجاب ہے۔ مطلب یہ کہ اوپر جو مثال دی ہے اسمیں جو خم ہے اس سے مراد تو یہ جہان ہے کہ اسکے اندر سب اکوان موجود ہیں اور چونکہ قلب انسان جامع ہے تمام تجلیات کا اسلئے وہ نہر کی طرح ہے۔ علی ہذا یہ جہاں تو حجرہ کی طرح ہے اور قلب انسان جامعیت میں شہر کی طرح ہے غرض یہ کہ انسان جو جامع ہے اسکو دوسروں کا محتاج نہونا چاہیئے اور تعلقات مع الخلق میں احتیاج ظاہر ہے۔ لہذا ان تعلقات کو ترک کرنا چاہیئے۔ خوب سمجھ لو چونکہ اس مقام کے متعلق خود حضرت والا دام ظلہم نے اپنے قلم سے بھی تحریر فرمایا تھا لہذا اسکو بھی ناظرین کے حفظ کیلئے ذیل میں بجنسہ درج کرتا ہوں۔ "قولہ اے تو در بیگار خود را باختہ الخ تو تے بیگار میں (یعنی ایسے کاموں میں جو محض دوسروں کی خدمت ہے اور اپنا اسمیں نفع نہیں مثل مثال مذکور شعر بالا کہ نقش حمام محض دوسروں کیلئے ہے اسکا کوئی نفع نہیں) اپنے کو کھپا رکھا ہے دوسروں میں اور اپنے میں کچھ امتیاز نہیں کی۔ (جس سے یہ سمجھتا کہ میں یہ اپنا کام کر رہا ہوں یا محض دوسروں کا ہی اور ان فضول مشاغل سے) تیری یہ حالت ہے کہ تو جس صورت (یعنی جس حالت میں) آتا ہے (اور مشغول ہوتا ہے) اسی میں قائم ہو جاتا ہے (یعنی اسی کو اپنی اصلی حالت سمجھنے لگتا ہے) کہ بس میں ایسا ہی ہوں۔ (یعنی اسی کام کیلئے ہوں) حالانکہ واللہ تو ویسا نہیں ہے (بلکہ تیری اصلی حالت دوسری ہے اور یہی وجہ ہے کہ) اگر تو کسی وقت ممتد تک خلق سے تنہا ہوتا ہے تو پریشانی میں سرتاسر غرق ہو جاتا ہے (حالانکہ اصلی حالت وہ ہے جو کسی وقت مفارق نہو نہ تنہائی میں نہ غیر تنہائی میں اور اصلی حالت میں پریشانی ہوتی نہیں۔ اور یہاں ظاہر ہے کہ پریشانی ان تعلقات مع الخلق کی مفارقت سے ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ تعلقات اصلی حالت نہیں اسی کو فرماتے ہیں کہ) بس تو اس حالت کا (تعلقات مع الخلق کا) کب ہے (یعنی یہ تیری اصلی حالت کب ہے) کیونکہ تو تو (باعتبار حالت اصلیہ کے) وہ یگانہ (اور خلق سے بے تعلق) ہے کہ اپنی ہی آپ میں خوش

اور زیبا اور سرمست ہے۔ اور جن امور کے دوسرے لوگ طالب ہیں مرغ ہوا صید ہوا دام ہوا۔ صدر ہوا فرش ہوا بام ہوا۔ تو یہ سب کچھ خود ہی ہے۔ (یعنی ان سب سے مستغنی و آزاد ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ تو جوہریت میں دوسرے جواہر سے اشرف ہے اور) جوہر کی شان قیام بنفسہ اور عرض کی شان فرعیۃ للجوہر فی التقوم ہے۔ (پس تیری اشرفیت فی الجوہریت کا مقتضا یہ ہے کہ تجھ میں اصالت کی شان غالب ہونا چاہئے اور وہ ترک تعلق مع الخلق میں ہے اور فرعیت کی شان نہ ہونا چاہئے جو کہ تعلق مع الخلق میں ہے اور) اگر تو (اس اشرفیت فی الجوہریت میں) آدم علیہ السلام کا وارث ہے (جو خلیفۃ اللہ تھے) تو انکی طرح خلیفہ ہو کر رہ اور سب اکوان کو اپنے اندر مطالعہ کر۔ (کہ تو کسیکی طرف محتاج نہ رہے اور یہ باعتبار جامعیت تجلیات اُن اسمار و صفات کے ہے جنکے مظاہر وہ اکوان ہیں آگے اسی کی دو مثالیں ہیں شعر چیست الخ میں اور ان دونو ںکی تطبیق ہے شعر اینجہاں الخ میں باعتبار اُسی جامعیت تجلیات اسمار و صفات کے)، آگے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو دعوت کا قصہ ہے۔

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس پر ظاہر کرنا کہ تمہاری ایمان لانے میں میرا کوشش کرنا محض اللہ واسطے ہے کسی خودغرضی کی وجہ سے نہیں ہے مجھے نہ تمہارے ملک کی حاجت نہ تمہارے حسن وغیرہ کی۔ اور جب تمہاری چشم باطن کھلجاوینگی تو تمکو یہ بات خود ہی معلوم ہو جاوے گی،

ہیں بیا کہ من رسولم دعوتی   چوں اجل شہوت کشم نے شہوتی

یعنی ہاں (اے بلقیس) آجا کہ میں دعوت دینے والا رسول ہوں اور میں تو اجل کی طرح شہوت کش ہوں شہوتی نہیں ہوں۔ مطلب یہ کہ میرا تمکو دعوت اسلام کرنا خدانخواستہ کسی شہوت وغیرہ کی وجہ سے نہیں ہے محض لوجہ اللہ ہے۔ کیونکہ میں رسول ہوں اور شہوت کش ہوں

شہوتی نہیں ہوں لہذا تمہارے اسلام میں میری کوئی غرض نہیں ہے۔

ور بود شہوت امیر شہوتم　　نے اسیر شہوت و روئے بتم

یعنی اور اگر شہوت ہو بھی تو میں تو شہوت پر حاکم ہوں نہ کہ شہوت اور روئے بت کا محکوم ہوں مطلب یہ کہ اگر کہا جاوے کہ خدانکردہ نام د تو نہ تھے شہوت تو تھی پھر یہ کہنا چوں اجل شہوت کشم کیسے صحیح ہوا تو فرماتے ہیں کہ اگر ظاہرا شہوت ہے تو میں اس سے مغلوب نہیں ہوں بلکہ میں تو اس پر حاکم ہوں اور وہ میری محکوم ہے۔ لہذا وہ بے موقعہ ہرگز صرف نہیں ہو سکتی۔ تو تمہاری دعوت اسلام میں شہوت وغیرہ کو خدانکردہ کوئی دخل نہیں ہے۔

بت شکن بود ست اصل اصل ما　　چوں خلیل حق و جملہ انبیا

یعنی ہمارے آبا و اجداد تو بت شکن تھے جیسے کہ خلیل حق اور سارے انبیا علیہ السلام۔

گر در آیم از رہے در بتکدہ　　بت سجود آرد بماد معبدہ

یعنی اگر میں کسی راہ سے بتکدہ میں آجاؤں تو عبادت خانہ میں بت ہمارے آگے سجدہ کریں مطلب یہ کہ ہم اور ہمارے آباؤ اجداد تو بت شکن تھے اور ہماری تو یہ شان ہے کہ اگر ہم بتکدہ میں چلے جاویں تو تمام بت سجدہ میں گر جاویں۔ جیسا کہ بعض انبیا کیلئے ہوا بھی ہے مثلاً خود ہمارے حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے یہی ہوا تھا کہ بتوں نے سجدہ کیا۔ غرضکہ انبیا کی تو وہ شان ہے کہ بت انکے تابع فرمان ہوتے ہیں پھر یہ حضرات روئے بت کے فریفتہ اور اسکے تابع کیسے ہو سکتے ہیں۔ لہذا بلقیس کو دعوت اسلام کرنے میں کوئی شائبہ نفسانی نہ تھا۔

احمدؐ و بوجہل در بتخانہ رفت　　زاں شدن تا آں شدن فرقے است زفت

یعنی احمد صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل (دونوں) بتخانہ میں گئے (مگر) اس جانے میں اور اس جانے میں ایک فرق عظیم ہے (اور وہ یہ فرق ہے کہ)

ایں در آید سر نہند اور ابتاں　　آں در آید سر نہد چوں امتاں

یعنی یہ (حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ان کیلئے بتوں نے سر رکھا اور وہ (ابوجہل آیا تو وہ (بتوں کے آگے) تابعداروں کی طرح سر رکھے۔

ایں جہاں شہوتی بتخانہ ایست   انبیا و کافراں را لانہ ایست

یعنی یہ جہان شہوتی ایک بتخانہ ہے کہ انبیا اور کافروں (سب) کا گھر ہے۔

لیک شہوت بندۂ پاکاں بود   زر نسوزد زانکہ نقد کان بود

یعنی لیکن شہوت پاک لوگوں کی تو غلام ہوتی ہے اور سونا جلا نہیں کرتا۔ اسلئے کہ نقد ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ دیکھو احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو جہل دونوں بتخانہ میں گئے ہیں مگر دیکھو حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو تو خود بتوں نے سجدہ کیا ہے اور ابو جہل نے خود اُن بتوں کو ہی سجدہ کیا ہے۔ اسی طرح یہ دنیا پر شہوت ایک بتخانہ کی طرح ہے اس میں انبیا بھی آئے ہیں اور کفار بھی آئے ہیں مگر انبیا تو شہوت پر غالب رہے ہیں اور کفار شہوت سے مغلوب ہوگئے ہیں کیونکہ وہ حضرات تو سونے کی طرح تھے تو سونا بھٹی میں جلا نہیں کرتا اسی طرح وہ حضرات بھی آتش شہوت سے مغلوب نہیں ہوئے تو اسی طرح سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں شہوت پر غالب ہوں لہٰذا اس دعوت میں کوئی شائبہ بھی نفسانی نہیں ہے۔ آگے بھی اسی فرق کو ایک اور مثال سے بیان فرماتے ہیں کہ۔

کافراں قلب اند و پاکاں ہمچو زر   اندریں بوتہ درند ایں دو نفر

یعنی کافر کھوٹے ہیں اور پاک لوگ مثل سونے کے ہیں اور اس بھٹی (دنیا) میں یہ دونوں فرقے ہیں

قلب چوں آمد سیہ شد در زماں   زر در آمد شد زری او عیاں

یعنی کھوٹا تو جب آیا تو اسی وقت سیاہ ہوگیا۔ اور سونا آیا تو اُسکا سونا ہونا اور ظاہر ہوگیا۔

دست و پا انداخت اندر بوتہ زر   در رخ آتش ہمی خندد چو خور

یعنی سونے نے بھٹی میں ہاتھ پاؤں ڈالدئے تو آگ کے اندر آفتاب کی طرح ہنس رہا ہے مطلب یہ کہ اس دنیا میں کفار اور انبیاء علیہم السلام دونوں فرقے آئے ہیں اور رہے ہیں مگر فرق اتنا ہے کہ کفار تو یہاں آکر اور بھی ہلاک و برباد ہوئے اور انبیاء علیہم السلام کے اور مدارج عالی ہوگئے ان دونوں کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کھوٹا سونا ہو اور خالص سونا ہو۔ تو جب دونوں کو بھٹی میں ڈالوگے تو کھوٹا تو وہاں سے سیاہ ہوکر نکلے گا اور سونا اور صاف اور عمدہ ہو جاویگا۔ اور اُسکی زری اور بھی صاف طور پر ظاہر اور معلوم ہوگی تو اسی طرح حضرات انبیا علیہم السلام (اور مومنین) جب دنیا میں آئے اور انھوں نے اپنے رذائل کو جلایا تو اُن کے مدارج عالی ہوگئے

اور کفار آئے تو انھوں نے ان رذائل میں اور زیادہ انہماک کیا لہذا وہ خراب و برباد ہوئے تو انبیاء علیہم السلام کے ظاہری جسم کو دیکھکر دوسروں پر انکو قیاس کرنا سخت غلطی ہے آگے خود حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کی زبانی اس مضمون کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

جسم ما روپوش ما شد در جہاں ما چو دریا زیر ایں کہ در نہاں

یعنی ہمارا جسم دنیا میں روپوش ہوتا ہے۔ اور ہم دریا کی طرح اس (جسم کے) خس و خاشاک کے نیچے پوشیدگی میں ہیں۔ مطلب یہ کہ ہماری اصل حالت اس جسم کے اندر پوشیدہ ہو رہی ہے کہ اس جسم کو دیکھکر لوگ ہمکو دوسرے انسانوں کی طرح سمجھتے ہیں اور ہماری اصلی حالت اور کمالات پر نظر نہیں کرتے۔ جیسے کہ خس و خاشاک کے نیچے دریا کا پانی ہوتا ہے۔ کہ اوپر تو صرف خس و خاشاک نظر آتا ہے اور اندر پانی ہوتا ہے اسی طرح حضرات انبیا علیہم السلام بظاہر تو صرف ایک جسم نظر آتے ہیں جیسے کہ اور سارے اجسام ہیں اور ان کے کمالات عوام کی نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے حضرت بلقیس کو بلانے سے بظاہر شبہ کسی شائبہ نفس کا ہوتا ہے کیونکہ دوسرے لوگوں میں یہ بات پائی جاتی ہے تو ان میں بھی وہی شبہ ہو سکتا ہے مگر اوپر مثالوں اور فرق بیان کرنے سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ ان حضرات میں شائبہ نفسانیت کا نہیں ہوتا۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

شاہ دیں را منگر اے نادان بطین کیں نظر کرد است ابلیس لعین

یعنی اے نادان شاہ دین کو مٹی سے مت دیکھ کہ ابلیس لعین نے یہی نظر کی تھی مطلب یہ کہ اے نادان حضرات انبیا و اولیاء اللہ کے صرف جسم ظاہری ہی کو مت دیکھو کہ جیسے ہمارے ہاتھ پاؤں ہیں ان کے بھی ہیں اور جیسے ہم کھاتے پیتے ہیں اسی طرح یہ بھی ہیں لہذا جیسے ہم ویسے ہی یہ۔ اور پھر یہ سمجھ کر ان سے استفادہ نہ کر سکو لہذا یاد رکھو کہ ابلیس نے بھی آدم علیہ السلام سے یہی دیکھا تھا کہ ایک جسم خاکی ہیں ان کے کمالات پر نظر نہ کی تو نتیجہ یہ ہوا کہ ابدالآباد کیلئے ملعون و مردود ہو گیا لہذا تمکو چاہیئے کہ ان کے اس جسم ظاہر کو دیکھکر ان کے کمالات کا انکار نہ کرو کیونکہ۔

کے تواں اندود ایں خورشید را با کف گل تو بگو آخر مرا

یعنی بھلا مجھے بتاؤ تو کہ ایک مٹھی مٹی (جسم) سے اس خورشید (کمالات) کو کب چھپا سکتے ہیں

گر بریزی خاک و صد خاکسترش ٭ بر سر نور او بر آید بر سرش

یعنی اگر نور پر سیکڑوں خاک اور خاکستر تو ڈالدے تو وہ خاک ڈالنے والے کے سر پر آویگی

کہ کہ باشد کہ بپوشد روئے آب ٭ طین کہ باشد کہ بپوشد آفتاب

یعنی خس و خاشاک کون ہیں کہ روئے آب کو چھپالیں ور مٹی کون ہے کہ آفتاب کو چھپالے۔ مطلب یہ ہے کہ ان حضرات کے کمالات تو آفتاب کی طرح ہیں تو بھلا کہیں ایک مٹھی خاک ڈالنے سے آفتاب کا نور مٹ سکتا ہے۔ تو اسی طرح اس جسم خاکی کے ساتھ متلبس ہونے سے انکے کمالات بھی ہرگز مٹ نہیں سکتے۔ بھلا یہ جسم تو ذرا سا حجاب ہے۔ تم اگر سیکڑوں حجاب اس جیسے اُن کے کمالات پر ڈال دو تب تو وہ پوشیدہ نہیں ہو سکتے۔ وہ تو ظاہر ہوں ہی گے ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ ایک مٹھی خاک تمہاری آنکھوں کے لئے حجاب ہو جاوے۔ اور تم اُن کے کمالات کو نہ دیکھ سکو ورنہ خود اُن کے کمالات میں اس سے کوئی کمی نہیں آتی۔ خوب سمجھ لو۔ پس اس جسم ظاہر کو دیکھکر اُن کے فیوض سے محروم نہ رہو اور انکو اپنے اوپر قیاس مت کرو آگے مولانا پھر حضرت بلقیس کو خطاب کرکے فرماتے ہیں کہ۔

خیز بلقیسا چو ادہم شاہ وار ٭ دود ازیں ملک دو سہ روزہ برار

یعنی اے بلقیس ادہم شاہ کی طرح اٹھو اور اس دو تین دن کے ملک سے دھواں نکالو مطلب یہ کہ جسطرح کہ حضرت ابراہیم ابن ادہم رح نے ترک سلطنت کردی تھی تم بھی اس ملک و مال کو آگ لگاؤ اور چھوڑ دو یہاں سے حضرت ابراہیم ابن ادہم رح کے قصہ کی طرف رجوع ہے جو کہ سرخی "سبب ہجرت الخ" میں شروع کیا تھا اور یہاں ادہم سے مراد وہی ہیں صرف والد کا نام لے دیا ہے کیونکہ شعر میں اُنکا پورا نام نہ آسکا تھا آگے خود بھی حضرت ابراہیم کا نام لیتے ہیں

باز گو احوال ابراہیم زود ٭ ترک ملکش را بگو موجب چہ بود

یعنی حضرت ابراہیم رح کا حال جلدی سے بیان کرو۔ کہ اُن کے ترک سلطنت کا سبب کیا تھا۔ آگے قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قصہ کا بقیہ

بر سر تختے شنید آں نیکنام / طقطقے و ہائے و ہوئے شب ز بام

گامہائے تند بر بام سرا / گفت با خود اینچنیں زہرہ کرا

بانگ زد بر روزنِ قصر او کہ کیست / ایں نباشد آدمی مانا پریست

سر فرو کردند قومے بو العجب / ما ہمی گردیم شب بہر طلب

ہیں چہ می جوئید گفتند اشتراں / گفت اشتر بام بر کہ جست ہاں

پس بگفتندش کہ تو بر تخت و جاہ / چوں ہمی جوئی ملاقات الٰہ

خود ہماں بُد دیگر او را کس ندید / چوں پری از آدمی شد ناپدید

معنیش پنہاں و او در پیش خلق / خلق کے بینند غیر ریش و دلق

چوں ز چشم خویش و خلقاں دور شد / ہمچو عنقا در جہاں مشہور شد

جان سیمرغے کہ آمد سوئے قاف / جملہ عالم ازو لافند لاف

چوں رسید اندر سبا ایں نور شرق / غلغلے افتاد در بلقیس و خلق

روحہائے مردہ جملہ پر زدند / مردگاں از گور تن سر بر زدند

یکدگر را مژدہ می دادند ہاں / نک ندائے می رسد از آسماں

زاں ندا اینہا ہمی گردند گبر / شاخ و برگ دل ہمی گردند سبز

از سلیمان آں نفس چوں نفخ صور — مردگاں را وارہانید از قبور
مر ترا بادا سعادت بعد ازیں — ایں گذشت اللہ اعلم بالیقیں

ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی سلطنت کو چھوڑنے کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے رات کے وقت تخت پر لیٹے ہوئے کوٹھے پر لوگوں کی آہستہ اور شور وغل کی آواز محسوس کی اور محلسرا کے کوٹھے پر تیز قدموں کی آواز سنی یہ واقعہ دیکھکر اپنے دل میں کہا یہ کسکی مجال ہے کہ قصر شاہی پہ حرکت کرے۔ اور روشندان سے للکارا کہ کون ہے۔ اور خیال کیا کہ آدمی تو معلوم نہیں ہوتے ضرور پریاں ہیں۔ اور کہا کہ تم کیا ڈھونڈ ہتے ہو انھوں نے کہا کہ اونٹ تلاش کرتے ہیں۔ یہ سنکر انھوں نے کہا کہ کوئی اونٹ کو کوٹھے پر بھی ڈھونڈھتا ہے اسپر انھوں نے کہا کہ آپ تخت اور حکومت پر قائم رہکر وصال خداوندی کیسے ڈھونڈ ہتے ہیں یہ وجہ تھی کہ انھوں نے ملک کو چھوڑ دیا۔ اور پھر اونکو اس ملک میں کسی نے نہیں دیکھا نیز وہ اسقدر عالی رتبہ پر پہونچ گئے کہ مجوبین سے یوں غائب ہو گئے جیسے آدمی کی نظر سے پری۔ ان کے حقیقت و کمالات باطنی مخفی تھے۔ اور انکی صورت فی الجملہ مخلوق کے سامنے تھی اور ہونا بھی یہی چاہیئے تھا کیونکہ عام لوگ تو ڈاڑہی اور گدڑی یعنی صورت ہی کو دیکھتے ہیں وہ حقیقت اور کمالات باطنی کو کیا دیکھہ سکتے ہیں خیر تو جبکہ انھوں نے خودبینی کو ترک کر دیا اور مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کی۔ تو اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ عنقا کی طرح جہان بھر میں مشہور ہو گئے اور ہونا بھی چاہیئے تھا۔ کیونکہ عزلت میں یہ خاص اثر ہے۔ کہ اس سے گوشہ نشین مشہور ہو جاتا ہے سیمرغ کو دیکھ لو۔ کہ وہ کوہ قاف میں ہوپنچ گیا تو اسکی بابت دنیا میں کیا کیا چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ اس قصہ کو ختم کر کے مولانا پھر قصہ سلیمان و بلقیس کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب مشرق ہدایت کا نور یعنی پیغام سلیمان علیہ السلام ملک سبا میں پہونچا تو بلقیس اور دیگر اہل ملک کے اندر ایک عجیب شورش پیدا ہو گئی۔ جلتنی مردہ روحیں تھیں سب پر پرزے جھاڑ کر ہدایت کیلئے تیار ہو گئیں۔ اور ان مردہ روحوں نے قبر تن سے سر باہر نکالا۔ اور آپسمیں ایک دوسرے کو بشارت دیتے تھے اور کہتے

تھے کہ یونداۓ آسمانی پہونچ گئی۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ پیام سلیمانی سے اہل سبا کی یہ حالت کیوں نہوتی۔ یہ تو وہ مبارک آواز ہے جس سے لوگوں کے ایمان بڑھتے ہیں اور شاخ وبرگ دل سرسبز ہوتے ہیں۔ غرضکہ سلیمان علیہ السّلام کی اس گفتگو نے نفخ صور کیطرح ارواح مردہ کو قبور اجسام سے نکال دیا۔ خیراب اللہ تمھیں نیکی دے۔ یہ قصہ تو گذر گیا یہ واقعہ جسطرح ہمیں معلوم تھا ہم نے بیان کر دیا۔ اور یقینی بات خدا ہی جانتا ہے کہ کہاں تک صحیح ہے یہ اسلئے فرمایا کہ نص قطعی سے تو اجمالی طور پر واقعہ ثابت ہے، رہی تفصیل مذکور سو اسکا ثبوت کسی قطعی دلیل سے نہیں۔ بلکہ میرے نزدیک تو کسی ظنی دلیل سے بھی نہیں۔ ہاں اگر مولانا نے یا الہام بیان فرمایا ہے اُسوقت اسکا ثبوت ظنی طور پر ہو جاویگا۔

شرح شبّیری

ابراہیم ابن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ کے قصّہ کا بقیہ

بر سر تختے شنید آں نیکنام ۔۔۔ طقطقے وہائے وہوئے شب ز بام

یعنی تخت پر (لیٹے ہوئے) اُس نیکنام نے کوٹھے پر رات کیوقت کھٹ پٹ اور شور و غل سنا۔

گامہائے تند بر بام سرا ۔۔۔ گفت با خود ایں چنیں زہرہ کرا

یعنی گھر کے کوٹھے پر بہت زور سے قدم (سنے) تو اپنے (دل) سے کہنے لگے کہ اتنی مجال کسکی ہے مطلب یہ کہ ایکمرتبہ رات کو حضرت ابراہیمؒ چھپر کھٹ شاہی پر سورہے تھے تو انھوں نے چھت پر کسی کے پاؤنکی آواز سنی کہ خوب زور زور سے کھٹ پٹ کرتا چھت پر پھر رہا ہے۔ تو انھوں نے اپنے دل میں کہا کہ ارے یہ کون ہے اور کسکی ہمت ہے کہ میں بادشاہ وقت ہوں اور پھر یہ رات کو اس طرح بے دھڑک چھت پر پھر رہا ہے۔

بانگ زد بر روزن قصر او کہ کیست ۔۔۔ ایں نباشد آدمی مانا پریست

یعنی انھوں نے محل کی کھڑکی میں سے آواز دی کہ کون ہے۔ یہ آدمی تو ہے نہیں شاید جن ہے

مطلب یہ کہ انکے جب خود سمجھ میں نہ آیا تو انھوں نے کھڑکی سے سر لٹکا کر آواز دی کہ یہ رات کو کون کھٹ پٹ کرتا پھرتا ہے۔ آدمی تو ہے نہیں اسلئے کہ آدمی کی تو اتنی مجال ہو ہی نہیں سکتی معلوم ہوتا ہے جنات ہیں جو اس طرح بے دھڑک پھر رہے ہیں۔

سر فرو کردند قومے بو العجب ۔۔۔ ما ہمی گردیم شب بہرِ طلب

یعنی ایک عجیب قوم (فرشتوں) نے سر لٹکایا۔ (اور کہا کہ) ہم رات کو تلاش میں پھر رہے ہیں (تو حضرت ابراہیمؒ نے پوچھا کہ)

ہیں چہ می جوئید گفتند اشتراں ۔۔۔ گفت اشتر بام بر کہ جست ہاں

یعنی ارے کیا تلاش کر رہے ہو تو وہ بولے کہ اونٹ (ڈھونڈھ رہے ہیں) تو حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا کہ ارے اونٹ کو کوٹھے پر کس نے ڈھونڈا ہے مطلب یہ کہ جب انھوں نے پوچھا تو ایک عجیب قسم کے لوگوں نے سر لٹکایا اور جھانک کر کہا کہ ہم ایک چیز کی تلاش میں پھر رہے ہیں انھوں نے پوچھا کیا ڈھونڈھ رہے ہو انھوں نے کہا کہ اونٹ تلاش کر رہے ہیں تو حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا کہ بھلا اونٹ کو کوئی کوٹھے پر بھی ڈھونڈھا کرتا ہے وہ یہاں کہاں مل سکتا ہی۔ بالکل بے جوڑ بات ہی اسکو سنکر وہ بولے کہ

پس بگفتندش کہ تو بر تخت و جاہ ۔۔۔ چوں ہمی جوئی ملاقات الہ

یعنی تب انھوں نے اُن سے کہا کہ تم جاہ کے تخت پر حق تعالیٰ کا وصل کس طرح تلاش کرتے ہو مطلب یہ کہ اُن فرشتوں نے کہا کہ اگر ہمارا اس جگہ اونٹ تلاش کرنا بے جوڑ ہے تو اسی طرح تمہارا تخت و تاج اور مال و دولت میں رہکر خدا کی تلاش کرنا ایسا ہی بے جوڑ ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؒ کو جیسی طلب تھی وہ طلب کے شک تخت و تاج میں رہکر پوری نہ ہو سکتی تھی ورنہ بہت سے بزرگان دین صاحب سبت حضرات مالدار و شاہان دین و دنیا دونوں ہوئے ہیں مگر یہاں مطلب یہ تھا کہ طلب ابراہیمی تخت پر نہ ہو سکتی تھی اس لئے کہ اُسکے لئے ضرورت ہی یکسوئی کی اور تخت و تاج میں رہکر یکسوئی ہو نہیں سکتی۔ لہذا انھوں نے کہا تمہاری طلب تو ایسی اور پھر تخت و تاج میں رہنا یہ دونوں باتیں ایسی ہی بے جوڑ ہیں جیسا کہ یہاں اونٹ کا تلاش کرنا بس یہ سننا تھا کہ حضرت ابراہیم کے قلب پر چوٹ لگی

اور سب تخت و تاج کو خیرباد کہکر یکسو ہو گئے۔ بس یہ سبب تھا ترک ملک کا اسی کو فرماتے ہیں کہ

خود نہاں بُد دیگرا و را کس ندید چوں پری از آدمی شد ناپدید

یعنی بس وہی تھا پھر کسی نے انکو نہ دیکھا پری کی طرح آدمی سے پوشیدہ ہو گئے۔ مطلب یہ کہ بس اسوقت تو وہ اُس حالت میں تھے جبکہ اُن ملائکہ نے اُن سے کلام کیا تھا مگر اُسکے بعد پھر اُنکو کسی نے اُس حالت شاہی میں نہ دیکھا بلکہ فوراً چھوڑکر الگ ہو گئے۔ اس شعر میں چونکہ کہا ہے "دیگرا و را کس ندید" تو اس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید وہ کہیں جاکر چھپ گئے۔ تو آگے اسکے معنی بیان فرماتے ہیں کہ

معنیش پنہاں وا و در پیش خلق خلق کے بیند غیر ریش و دلق

یعنی معنی اُنکے پوشیدہ تھے اور وہ خلق کے سامنے تھے اور خلق سوائے ڈاڑھی اور گدڑی کے اور کیا دیکھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اُنکے کمالات جوکہ اُنکی حقیقت تھی وہ تو پوشیدہ ہو گئے صرف اُنکا جسم سب کے سامنے تھا تو پوشیدہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ پہلے تو اُنکے کمالات یعنی انتظام ملک وغیرہ سب کو معلوم تھے مگر اس حالت کے بعد پھر اُنکے کمالات کی لوگوں کو خبر نہوئی۔ اور پھر اُنکی یہ حالت ہو گئی کہ۔

چوں ز چشم خویش و خلقاں دور شد ہمچو عنقا در جہاں مشہور شد

یعنی جبکہ اپنوں اور مخلوق کی آنکھ سے وہ دور ہو گئے تو عنقا کی طرح جہاں میں مشہور ہو گئے مطلب یہ کہ جب سب سے الگ ہو کر خلوت نشین ہو گئے کیونکہ اُنکے کمالات کیلئے اسکی ہی تو ضرورت ہی تب وہ بہ نسبت پہلے کے اور زیادہ مشہور ہو گئے۔ کہ دیکھو اُنکے علاوہ اور سیکڑوں بادشاہ گذر چکے ہیں۔ مگر جسطرح اُنکا نام نامی لیا جاتا ہے اور کسی کا بھی نہیں تو یہ اُسی عزلت اور علیحدگی کی برکت ہے۔

جان سیمرغے کہ آمد سوی قاف جملہ عالم از و لافند و لاف

یعنی سیمرغ کی جان جوکہ قاف کی طرف آئی تو سارا عالم اُس سے شیخی مارتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو سیمرغ جو قاف میں جا چھپا ہے تو سب لوگ اُسکا ذکر کرتے ہیں اور اُسیکو کسقدر عظیم الشان اور ایک شے عجیب سب نے مان رکھا ہے اور جو جانور سب کے سامنے ہر وقت

رہتے ہیں انکو کوئی پوچھتا بھی نہیں بس اسی طرح وہ بھی پوشیدہ ہو کر اور زیادہ مشہور ہوئے غرضکہ انھوں نے تخت و تاج کو ترک کیا تب انکو وصل حق حاصل ہوا اور انکی طلب پوری ہوئی تو اسی لئے حضرت سلیمان علیہ السلام بلقیس کو فرماتے ہیں کہ اس ظاہری ملک و مال کو ترک کرو۔ تب تمکو دولت باطنی حاصل ہو سکتی ہے۔ آگے اونہیں کا قصہ ہے فرماتے ہیں کہ۔

چوں رسید اندر سبا این نور شرق　　غلغلے افتاد در بلقیس و خلق

یعنی جب یہ نور مشرق (یعنی پیام سلیمانی) سبا میں پہونچا تو بلقیس میں اور لوگوں میں ایک شور مچ گیا۔

روحہائے مردہ جملہ پر زدند　　مردگان از گور تن سر بر زدند

یعنی سارے مردہ روحیں پھڑ پھڑا اوٹھیں اور مردوں نے گور تن سے سر نکالا۔

یکدگر را مژدہ می دادند ہاں　　نک ندائی می رسید از آسماں

یعنی ایک دوسرے کو مبارکبادیاں دیتے تھے کہ ہاں یہ ندا آسمان سے پہونچ رہی ہے

زاں ندا دینہا ہمی گردند گبز　　شاخ و برگ دل ہمی گردند سبز

یعنی اس ندا سے دین قوی ہوتے ہیں اور دل کی شاخ اور پتے سبز ہوتے ہیں مطلب یہ کہ جب پیام سلیمانی ملک سبا میں پہونچا تو وہاں پر ہر شخص کو بیحد فرحت ہوئی۔ اور سب لوگ خوش ہو ہو کر ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے تھے کہ میاں اب دولت باطنی میسر ہونے والی ہے۔ اور جسقدر روحیں مردہ ہو رہی تھیں سب کی سب زندہ اور خوش و خورم ہو گئیں یعنی سارے کے سارے مسلمان ہو گئے۔ اور حیات روحانی سب کو میسر ہو گئی

از سلیماں آں نفس چوں نفخ صور　　مردگاں را وا رہانید از قبور

یعنی سلیمان علیہ السلام کا وہ پیام نفخ صور کیطرح تھا کہ مردوں کو قبور سے چھوڑا دیا۔ مطلب یہ کہ جسطرح نفخ صور سے مردے زندہ ہو جاویں گے اور قبور سے نکل کھڑے ہونگے اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے پیام سے سب لوگوں کو حیات روحانی میسر ہو گئی۔ آگے مولانا صاحب طالب کو دعا دیکر اس قصہ کو ختم فرماتے ہیں۔

مر ترا بادا سعادت بعد ازیں　　ایں گذشت اللہ اعلم بالیقیں

یعنی (اے مخاطب) تجھے سعادت حاصل ہو اسکے بعد یہ گذر گیا واللہ اعلم بالیقین۔ مطلب یہ کہ لو بھائی خدا تمھارا بھلا کرے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پیام کا قصہ تو ختم ہوا اب آگے حقیقت امر کی اللہ ہی کو خبر ہے آگے اُن لوگوں کا قصہ و رحالت کے بیاں کو پورا فرماتے ہیں کہ پیام پہونچنے کے بعد اُنکی کیا حالت ہوئی۔

شرح حبیبی

اہل سبا کے قصہ کا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی بلقیس کو دعوت کرنے کا بقیہ کہ اس پیام سے ہر شخص نے اپنی استعداد کے موافق مشکلات دین حل کیں اور اسکا بیان کہ ہر جانور کو اُسکی ہمجنس کی آواز سے شکار کیا جاتا ہے

قصہ گویم از صبا مشتاق وار　　چوں صبا آمد بسوئے لالہ زار

لاقت الاشباح یوم وصلہا　　عادت الاولاد صوب اصلہا

امۃ العشق خفی فی امہم　　مثل جود حولہ یوم السقم

ذلۃ الارواح من اشباحہا　　عزۃ الاشباح من ارواحہا

ایہا العشاق السقیا لکم　　انتم الباقون والبقیا لکم

ایہا السالون قوموا واعشقوا　　ذاک ریح یوسف فاستنشقوا

منطق الطیر سلیمانی بیا　　بانگ ہر مرغے کہ آید می سرا

چون بہر غانت فرستاد ست حق	لحن ہر مرغے بداد ستت سبق
مرغ جبری را زبان جبر گو	مرغ پر اشکستہ را از صبر گو
مرغ صابر را تو خوش دار و معاف	مرغ عنقا را بخوان اوصاف قاف
مر کبوتر را حذر فرما زباز	باز را از حلم گو و احتراز
وان خفاشے را کہ ماند او بینوا	می کنش با نور جفت و آشنا
کبک جنگی را بیاموزان تو صلح	مر خروسان را نما اشراط صبح
ہمچنیں میرو ز ہدہد تا عقاب	رہ نما واللہ اعلم بالصواب

اب میں مشتاقانہ سبا کا قصہ بیان کرتا ہوں سنو جبکہ صبائے پیغام سلیمانی لالہ زار سبا میں آئی تو اجسام کو جو ہنوز فراق ارواح میں مبتلا تھے۔ روز وصال نصیب ہو گیا اور فروع اپنی اصول کی طرف لوٹ گئیں یعنی اجسام غلبہ روحانیت سے ارواح بنگئے۔ یہ جماعت عشق کی جماعت تھی جو ہنوز مخفی تھی سنو کہ جماعت عشاق دیگر جماعتوں میں یوں ہی مخفی ہوتی ہے جیسے سخاوت مرض کی ملامت میں یعنی جیسے لوگ سخی کو جنوں وخبط مالیخولیا اور سفہ میں مبتلا بتلاتے ہیں اور اسلئے وہ سخاوت انکی نظر سے مخفی ہو جاتی ہے۔ یوں ہی عشاق بھی غیر عشاق میں مخفی ہوتے ہیں۔ اور دیکھنے والے انکو بھی غیر عشاق ہی سمجھتے ہیں یہ تو جملہ معترضہ تھا اچھا اب سنو کہ اہل سبا کے اختفا کا سبب کیا تھا۔ اسکا سبب تھا کہ ان پر جسمانیت غالب تھی اور روحانیت مغلوب۔ اور قاعدہ ہے کہ ارواح کی ذلت غلبہ اجسام سے ہی اور اجسام کی عزت غلبہ ارواح سے۔ تو چونکہ ان کے اجسام انکی ارواح پر غالب تھے۔ اسلئے ارواح ذلیل اور دبی ہوئی تھیں۔ اور انکے آثار ظاہر نہ تھے۔ اسلئے وہ مخفی تھے۔ اب ارواح کا غلبہ ہوا۔ اور اجسام نے بھی ارواح کی خاصیت قبول کر لی۔ اور اسلئے انکو بھی عزت حاصل ہو گئی۔ لہذا ظاہر ہو گئے ہاں اے جماعت عشاق علی العموم یا بالخصوص اہل سبا تم سرسبز و شاداب رہو تمہیں باقی رہنے والے ہو۔ اور بقا تمہارے ہی لئے ہے پہلی صورت میں حصر حقیقی ہے اور دوسری صورت میں

اضافی - اور اے عشق سے بیخبر اگر تم اپنی بقا چاہتے ہو تو تم بھی اٹھو - اور عاشق ہو جاؤ دیکھو یوسف کی بو موجود ہے اسے سونگھو یعنی پیغام سلیمانی تمہارے پاس پہونچا ہے تم اسے سمجھو - اور محبوب حقیقی کا پتہ چلاؤ اور ہاں اے منطق الطیر سلیمانی تو بھی آ - اور چونکہ حق سبحانہ نے تمکو جانوروں کے پاس بھیجا ہے اور اسلئے تجھے ہر جانور کی زبان سکھلا دی ہے یعنی تجھکو ناقصین کی تربیت کیلئے بھیجا ہے اور اسلئے تربیت کی طرق تعلیم فرمائے ہیں - اس لئے جو جانور تیرے پاس آئے اس سے اسکے مناسب بولی بول یعنی اسکی اصلاح کا وہی طریق اختیار کر جو اسکے لئے مناسب ہو معتقد جبر جانور کو جبر کا نقصان بتلا - اور پر شکستہ جانور کو صبر کی ہدایت کر یعنی معتقد اختیار ناقص کو صبر عن المعاصی کی ہدایت کر اور جو جانور کہ صابر ہو اس سے کچھ تعرض نکر یعنی جو شخص گناہوں سے پرہیز کرتا ہے اسکو کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو خود ہی صحیح رستہ پر چل رہا ہے اور جو لوگ عنقا صفت اور عالم غیب سے تعلق رکھنے والے ہیں اُن سے عالم غیب کے متعلق گفتگو کر - اور کبوتر ونکو باز سے بچا - اور باز کو حلم اور احتراز از کبوتر اکی ہدایت کیجئے یعنی مظلوموں اور کمزوروں کو ظالموں اور زبردستوں سے بچا اور ظالموں و جابرونکو ہدایت کر کہ وہ حلم کو کام میں لائیں اور کمزوروں کو نہ ستائیں - اور جو خفاش دولت نور سے محروم ہے اُسکو نور کے ساتھ ملا - اور اسے اُس سے آشنا کر یعنی محجوبین کو معرفت حق سے بہرہ ور کر - اور لڑنے والے چکور کو صلح سکھلا اور مرغونکو علامات صبح سے آگاہ کر یعنی اہل حق کو جو بتلائے رد و قدح لا یعنی ہیں انکو ہدایت کر کہ وہ اس خرافات کو ترک کریں اور اپنے گرانمایہ وقت کی قدر کریں اور جو لوگ ہدایت سے مناسبت رکھتے ہیں انکو ہدایت کر غرضکہ چھوٹے سے لیکر بڑے تک اور ادنی سے لیکر اعلی تک کی اُسکے حال کے مناسب تربیت کر اور راہ حق دکھلا تم الکلام واللہ اعلم بالصواب -

شرح شبیری

اہل سبا کے قصہّ کا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی

بلقیس کو دعوت کرنے کا بقیہ کہ اُس پیام سے ہر شخص نے اپنی استعداد کے موافق مشکلات دیں حل کیں اور اسکا بیان کہ ہر جانور کو اُس کے ہمجنس کی آواز سے شکار کیا جاتا ہے،

قصہ گویم از سبا مشتاق وار — چوں صبا آمد بسوئے لالہ زار

یعنی میں سبا کا قصہ مشتاق کی طرح بیان کرتا ہوں کہ جب باد صبا لالہ زار کی طرف آئی۔

لاقت الاشباح یوم وصلہا — عادت الاولاد صوب اصلہا

یعنی احسام نے اپنے وصل کے دن سے ملاقات کی اور اولاد اپنی اصل کیطرف لوٹ آئی، مطلب یہ کہ جب وہ پیام سلیمانی سبا میں پہونچا تو تمام اجسام پر احکام روح کا غلبہ ہو گیا اور سب لوگ اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ گئے یعنی سارے کے سارے مومن ہو گئے۔

امت العشق خفی فی الامم — مثل جود حولہ یوم السقم

یعنی عشق کا گروہ اور امتوں کے درمیان میں مخفی ہے جیسے کہ بارش کا دن کہ اسکے گرد مصیبت کے دن ہوں مطلب یہ کہ عاشق لوگ اوروں میں اس طرح چھپے ہوئے ہوتے ہیں جیسے کہ بارش کا دن ہوتا ہے۔ کہ اسکے گرد تو مصیبت کے ایام ہوتے ہیں اور بیچ میں وہ ہوتا ہے اسی طرح عشاق بھی بیچ میں ہوتے ہیں۔ اور چاروں طرف اور لوگ ہوتے ہیں اور یہ لوگ ان ہی میں مخفی ہوتے ہیں جیسے کہ یہ اہل سبا تھے عشاق اور دوسرے آدمیوں کی طرح۔ مگر ان میں اور اُن میں حقیقۃً بجید فرق تھا اور فرماتے ہیں کہ۔

ذلۃ الارواح من اشباحہا — عزۃ الاشباح من ارواحہا

یعنی ارواح کی ذلت تو اجسام کی وجہ سے ہوتی ہے اور اجسام کی عزت ارواح سے ہوتی ہے مطلب یہ کہ اگر روح پر غلبہ احکام جسم کا ہوا تو وہ روح تو ذلیل و خوار ہو گی اور اگر جسم پر غلبہ روح کا ہو گیا تو یہ اُس جسم کی عزت افزائی ہے۔ آگے اہل سبا کو خطاب کر کے فرماتے ہیں اور مراد خطاب طالبین کو ہے۔ فرماتے ہیں کہ۔

ایها العشاق السقیا لکم انتم الباقون البقیا لکم

یعنی اے عشاق تمہارے لئے سیرابی ہے تم ہی باقی ہو اور بقا تمہارے ہی لئے ہے۔

ایها السابون قوموا واعشقوا ذاک ریح یوسف فاستنشقوا

یعنی ای افسردہ لوگو کھڑے ہو اور عاشق ہو جاؤ۔ یہ ریح یوسف ہے سونگھ لو۔ مطلب یہ کہ اے اہل سبا اور اے طالبین یہ پیام سلیمانی اور افادات شیخ تم تک پہونچے ہیں لہذا کھڑے ہو جاؤ۔ اور عاشق ہو جاؤ کیونکہ یہ ریح یوسف کی طرح بصیرت بخشنے والا ہے۔ لہذا اسکو حاصل کرو۔ اور اسکی طرف متوجہ ہو۔ یہ تو خطاب تھا طالبین کو کہ تم طلب میں کوشش کرو۔ آگے منطق الطیر سلیمانی کو مخاطب کر کے شیخ سے عرض کرتے ہیں کہ۔

منطق الطیر سلیمانی بیا بانگ ہر مرغے کہ آید می سرا

یعنی اے سلیمان علیہ السلام کی منطق الطیر آ اور جو جانور آوے اسکی آواز گا۔ (منطق الطیر سے مراد مطلق کلام وافادات)۔

چوں بمرغانت فرستادست حق لحن ہر مرغے بدادستت سبق

یعنی جب تمکو حق تعالیٰ نے جانوروں کی طرف بھیجا ہے اور ہر جانور کی آواز تمکو سکھائی ہے (مرغان سے مراد طالبین)۔

مرغ جبری را زبان جبر گو مرغ پر اشکستہ را از صبر گو

یعنی مرغ جبری کو زبان جبر (محمود) سے تعلیم کرو۔ اور مرغ پر اشکستہ کو صبر کی تعلیم کرو،

مرغ صابر را تو خوش دار و معاف مرغ عنقا را بخوان اوصاف قاف

یعنی مرغ صابر کو تم خوش اور معاف رکھو اور مرغ عنقا سے قاف کے اوصاف بیان کرو۔

مر کبوتر را حذر فرما ز باز باز را از حلم گوئی واحتراز

یعنی کبوتر کو باز سے بچنے کی تعلیم کرو اور باز کو حلم کی اور بچانے کی تعلیم کرو۔

وان خفاشے را کہ ماند او بینوا می کنش با نور جفت و آشنا

یعنی اُس خفاش کو جو کہ بے نوا رہ گئی ہے نور کے ساتھ جفت و آشنا کر دو۔

کبک جنگی را بیاموزاں تو صلح مر خروسان را نما اشراط صبح

یعنی اڑنے والے کبک کو صلح سکھلاؤ اور مرغوں کو صبح کی علامتیں سکھلاؤ۔

ہمچنیں میرو زہدہد تا عقاب   رہ نما واللہ اعلم بالصواب

یعنی اسی طرح ہدہد (کم عقل) سے عقاب (عاقل) تک راہ دکھلاتے ہوئے چلے چلو واللہ اعلم بالصواب ۔ مطلب یہ ہے کہ اے شیخ جو کہ فیض رسانی میں مثل سلیمان علیہ السلام کے ہو تم کو حق تعالیٰ نے ہر شخص کی تعلیم کی استعداد دی ہے اور تم ہر کس و ناکس کی تعلیم کر سکتے ہو تو تم کو چاہیئے کہ ہر شخص کو اسکی استعداد کے موافق تعلیم کرو۔ یہ نہیں کہ ذراسی بات پر بگڑ بیٹھو۔ یا ہر شخص کو ایک لکڑی ہانکنا شروع کر دو۔ اور سب کو اپنے درجہ پر کھینچو نہیں بلکہ خود اُن کے مرتبہ پر نزول کر کے اُنکی استعداد کے موافق سبکو تعلیم کرو غرضکہ طالبین کو توجہ دلائی کہ تم طلب کرو۔ اور شیوخ سے اُنکی تعلیم کے واسطے عرض کیا کہ جس سے کام بنجاوے اور وصل حق میسّر ہو جاوے۔ آگے حضرت بلقیس کے اسلام لے آنے اور ملک و مال کو ترک کر دینے کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

بلقیس کا ملک و مال سے بوجہ شوق ایمان کے آزاد اور مست ہو جانا اور تمام ملک سے اُسکا التفات منقطع ہو جانا مگر تخت سے

چوں سلیمان سوئے مرغان سبا	یک صفیرے کرد و بست آں جملہ را
جز مگر مرغے کہ بُد بے جان و پر	یا چو ماہی گنگ بود از اصل و کر
نے غلط گفتم کہ کر گر سر نہد	پیش وحی کبریا سمعش دہد
چونکہ بلقیس از دل و جان عزم کرد	بر زمان رفتہ ہم افسوس خورد

ترک مال و ملک کرد او آنچناں ، کہ ترک نام و ننگ آں عاشقاں

آں غلاماں و کنیزان نباز ، پیش چشمش ہمچو پوسیدہ پیاز

باغہا و قصرھا و آب رود ، پیش چشم از عشق گلخن می نمود

عشق در ہنگام استیلا و خشم ، زشت گرداند لطیفاں را بچشم

مرزمرد را نماید گندنا ، غیرت عشق ایں بود معنے لا ،

لا الہ الا ہو اینست اے پناہ ، کہ نماید مہ ترا دیگ سیاہ

ہیچ مال و ہیچ مخزن ہیچ رخت ، مے دریغش نامد الا جز کہ تخت

پس سلیماں در دلش آگاہ شد ، کز دل او تا دل او راہ بد

آں کسے کو بانگ موران بشنود ، ہم ز دوراں سر دوراں بشنود

آنکہ گوید راز قالت نملۃ ، ہم بداند راز ایں طاق کہن

دید از دورش کہ آں تسلیم کیش ، تلخش آمد فرقت آں تخت خویش

گر بگویم آں سبب گردد دراز ، کہ چرا بودش بتخت آں عشق و ساز

گرچہ ایں کلک و قلم خود بیحسے است ، نیست جنس کاتب او را مونسے است

ہمچنیں ہر آلت پیشہ وری ، ہست بیجان مونسے ہر جانوری

آلت ہر پیشہ کارے ہمچناں ، ہست بیجان لیک مونس شد بجاں

ایں سبب را من معین گفتمے ، گر نبودت چشم فہمت را نمے

از بزرگی تخت کز حد می فزود ، نقل کردن ہیچ نوع امکان نبود

خردہ کارے بود تفریقش خطر ، ہمچو اوصال بدن با یکدگر

پس سلیمان گفت گرچہ فی الاخیر ‌ سرد خواہد شد برو تاج و سریر

چون ز وحدت جان برون آرد سری ‌ جسم را با فر او بنود فری

چون برآید گوہر از قعر بحار ‌ بنگری اندر کف و خاشاک و خار

سر برآرد آفتاب با شرر ‌ دم عقرب را کہ سازد مستقر

لیک خود با اینہمہ بر نقد حال ‌ جست باید تخت او را انتقال

تا نگردد خستہ ہنگام لقا ‌ کودکانہ حاجتش گردد روا

ہست بر ما سہل و او را بس عزیز ‌ تا بود بر خوان حوران دیو نیز

عبرت جانش شود آن تخت ناز ‌ ہمچو دلق و چارقے پیش ایاز

تا بداند در چہ بود او مبتلا ‌ از کجاہا در رسید او تا کجا

خاک را و نطفہ را و مضغہ را ‌ پیش چشم ما ہمی دارد خدا

از کجا آوردمت اے بدنیت ‌ کہ ازان آمد ہمی خفریقیت

تو بدان عاشق بدی در دور آن ‌ منکر این فضل بودی آن زمان

این کرم چون دفع آن انکار تست ‌ کہ میان خاک میکردی نخست

حجت انکار شد انشار تو ‌ از دوا بدتر شد این بیمار تو

خاک را تصویر این کار از کجا ‌ نطفہ را خصمی و انکار از کجا

چون در آندم بیدل و بے سر بدی ‌ فکرت و انکار را منکر بدی

از جمادے چونکہ انکارت برست ‌ ہم ازین انکار حشرت شد درست

پس مثال تو چو آن حلقہ زنیست ‌ کز درونش خواجہ گوید خواجہ نیست

حلقہ زن زین نیست دریابد کہ ہست — پس ز حلقہ بر ندارد ہیچ دست
پس ہم انکارت مبین میکند، — کز جماد او حشر صد فن میکند
چند صنعت رفت اے انکار تا، — آب و گل انکار زاد از ہل اتیٰ،
آب و گل میگفت خود انکار نیست — بانگ میزد بے خبر کا خبار نیست
من بگویم شرح این از صد طریق — لیک خاطر لغزد از گفت دقیق
شرح آنرا لب بہ بستم اے کیا، — بہر نقل تخت بلقیس از سبا

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کے تخت کو سبا سے منگانیکی تدبیر کرنا

پس سلیمان گفت با لشکر عیاں — تخت او را حاضر آرید این زماں
گفت عفریتے کہ تختش را بفن — حاضر آرم تا تو زین مجلس شدن
گفت آصف من باسم اعظمش، — حاضر آرم پیش تو در یکدمش،
گرچہ عفریت استاد سحر بود — لیک آں از نفخ آصف رو نمود
حاضر آمد تخت بلقیس آن زماں — لیک ز آصف تر فن عفریتیاں
گفت حمد اللہ برین و صد چنین — کہ بدیدستم ز رب العالمین
پس نظر کرد آں سلیماں سوئے تخت — گفت آرے گول گیری اے درخت
پیش چوب و پیش سنگ نقش کند، — اے بسا گولاں کہ سرہا می نہند،
ساجد و مسجود از جان بیخبر — دیدہ از جان جنبشے واندک اثر
دیدہ در وقتیکہ شد حیران و دنگ — کہ سخن گفت و اشارت کرد سنگ

نزدِ خدمت چوں بنا موضع بباخت	شیر سنگی را شقی شیرے شناخت
از کرم شیرِ حقیقی کرد جود،	استخوانے سوئے سگ انداخت زود
گفت گرچہ نسبت آں سگ بر قوام	لیک مارا استخواں لطفیست عام

جبکہ سلیمان علیہ السلام نے جانوروں کیلئے انکے مناسب ایک بولی بولی یعنی اہل سبا کو ایک مناسب حال پیغام بھیجا تو اُن سبکو قید اور منقاد کر لیا۔ بجز اُس جانور کے جو بیجان وبے پر تھا۔ یا مچھلی کی طرح خلقۃ بہرہ گونگا تھا یعنی فطرۃً ہی اسمیں استعداد و قابلیت ایمان نہ تھی۔ (مراد اس سے اظہار کمال ضعف استعداد ہے نہ کہ نفی مطلق استعداد کیونکہ یہ امر کل مولود یولد علی الفطرۃ کے خلاف ہے) اُسکو فائدہ نہوا۔ اور وہ اتباع سے محروم رہا۔ چونکہ مولانا کے اس کلام سے گونہ ایہام اس امر کا بھی ہوتا تھا۔ کہ آواز وحی ایسے لوگوں کی ہدایت سے قاصر ہے اسلئے اُسکو دفع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نہیں میں نے غلط کہا اور میرے کلام سے یہ امر جو متوہم ہوتا ہے کہ آواز وحی الٰہی قاصر ہے یہ غلط ہے کیونکہ اسمیں تو اتنی قوت ہے کہ اگر بہرہ یعنی قریب قریب فاقد الاستعداد شخص بھی اسے سُنے تو نور وحی الٰہی اسکے لئے بھی شمع ہدایت روشن کر دے پس قصور سراسر عبد کیطرف سے ہے۔ نہ کہ وحی کی جانب سے یہ تو جملہ معترضہ تھا اصل مطلب یہ ہے کہ بلقیس مسلمان ہو گئی اور اُس نے سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کا صدق دل سے پختہ ارادہ کر لیا۔ اور جبکہ اُسکے دل میں اسلام نے گھر کر لیا۔ اور اسکا حاضری کا ارادہ پختہ ہو گیا۔ تو اُسکو اپنے گذشتہ زمانہ کے ضائع ہونے پر افسوس ہوا۔ کہ میرا اتنا وقت کیوں برباد ہو گیا۔ اور کیوں میں اتنے دنوں تک اس دولت سے محروم رہی اور اُس نے دولت و سلطنت کو یوں خیرباد کہدیا جس طرح عشاق ننگ و نام کو کہدیتے ہیں۔ خدمتگار غلام اور ناز و انداز والی لونڈیاں اسکی نظر میں اسدرجہ بے وقعت ہو گئی تھیں جیسی بے وقعت پیاز۔ باغات و قصور شاہی اور نہروں کا پانی سب کے سب عشق کی گرمی سے پیاز معلوم ہوتے تھے۔ اور یہ امر کچھ بھی تعجب خیز نہیں اسلئے کہ عشق کا تو قاعدہ یہی ہے کہ جب وہ مسلط اور غضبناک ہوتا ہے تو اچھی چیزیں

عاشق کی نظر میں بری ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ غیرت عشق زمرد کو گندنا دکھلاتی ہے۔ یعنی عاشق کو غیرت آتی ہے کہ محبوب کی خوبی کے سامنے کسی اور چیز کو بھی خوب سمجھے۔ اور اس کی طلب کے ساتھ کوئی اور چیز بھی مطلوب ہو۔ اور فنائی المحبوب کے یہی معنی ہیں۔ اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ما لا الہ الا ہو کے معنی بھی یہی ہیں کہ مثلاً چاند تمہیں کالی ہانڈی معلوم ہو۔ تفصیل اسکی یہ ہے کہ اسمیں تمام کائنات معبودیت کا سلب ہے۔ اور صرف ایک ذات کے لئے اسکا اثبات ہے تو حاصل یہ ہوا کہ معبود صرف ذات واحد ہے۔ اور کوئی نہیں۔ اور معبودیت و استجماع جملہ اوصاف کمال و محبوبیت حقیقۃ وکاملۃ آپسمیں متلازم ہیں پس لا الہ الا ہو کے التزامی معنی یہ ہوئے کہ کوئی محبوب حقیقی وکامل نہیں بجز ذات واحد کے لہذا اُسیکو محبوب بنانا چاہئے۔ اور جب وہ محبوب ہو گیا تو اسکے ماسوا جتنی چیزیں ہیں سب کو اسکے سامنے محتقر اور عاری عن الکمال سمجھنا چاہئے کیونکہ مقتضائے عشق یہی ہے۔ پس جبکہ یہ کیفیت پیدا ہو گئی تو لامحالہ عاشق چاند کو کالی ہانڈی سمجھے گا۔ و ہذا ہو المدعی۔ اس مضمون استطرادی کو بیان فرماکر پھر مضمون سابق کے طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی مال کوئی خزانہ کوئی سامان ایسا نہ تھا جسکا اسے افسوس ہو بجز تخت کے کہ اسکو اسکا افسوس ضرور تھا پس سلیمان علیہ السلام کو انکے خیال پر اطلاع ہو گئی (چونکہ بادی النظر میں یہ امر قابل انکار تھا اسلئے مولانا اسکی وجہ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں) کیونکہ جبکہ بلقیس کے قلب کو حضرت سلیمان علیہ السلام سے تعلق تھا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی ان سے محبت تھی اور عادت اللہ جاری ہے کہ ایسی صورت میں علی تفاوت مراتب التعلق ایک کے قلب کی حالت کا پرتو دوسرے کے قلب پر ڈالدیا کرتے ہیں۔ اسلئے دونوں کے دلونکے درمیان ایک راستا تھا جس سے ایک کے دل کا اثر دوسرے تک پہونچ سکتا تھا نیز جسکے قوی مدرکہ اتنے قوی ہونگے کہ وہ چیونٹی کی گفتگو سنلے وہ دور والوں کے اسرار قلبیہ بھی معلوم کر سکے گا بوجہ اس ادراک کے اختیاری ہونے کے ہر وقت اور جب چاہے ایسا کر سکے اور جو گفتگو ور کو جولہ ایک مخفی بات تھی جان لیگا وہ آسمانوں کے مخفی اسرار کو بھی جان سکیگا۔ کیونکہ منشا دونوں کا

نور الٰہی و قوت الٰہیہ ہے جسکے نزدیک دونوں یکساں ہیں مگر چونکہ ان سے حواس عادیہ کی طرح کام لینے کا اختیار عطا نہیں کیا گیا۔ اسلئے یہ ادراک انکے اختیار میں نہیں فاندفع الشکوک والاوہام باسرہا۔ القصہ انھوں نے ایک مسافت بعیدہ سے یہ امر معلوم کر لیا کہ مطیع و منقاد بلقیس کو اپنے تخت کی جدائی ناگوار ہے رہا یہ امر کہ اسکو اس تخت سے کیوں عشق اور موافقت تھی سو اگرمیں اسکی تفصیلی وجہ بیان کرتا ہوں تو گفتگو طویل ہوئی جاتی ہے۔ مگر مختصر او اجمالا کچھ بیان کرتا ہوں سنو اگرچہ قلم جماد محض ہے مگر کاتب کو اس سے ایک خاص انس ہوتا ہے علی ہذا ہر پیشہ ور کے آلات اپنے بیجان ہونیکی حالت میں جانداروں کے مونس ہیں۔ اور جو شخص جو کام کرتا ہے اسکا آلہ بیجان ہوتا ہے۔ لیکن وہ اسکا مونس جان ہوتا ہے علی ہذا بلقیس کا تخت اسکا آلہ تھا اسلئے قدرۃً اسکو بھی اس سے انس ہونا چاہیے تھا۔ یہ تو میں نے مجملاً اور ایک کلیہ کے طور پر بیان کر دیا ہے اور میں اسکو متعین اور مشخص کرکے بھی بیان کر دیتا۔ اگر تیری چشم فہم میں ڈھلکے کا مرض نہوتا یعنی وہ کمزور نہوتی۔ مگر کیا کیجئے کہ وہ کمزور ہے اسلئے مجھے اندیشہ ہے کہ تو نہ سمجھ سکے یا غلط سمجھ جائے اسلئے ترک کرتا ہوں۔ اور قصہ بیان کرتا ہوں۔ چونکہ تخت بہت بڑا تھا اسلئے اس کے بڑے ہونیکے سبب اسکو سلیمان علیہ السلام کے پاس لیجانا کسی طرح ممکن نہ تھا اور چونکہ اسمیں بہت باریک کام ہو رہا تھا اسلئے اجزاء الگ الگ کرنے میں بھی خطرہ تھا جیسے انسان کے آپس کے جوڑ کہ ان کے جدا کرنے میں سخت خطرہ ہے۔ کیونکہ وہ ایک استاد کامل کے جوڑے ہوئے ہیں پس اگر انکو الگ الگ کر دیا جاوے تو پھر انکا اس طرح جوڑنا ناممکن ہو جاوے۔ ان واقعات پر غور کرکے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اگرچہ انجام یہ ہوگا کہ بلقیس کو تخت و تاج کی بالکل محبت نہ رہے گی کیونکہ جب جان دریائے وحدت میں غرق اور فنا فی اللہ ہو کر نکلتی اور بقا باللہ حاصل کرتی ہے تو اسکی عظمت کے مقابلہ میں کوئی چیز وقیع نہیں ہوتی۔ اسلئے وہ کسی چیز پر بھی نظر نہیں کرتے۔ اسلئے کہ قاعدہ ہے کہ اگر سمندر میں سے موتی نکل آئے تو پھر آدمی خس و خاشاک کیطرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ نیز جبکہ آفتاب مشتعل طلوع ہوتا ہے تو اسوقت دم عقرب پر کوئی اعتماد نہیں کرتا۔ کیونکہ آفتاب کے

سامنے دم عقرب کی کیا حقیقت ہے (دم عقرب سے وہ ستارے مراد ہیں جو مجموعہ عقرب یا میں دم عقرب کی صورت پر مجتمع ہیں اور یہی مراد ہے صاحب منہج قوی کی۔ نہ کہ کژدم معروف کی دم جیسا کہ بعض محشین نے سمجھا ہے۔ واللہ اعلم) لیکن باانیہمہ فی الحال یہی مناسب ہے کہ اسکے تخت کو یہاں منگایا جاوے۔ تاکہ ہماری ملاقات کے وقت اسکو تخت کے چھوٹنے کا ملال نہ ہو اور اسکی طفلانہ خواہش پوری ہوجانی چاہئے۔ کیونکہ گو وہ ہمارے نزدیک محقر ہے مگر اسے بیحد عزیز ہے نیز تاکہ چھوڑوں کے دستر خوان پر دلو بھی موجود رہے اور وہ تخت اسکی جان کیلئے موجب عبرت ہو جسطرح کہ ایاز کی گدڑی اور اسکے جوتے اسلئے اسکے پاس تھے کہ اسے معلوم رہے کہ میں کہاں سے کہاں پہونچ گیا ہوں اور پہلے کیا تھا اور اب کیا ہوگیا ہوں اور اس سے اسمیں شکر پیدا ہو نہ کہ غرور اور گھمنڈ حق سبحانہ نے خاک اور نطفہ اور مضغہ کو اسی لئے ہمارے سامنے رکھا ہے تاکہ ہمیں جتلائے کہ میں نے تمہیں ایسے کونسے عمدہ تغیر سے پیدا کیا ہے جس سے تمہارے اندر یہ پاجی پن تکبر و غرور وغیرہ پیدا ہو جس زمانہ میں تو نطفہ اور مضغہ تھا اسوقت تو بزبان حال ہمارے اس کمال کا منکر تھا کہ ہم ایک چیز کو دوسری شے سے پیدا کرسکتے ہیں اور چونکہ ہمارا یہ فضل یعنی تمکو جماد سے انسان بنانا تمہارے اس انکار کو رد کرتا ہے جو کہ تم ابتدا ء خاک ہونیکی حالت میں کرتے تھے۔ اسلئے اب تمکو حشر اجساد سے انکار نہ ہونا چاہئے تھا مگر تمپر اسکا الٹا اثر ہوا اور ہمارا تمکو حیات بخشنا خود تمہارے لئے انکار کی دلیل بنگیا (اور تم نے کہا کہ حشر اجساد ناممکن ہے کیونکہ جسم میں سے وہ استعداد فنا ہوگئی ہے جسکے بنا پر نفس کو اس سے تعلق تھا یا وہ مجتمع تھا اور نفس کے تعلق اور جسم کے اجتماع کا فنا ہوجانا دلیل ہے اسکے انعدام کی پس جبکہ اسمیں استعداد تعلق نفس و اجتماع اجزاء نہیں رہے تو جسم کیونکر بن سکتا ہے اور نفس اس سے کیونکر متعلق ہوسکتا ہے) اور جو چیز واقع میں تمہارے لئے دوا تھی اس سے تمہارے مرض کو ترقی ہوگئی۔ تم اتنا تو سوچو کہ خاک کے پتلے کیلئے اس فعل (حیات و استعداد وغیرہ) کو کس نے متصور کیا ہے۔ اور وہ کون ہے جس نے اسے حیات یا استعداد وغیرہ دی ہے۔ اور نطفہ یعنی انسان کے اندر مخاصمت اور انکار کس نے پیدا کیا ہے۔ وہ ہمیں تو ہیں۔ پھر اگر ہم دوبارہ بھی حیات دیدیں تو کیا تعجب کی بات ہے۔ آخر استعداد

اول ہی تو ہمیں نے پیدا کی تھی پھر کیا ہم دوبارہ استعداد پیدا نہیں کر سکتے۔ دیکھو جب تمکو
دل اور فہم نہ ملا تھا اسوقت تم فکر اور انکار کے بھی منکر تھے۔ اب چونکہ جمادیت سے تمہارے اندر
انکار پیدا ہوگیا ہے اسلئے خود تمہارا یہ انکار حشر ہی اسکا اقرار ہوگیا۔ کیونکہ اس سے ثابت ہوا
کہ تمہارا انکار بالکل لغو ہے۔ اور تم ہر ایسی چیز کا انکار کر بیٹھتے ہو۔ جو فی نفسہ ممکن ہوتی ہے
اور اس تک تمہاری رسائی نہیں ہوتی جنانچہ حالت جمادیت میں تم فکر و انکار کے منکر تھے
ہی۔ اور اب انکو آنکھوں سے دیکھ لیا نیز تمہارا مٹی ہوکر دوبارہ زندہ ہونا ایسا ہی ہے جیسا
جماد سے انکار کا پیدا ہونا۔ تو جبکہ ہم اسپر قادر ہیں تو اسپر قادر کیوں نہونگے۔ لہذا تمہاری
مثال ایسی ہوگئی جیسے ایک شخص زنجیر کھٹکھٹائے اور مالک مکان اندر سے بولے کہ مالک گھر
نہیں ہے کیونکہ یہ انکار اسکا خود اقرار ہے اور زنجیر کھٹکھٹانے والا اس انکار ہی سے اقرار سمجھ جاوے
اسکی بات نہ مانے گا۔ اور زنجیر کھٹکھٹاتا رہے گا پس اسی طرح تمہارا انکار خود ثابت کرتا ہے کہ
حق سبحانہ جمادات میں سیکڑوں کمالات پیدا کر سکتے ہیں اے منکر ذرا غور تو کر کہ جسوقت
تک خاک و آب یعنی مٹی کے پتلے نے ہل اتی سے انکار کیا ہے اسوقت تک خاک کے اندر
کیا کیا کاریگریاں ہوچکی ہیں کہ اول مٹی کو غذا بنایا اور غذا کو بتقلیب احوال خون بنایا اور
خون کو منی بنایا۔ منی کو علقہ بنایا علقہ کو مضغہ بنایا مضغہ کو جسم انسانی بنایا پھر اسمیں
روح پھونکی پھر اسکو قابل فہم بنایا۔ اسوقت سورۃ ہل اتی کا انکار کیا۔ جو اولاً بطور تمہید کے
اسکے ابتدائی حالت کو ظاہر کرتی ہے اور اسکے بعد اسکے محشوریت جسمانیہ کو بتلاتی ہے غرضکہ
مجموعہ آب و گل (انسان ناقص) اپنے انکار کی حالتمیں کہتا ہے کہ یہ انکار نہیں ہے اور
تغافل اپنے عین اس خبر دینے کی حالتمیں بندائی جہودی کہہ رہا ہے کہ یہ خبر دینا نہیں ہے
بلکہ سراسر جھوٹ ہے۔ میں اس مضمون کو سوطرح بیان کر سکتا ہوں لیکن اندیشہ ہے کہ باریک
بات سے افہام کو لغزش نہو جاوے۔ اسلئے اسکی شرح سے خاموش رہا۔ تاکہ سبا سے
بلقیس کا تخت لے آؤں۔ سنو امر مذکورہ بالا کو سوچکر سلیمان علیہ السلام نے لشکر کو حکم
دیا کہ اسکے تخت کو فوراً حاضر کرو۔ ایک جن نے کہا کہ میں اسکے تخت کو اپنے کمال سے آپکی
مجلس کے برخاست ہونے سے پہلے حاضر کر سکتا ہوں یہ سنکر آصف بن برخیا نے کہا کہ

میں اسم اعظم کے ذریعہ سے اُسے آناً حاضر کئے دیتا ہوں۔ اگرچہ وہ عضریت ہی جادو کا استاد تھا مگر اس خدمت کے انجام کا شرف آصف کی قسمت میں تھا اسلئے یہ خدمت اسی کے دم سے ظہور میں آئی اور فی الفور بلقیس کا تخت حاضر ہو گیا۔ مگر عضریتوں کے ہنر سے نہیں بلکہ آصف کے کمال سے۔ یہ دیکھکر حضرت سلیمان علیہ السلام نے جوش مسرت میں فرمایا کہ میں رب العالمین کے اس انعام پر اور ایسے اور سیکڑوں انعاموں پر جو اسکی جانب سے مجھپر ہوئے ہیں اسکی تعریف کرتا ہوں۔ یہ فرماکر تخت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ای جزو درخت بے شک تو احمقوں کا پھانسنے والا ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ اری بہت سے احمق ہیں جو لکڑیوں اور تراشیدہ پتھروں کے سامنے سجدہ کرتے ہیں یہ ساجد و مسجود جان کو تو جانتے ہی نہیں کہ کیا چیز ہے۔ ہاں کچھ اثر اسکا ان میں موجود ہے جیسے حرکت وغیرہ۔ چنانچہ جب ساجد کبھی اپنے کسی معاملہ میں پریشان اور متحیر ہو کر بتوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اُن سے اعانت چاہتا ہے تو ان میں گویائی یا اشارہ دیکھ لیتا ہے اور وجہ یہ ہے کہ جب اس نے اپنی خدمت کو بے محل صرف کیا اور اس بدبخت نے پتھر کے شیر کو حقیقی شیر سمجھ لیا یعنی غیر قادر کو قادر جان لیا تو حق سبحانہ کے سخاوت نے اپنی عنایت سے اسے شیر حقیقی کر دیا یعنی اسپر قادر کے آثار مرتب کر دیئے جیسے گویائی یا حرکت یا مقصود کا حاصل ہونا۔ اور اس کتے کے سامنے ہڈی ڈالدی اور فرمایا کہ اگرچہ یہ کتا ٹھیک اور وفادار نہیں لیکن ہڈی ڈالدینا ہمارا کرم عام ہے۔ اسمیں مطیع و غیر مطیع کی تخصیص نہیں ہم سب کے مقاصد کو پورا کرتے ہیں اب مولانا ایک قصہ بیان فرماتے ہیں جس سے سعیدہ از جان جنبشے وانذک اثری کی تائید ہو اور کہتے ہیں۔

شرح شبیری

بلقیس کا ملک و مال سے بوجہ شوق ایمان کے آزاد ہونا

ہو جانا۔ اور تمام ملک ہی اسکا التفات منقطع ہو جانا مگر تحت سے

چوں سلیماں سوئے مرغان سبا　　یک صفیری کرد و بست آں جملہ را

یعنی جبکہ سلیمان علیہ السلام نے سبا کے جانوروں کی طرف ایک آواز کی تو ان سبکو بلا لیا

جز مگر مرغی کہ بد بیجان و پر　　یا چو ماہی گنگ بد از اصل کر

یعنی مگر سوائے اُس مرغ کے جو کہ بیجان و پر تھا یا مچھلی کی طرح اصل ہی سے گونگا اور بہرہ تھا۔ مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو دعوت اسلام فرمائی اور اہل سبا کو اپنی طرف بلایا تو تمام اہل سبا اسطرف متوجہ ہو گئے اور سب نے اُسکو قبول کیا لیکن جو لوگ ایسے تھے کہ گویا کہ اصل سے استعداد تھی ہی نہیں تو ایسے لوگوں نے اُسکو قبول نہیں کیا اسلئے کہ ایسے لوگ جو بالکل ہی بہرے گونگے ہوں وہ کیا ہدایت پا سکتے ہیں اور یہ جو کہا ہے کہ " یا چو ماہی گنگ بد از اصل و کر" اس سے شبہ پڑتا ہے کہ جب انہیں اصل فطرت سے استعداد تھی ہی نہیں تو وہ تو مکلف ہی نہ تھے اسی شبہ کو شرح میں گویا کے لفظ سے دور کیا گیا ہے کہ اُنکی استعداد ایسی ضعیف ہو گئی تھی کہ گویا کہ اصل سے تھی ہی نہیں پھر اُنکو ہدایت کیسے ہوتی۔ آگے اس مضمون سے اضراب فرماتے ہیں کہ۔

نے غلط گفتم کہ کر گر سر نہد　　پیش وحی کبریا سمعش دہد

یعنی نہیں میں نے غلط کہا بلکہ اگر بہرا وحی کبریا کے آگے سر رکھدے تو اُسکو وہ کان دے۔ مطلب یہ کہ فرماتے ہیں کہ میں نے جو کہدیا کہ چونکہ وہ لوگ گنگ و کر تھے اسلئے اُنکو کسطرح ہدایت ہو سکتی تھی تو یہ میں نے غلط کہا ہے۔ اسلئے کہ اگر کوئی ضعیف الاستعداد اطاعت حق کرے اور اپنی طرف سے کوشش کرے تو حق تعالیٰ اُسکی مدد فرماتے ہیں اور اُسکی استعداد میں قوت پیدا فرما دیتے ہیں۔ کہ جس سے وہ قوی الاستعداد ہو جاتا ہے خیر غرضکہ اکثر اہل سبا نے دعوت کو قبول کیا۔

چونکہ بلقیس از دل و جان عزم کرد　　بر زمان رفتہ ہم افسوس خورد

یعنی جبکہ بلقیس نے بدل و جان (ایمان لانے کا) قصد کر دیا اور گذشتہ زمانہ (کفر) پر

افسوس بھی کیا۔

ترک مال و جان کرد او آنچناں　　　که بترک نام و ننگ آں عاشقاں

یعنی انھوں نے مال و جاہ کو اس طرح ترک کر دیا جسطرح کہ وہ عاشقان (حق) نام و ننگ کو ترک کر دیتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جسطرح کہ عشاق حق کو نام و ننگ کی پرواہ نہیں ہوتی بس اطاعت حق کرتے ہیں خواہ نام ہو یا نہو اور خواہ ظاہری ننگ و ناموس کے خلاف ہو یا موافق۔ بس اسی طرح انھوں نے بھی یک لخت تمام مال و دولت کو ترک کر دیا اور ایمان لانیکا قصد کر دیا۔

آں غلامان و کنیزان بناز　　　پیش چشمش ہمچو پوسیدہ پیاز

یعنی وہ نازنین غلام اور باندیاں اُس کی آنکھ میں سڑے ہوئے پیاز کی طرح ہو گئے،

باغہا و قصرہا و آب رود　　　پیش چشم از عشق گلخن می نمود

یعنی باغات اور محلات اور نہر کا پانی اُنکی آنکھ کے آگے عشق (حق) کی وجہ سے بھاڑ دکھائی دیتے تھے۔ مطلب یہ کہ تمام چیزیں ہیچ اور بے وقعت دکھائی دیتی تھیں اور سب چیزوں سے عشق حق کی وجہ سے نفرت ہو گئی تھی۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

عشق در ہنگام استیلا و خشم　　　زشت گرداند لطیفاں را بچشم،

یعنی عشق غلبہ اور غصہ کے وقت میں تمام (ظاہری) لطیفوں کو آنکھ میں بُرا کر دیتا ہے مطلب یہ کہ جب عشق کا غلبہ ہوتا ہے تو چیزیں کہ بظاہر بہت عمدہ اور لطیف تھیں اب وہ بھی بُری اور گندی نظر آنے لگتی ہیں اور اُن سے دلچسپی نہیں رہتی۔ اور یہ حالت ہو جاتی ہے کہ۔

ہر زمرد را نماید گندنا　　　غیرت عشق ایں بود معنی لا

یعنی زمرد کو غیرت عشق گندنا دکھلاتی ہے اور یہ ہوتے ہیں فنا کے معنی۔ مطلب یہ کہ فنا کے یہ معنی ہیں کہ تمام چیزیں بجز ذات حق کے اور عشق حق کے بالکل ہیچ اور فانی نظر آویں کہ گویا کہ ہیں ہی نہیں۔ اور جب عشق کا غلبہ ہوتا ہے تو پھر یہی حالت ہو جاتی ہے کہ تمام چیزیں بالکل ہیچ اور بے وقعت دکھلائی دیتی ہیں۔

لا الہ الا ہو اینست اے پناہ　　　که نماید مہ ترا دیگ سیاہ

یعنی اے پناہ گزیں لا الہ الا ہو یہی ہے کہ چاند تمکو ایک دیگ سیاہ دکھلائی دے مطلب یہ کہ فنا کے معنی جو کہ حاصل ہے لا الہ الا ہو کا یہی ہیں کہ تمام چیزیں بے وقعت اور ہیچ معلوم ہوں۔ مثلاً چاند ہے کیسا چمکدار اور خوبصورت ہے لیکن اس عاشق کی نظر میں اسکی بھی کوئی وقعت نہو۔ اور یہ واقعہ ہے کہ اس ذات پاک کے سامنے اسکی درحقیقت کوئی بھی وقعت نہیں ہے۔ آگے پھر قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

ہیچ مال و ہیچ مخزن ہیچ رخت   می دریغش نامد الا جز کہ تخت

یعنی کسی مال و کسی خزانہ کا اور کسی اسباب کا اسکو افسوس نہ آتا تھا لیکن تخت کا۔ مطلب یہ کہ بلقیس کو کسی شے کے چھوڑنے کا قلق نہ تھا ہاں رہ رہکر تخت کے چھوڑنے کا خیال آتا تھا کہ یہ رہجاویگا۔ اور اب مجھے نہ ملیگا کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس تو نیازمندانہ اور غلامانہ حاضر ہو رہی تھیں تو انکو یہی خیال تھا کہ اب انکا قبضہ اسپر ہوجاویگا تو اور چیزوں کا تو انکو افسوس نہوتا تھا ہاں ایک تخت کا افسوس ہوتا تھا کہ افسوس یہ ہاتھ سے نکل جاویگا۔

پس سلیمان از دلش آگاہ شد   کز دل و تا دل او براہ شد

یعنی پس سلیمان علیہ السلام ان کے دل سے آگاہ ہوگئے۔ کیونکہ ان کے دل سے ان کے دل تک راہ تھی۔ مطلب یہ کہ چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے قلب سے ان کے قلب تک راہ تھی کیونکہ وہ صاحب وحی تھے اسلئے انکو حضرت بلقیس کے مافی الضمیر کی خبر ہوگئی۔ آگے اس خبر ہوجانے میں جو ایک استبعاد تھا اسکو دور فرماتے ہیں کہ۔

آں کسے کو بانگ موران بشنود   ہم ز دوران سر دوران بشنود

یعنی جو شخص کہ چیونٹیوں کی آواز سنلے وہ دوروں سے دوروں کی آواز بھی سن لیتا ہے۔

آنکہ گوید راز قالت نملۃ   ہم بداند راز ایں طاق کہن

یعنی جو شخص کہ قالت نملۃ کے راز کو بیان کردے اور اس پرانے طاق (آسمان) کا راز بھی بیان کردے (تو اسکو کسی کی مافی الضمیر کا معلوم کرلینا کیا مشکل ہے)

دید از دورش کہ آں تسلیم کیش   تلخش آمد فرقت آں تخت خویش

یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُنکو دور سے دیکھا کہ اُس تسلیم کیش کو اپنے تخت کی فرقت ناگوار معلوم ہوئی ہے۔ مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہوگیا کہ اُنکو تخت کا چھوڑنا ناگوار ہوا ہے اب آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

گر بگویم آں سبب گردد دراز　　　که چرا بودش به تخت آں عشق و ساز

یعنی اگر میں اُس سبب کو بیان کروں تو وہ دراز ہوجاوے۔ کہ اُنکو تخت سے وہ عشق و ساز کیوں تھا مطلب یہ کہ اگر میں اسکا سبب بیان کروں کہ اُنکو تخت سے محبت کیوں تھی اسلئے کہ ہر شئے کو اپنے ہم جنس سے تعلق اور اُنس ہوتا ہے اور تخت اُنکا ہمجنس تھا نہیں تو ان کو اس سے محبت کیوں تھی۔ تو یہ بیان بہت طویل ہوجاوے اسلئے میں بیان نہیں کرتا لیکن آگے دو مثالیں دیکر اُس سبب کی طرف اشارہ کردیا فرماتے ہیں کہ۔

گرچہ ایں کلک و قلم خود بیحس است　　　نیست جنس کاتب او را مونس است

یعنی اگرچہ یہ کلک اور قلم خود ایک بے حس ہے اور جنس کاتب نہیں ہے (لیکن) اسکا مونس ہے۔

ہمچنیں ہر آلت پیشہ ورے　　　ہست بیجاں مونس ہر جانورے

یعنی اسی طرح پیشہ ور کا ہر آلہ بیجان ہے (لیکن) ہر جاندار کا مونس ہے مطلب یہ کہ دیکھو قلم جو کہ بیجان ہے اور آلہ پیشہ ور جو کہ بیجان ہے لیکن اس سے جاندار ونکو یعنی کاتبونکو اور پیشہ وروں کو اُنس اور محبت ہوتی ہے۔ تو باوجود غیر جنس ہونیکے اُس سے تعلق اور محبت ہے تو بس اسمیں بھی کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کہ اُنکو باوجود غیر جنس ہونے کے اُس تخت سے اُنس اور محبت تھی یہاں مولانا نے سبب کی طرف بھی اشارہ فرما دیا۔ اور وہ یہ کہ آلات سے پیشہ ور کو یا قلم سے کاتب کو اُنس کیوں ہوتا ہے۔ اسی لئے کہ وہ اُسکے نفع کا سبب ہوتے ہیں اور اُن سے اسکو نفع ہوتا ہے۔ تو اس نفع کیوجہ سے اُنکو اُن چیزوں سے اُنس ہوتا ہے۔ تو اسطرح چونکہ حضرت بلقیس کیلئے یہ تخت نفع کا سبب تھا یعنی اُنکو اُس سے جاہ میسر ہوتی تھی۔ اور اس تخت ہی کی بدولت وہ بادشاہ کہلاتی تھیں۔ تو اس نفع کے فوت کے سبب سے اُنکو قلق ہوتا تھا۔ کہ یہ نفع جاتا رہیگا اور یہ جاہ مفقود ہوجاویگی۔ یہ سبب اُس تخت سے اُنس کا تھا۔

اور مبتدی کیلئے تو ایسا ہونا کہ اسکو کسی شئے سے باوجود حصول نسبت کے تعلق اور انس رہے کوئی تعجب کی بات ہی نہیں اسلئے کہ بعض منتہیوں کو بھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ کسی کو کپڑہ کا شوق ہے مثلاً کسی کو باغ ہی کا شوق ہے کسی کو پھولوں کا شوق ہے علی ہذا تو یہ بھی نقص کی علامت ہے کہ کیوں اتنا تعلق بھی غیر اللہ سے باقی ہے اور تعلق اسکو کہتے ہیں کہ ان چیزوں کا اہتمام کیا جاوے اور ان میں کچھ انہماک ہو کہ مثلاً کسی کو پھولوں کا شوق ہے تو اب انہیں بیج منگوائے جا رہے ہیں لوگوں سے فرمائشیں ہوتی ہیں یہ تو اہتمام ہے اور اگر کسی عمدہ شئے کو دیکھ کر دل خوش ہو تو یہ اس میں داخل نہیں اور اسکو تعلق مع غیر اللہ نہ کہا جاویگا۔ غرضکہ انکو اس تخت سے باوجود حصول نسبت مع اللہ کے تعلق باقی تھا آگے جب انکو اور ترقی ہوئی تو انکو اس سے بھی تعلق نہیں رہا لیکن پہلے پہلے ضرور اس سے تعلق تھا آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ایں سبب را من معین گفتمے ۔ گر نبودے چشم فہمت را نمے

یعنی میں اس سبب کو معین کر کے بتلا دیتا اگر تیری چشم فہم میں نم نہوتا۔ مطلب یہ کہ اگر تمہارے فہم میں کجی نہوتی تو میں اس تعلق مع السریر کو معین کر کے بیان کر دیتا اور بتلا دیتا۔ کہ یہ سبب تھا۔ مگر چونکہ تمہارا فہم درست نہیں۔ اسلئے ممکن ہو کہ کچھ اور سمجھ جاؤ لہذا میں نے اسکو نہیں بتلایا۔ اور وہ سبب یہ تھا کہ چونکہ انسان مظہر ہے صفات حق کا اور منجملہ صفات کے قدرت اور استیلاء اور غلبہ بھی ہے اور انسان اسکا بھی مظہر ہے تو انسان کا دل چاہا کرتا ہے۔ کہ اسکو بھی ہر شے پر غلبہ ہو اور ہر شے اسکے احاطۂ قدرت میں ہو جاوے حتی کہ یہ اول کسی شے پر غلبہ کی کوشش کرتا ہے اور جب اسپر قدرت اسکو نہیں ہوتی تو پھر صرف استیلاء علمی ہی کو غنیمت جانتا ہے۔ اور صرف اسکے علم ہو جانے ہی پر اکتفا کرتا ہے۔ کہ مثلاً ہمکو کلکتہ کا علم ہے بمبئی کا علم ہے علی ہذا اور یہ قطب شمالی وغیرہ کی تلاش بھی اسی کی فرع ہے کہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہم کو استیلاء علمی ہو جاوے۔ کہ یہ فخر ہوگا کہ ہمارا علم اسقدر چیزوں کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور اسکے جو اسباب ہوتے ہیں اس سے انسان کو محبت اور انس ہوتا ہے تو اسی طرح بلقیس کیلئے چونکہ تخت موجب جاہ اور سبب غلبہ تھا اسلئے انکو اس سے انس اور محبت تھی۔ خوب

سمجھ لو۔ اب یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب انکو اسقدر تعلق تھا تو اسکو ساتھ ہی رکھ لیا ہوتا۔ مولانا اسکا جواب دیتے ہیں کہ۔

از بزرگی تخت کز حد می فزود　　نقل کردن ہیچ نوع امکاں نبود

یعنی تخت کی بڑائی کی وجہ سے جو کہ حد سے بڑھی ہوئی تھی کسیطرح منتقل کرنا ممکن نہ تھا۔ مطلب یہ کہ وہ اسقدر بڑا تھا کہ اسکو کہیں اٹھا کر لیجانا ممکن ہی نہ تھا اب یہ شبہ ہوتا ہے کہ اسکے ٹکڑے کرکے لپیٹ کر ساتھ رکھ لیا جاتا تو اسکا جواب آگے دیتے ہیں کہ۔

خوردہ کاری بود تفریقش خطر　　ہمچو اوصال بدن با یکدگر

یعنی میناکاری ایسی تھی کہ اسکا جدا کرنا خطرناک تھا جیسی کہ بدن کے جوڑ ایک دوسرے کے ساتھ مطلب یہ کہ جسطرح کہ انسان کے بدن کے جوڑ ہیں کہ انکو ایک دوسرے سے الگ نہیں کر سکتے ہیں اور اگر کریں تو انسان نہ رہے اسی طرح اس تخت میں میناکاری اس طرح ہو رہی تھی کہ اگر اسکو الگ الگ کرکے طے کیا جاتا تو وہ خراب ہو جاتا۔ لہذا اسکو لپیٹ کر بھی ساتھ رکھنا ممکن نہ تھا۔

پس سلیماں گفت گرچہ فی الاخیر　　سرد خواہد شد برو تاج و سریر

یعنی پس سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اگرچہ اخیر میں اسپر تاج و تخت (سب) سرد ہو جاویگا (جزا اس اگرچہ کی تین شعر بعد شعر ٭ لیک خود با این ہمہ الخ ہے اور بیچ میں مولانا بطور جملہ معترضہ کے ایک مضمون فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اخیر میں جب انکو حلاوت ایمان پوری میسر ہو جاویگی اسوقت تو انکا دل تخت وغیرہ سے سب سے پھر جاویگا۔ اور سب چیزیں ہیچ معلوم ہونگی۔ لیکن اسوقت خیر انکی خاطر سے اس تخت کو منگا دیا جاوے تاکہ ایمان لانیکے وقت انکے دل میں کسی شے کے فوت ہو جانیکا افسوس نہو اور ایمان بالکل پختہ ہو کہ انکو کوئی شے مخل نہو۔ ورنہ شاید یہ خیال ہو کہ افسوس ایمان لانے سے تخت چھوٹ گیا۔ تو انکی اس مصلحت پر نظر کرکے تخت کے منگانیکی تجویز فرمائی یہ مطلب اس شعر کیساتھ ملاکر سمجھا دیا گیا تاکہ آسانی ہو اب اس جملہ معترضہ کو سمجھ لو) فرماتے ہیں کہ۔

چوں ز وحدت جاں برون آید دگر　　جسم را نبود فراوا نبود فرے

یعنی جب وحدت سے کوئی جان سر باہر نکالے تو جسم کو اسکے فرکیساتھ کوئی فرق نہوگا۔ مطلب یہ کہ جب کسی پر وحدت کا غلبہ ہوگا اور کوئی شخص وحدت میں سے سر نکالیگا اور اسپر توحید کا غلبہ ہوگا تو اسکو عزت روحانی کے مقابلہ میں عزت جسمانی کی کوئی پرواہ نہ رہے گی۔ آگے اسکی مثال دیتے ہیں کہ۔

چوں برآید گوہر از قعر بحار　　ننگری اندر کف وخاشاک وخار

یعنی جب دریا کے قعر میں سے موتی نکل آوے تو تم جھاگ میں اور خاشاک وخار میں نظر نکروگے۔ مطلب یہ کہ دیکھو اگر تم موتی کی تلاش میں غوطہ لگاؤ تو دریا کے اندر جانے سے تمھارے ہاتھ میں کبھی کف دریا آجاویگا اور کبھی خاشاک وخار آجاویگا اور تم اسی کو دریا سے نکالکر باہر لاؤ گے لیکن یہ جب ہی تک ہے جب تک موتی نہیں ملا۔ اور جب موتی ملگیا تو پھر ان خس وخاشاک میں کبھی بھی نظر نکروگے۔ بلکہ موتی کو لیکر گھر کا راستہ لوگے۔ اسی طرح جب تک توحید کا غلبہ جان پر نہیں ہوا ہے اسی وقت تک جسم کی آرایش میں ہو اور جسم سے تعلق ہے۔ اور جب اسکا غلبہ ہوجاویگا پھر اس جسم کو کون پوچھے گا۔ آگے دوسری مثال دیتے ہیں کہ۔

سر برآرد آفتاب باشرر　　دم عقرب را کہ سازد مستقر

یعنی آفتاب باشرر (جب) سر نکالے تو عقرب (ستارہ) کی دم کو کون مستقر بنا دے گا مطلب یہ کہ عقرب جو ستارہ ہے اول تورات کے وقت لوگ اسی کی چمک کو دیکھ رہے تھے۔ اور اسی کو بہت بڑی شے سمجھ رہے تھے۔ لیکن جب آفتاب عالمتاب نکل آیا پھر اس بیچارہ عقرب کو کون پوچھتا ہے اسی طرح بعد غلبۂ توحید کے اس جسم کی طرف بالکل التفات نہیں رہتا۔ تو اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اگرچہ اخیر میں غلبۂ توحید کے وقت انکو اتنا بھی تعلق نہ رہے گا لیکن۔

لیک خود با اینہمہ در نقد حال　　جست باید تخت او را انتقال

یعنی لیکن باوجود اس سب کے اسی وقت اسکے تخت کے منتقل کرنے کی تدبیر کرنی چاہیئے،

تانگردد خستہ ہنگام لقا　　کودکانہ حاجتش گردد روا

یعنی تاکہ ملاقات کے وقت وہ خستہ نہو۔ اور بچونکی سی اُسکی حاجت روائی ہوجاوے
مطلب یہ کہ جسطرح کہ بچوں کی ضدیں پوری کیا کرتے ہیں اسی طرح اُسکی حاجت روائی
بھی ہوجاوے۔

ہست بر ما سہل و او را بس عزیز　　تا بود بر خوان حوران دیو نیز

یعنی ہمارے اوپر تو ایک حقیر شے ہے اور اُسکے لئے بہت محبوب ہے۔ تاکہ حوروں کے خوان پر
ایک دیو بھی ہو۔ مطلب یہ کہ اگرچہ تخت ہمارے نزدیک تو بالکل حقیر ہے ہی مگر اُسکو محبوب ہے
تو اُسکی مہمانی میں جو ہم اُسکو دولت باطنی جو کہ حوروں کی طرح ہے دینگے۔ تو خیر اُس کیلئے اُسکا
تخت بھی جو دولت ظاہری ہے اور دیو کی طرح ہے وہ بھی اُسکو دیدیں گے حوروں کی ساتھ ایک
شیطان بھی سہی اس سے فی الحال تو یہ فائدہ ہوگا کہ ایمان لانے کے وقت اُسکو کوئی افسوس
اپنے ایمان لانے پر نہوگا۔ اور ایک فائدہ آئندہ کیلئے یہ ہوگا کہ

عبرت جانش بود آں تخت باز　　ہمچو دلق و چارقے پیش ایاز

یعنی پھر وہ تخت اُسکی جان کیلئے عبرت ہوگا جیسے کہ گدڑی اور جوتیاں ایاز کے آگے،
مطلب یہ کہ جسطرح کہ ایاز نے اپنی جوتیاں اور گدڑی جو کہ اول دفعہ وہ پہن کر محمود غزنوی
کے سامنے آیا تھا رکھ رکھی تھیں اور اُنکو دیکھ دیکھ کر روزمرہ کہا کرتا تھا کہ ای نفس تو تو
وہ ہے جو کہ اس گدڑی کو پہنے ہوئے تھا اور یہ جوتیاں تیرے پاؤں میں تھیں آج جو یہ دولت
اور مال اور عزت و حرمت تجھے نصیب ہوا ہے یہ سب محمود کا طفیل ہے دیکھ نمکحرامی مت
کرنا۔ دیکھ بیوفائی غداری مت کرنا۔ تو وہ جوتیاں اور گدڑی اُسکے لئے عبرت ہوگئی تھیں
اسی طرح اس بلقیس کو جب دولت باطنی ملیگی تو اس تخت سے یہ نفع ہوگا کہ یہ اسکو دیکھیگی
اور کہے گی کہ اے نفس تو تو ایسا تھا کہ اس تخت پر ریجھا کرتا تھا اور اسپر جان دے دیتا تھا
آج جو تجھے یہ نعمت ملی ہے یہ سب فضل حق ہے اُسکا شکر یہ ادا کر اُسکی اطاعت کر نمکحرامی
مت کر۔ تو اس تخت کے منگانے سے بعد میں یہ نفع ہوگا۔ غرضکہ اُس تخت کے منگالینے میں
ہر طرح بلقیس کا دینی فائدہ ہے کہ اب تو اسکو ایمان پر افسوس نہوگا اور بعد ایمان اور
حصول دولت باطنی کے یہ فائدہ ہوگا کہ۔

تا بداند در چہ بود آں مبتلا ۔ از کجاہا در رسید او تا کجا

یعنی تاکہ وہ جان لے کہ وہ کس چیز میں مبتلا تھی اور کہاں سے وہ کہاں تک پہونچ گئی (تو اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ اپنی اصلیت اسکے پیش نظر رہیگی) آگے مولانا اخیر سرخی تک اس مضمون کو بیان فرماتے ہیں کہ اسی طرح حق تعالیٰ نے انسان کی اصل یعنی نطفہ کو اور آب و گل کو سب کو اسکے سامنے رکھاہے کہ یہ دیکھے کہ میری یہ اصل تھی اور پھر اسکو عبرت ہو۔ کہ میں کیا تھا اور کیا ہوگیا۔ تو اس سب کو فضل رب سمجھ کر انکار حق نہ کرے فرماتے ہیں کہ۔

خاک را و نطفہ را و مضغہ را ۔ پیش چشم ما ہمی دارد خدا

یعنی خاک کو اور نطفہ کو اور مضغہ کو ہماری آنکھ کے سامنے اسی لئے حق تعالیٰ رکھتے ہیں،

از کجا آوردمت اے بدنیت ۔ کہ ازاں آید ہمی خفریقیت

یعنی کہ اے بدنیت میں تجھے کہاں سے لایا ہوں کہ تجھے اس سے شرم معلوم ہوتی ہے،

تو بداں عاشق بدی در دور آں ۔ منکر ایں فضل بودی آں زماں

یعنی اُس زمانہ میں اُس (حالت) کا عاشق تھا اور (بزبان حال) اس فضل کا اسوقت منکر تھا۔

ایں کرم چوں دفع آں انکار تست ۔ کہ میاں خاک میگردی نخست

یعنی یہ کرم جب اُس انکار کا دفع ہے چونکہ تو خاک کے درمیان (ہونے کی حالت میں) پہلے کہا کرتا تھا۔

حجت انکار شد انشار تو ۔ از دوا بدتر شد ایں بیمار تو

یعنی تیرا زندہ کرنا انکار کی حجت ہوگیا اور دوا سے تیرا یہ بیمار بدتر ہوگیا۔ (ورنہ) ۔

خاک را تصویر ایں کار از کجا ۔ نطفہ را خصمے و انکار از کجا

یعنی خاک کو اس کام کی تصویر کہاں سے آئی۔ اور نطفہ میں جھگڑا کرنا اور انکار کہاں سے آیا۔

چوں دراں دم بیدل و بے سر بدی ۔ فکرت و انکار را منکر بدی

یعنی جیسا کہ اُس دم تو بے دل اور بے سر کے تھا اور فکر اور انکار کا تو منکر تھا۔

از جمادی چونکہ انکارت برست ۔ ہم ازیں انکار حشرت شد درست

یعنی جمادی سے جبکہ تیرا انکار پیدا ہوا تو اسی انکار سے تیرا حشر درست ہوگیا مطلب یہ ہے کہ دیکھو حق تعالیٰ نے نطفہ کو اور مضغہ وغیرہ کو جس سے کہ ترکیب انسان ہوئی ہے انسان کی

آنکھوں کے سامنے رکھا ہے تاکہ یہ ان اشیاء کو دیکھے کہ میری اصل یہ ہے جسکو دیکھ کر بھی
اب شرم آتی ہے۔ اور اب جو یہ فضل ہوا ہے کہ نطفہ سے انسان بنگیا اور اب دگل سے
ایک عاقل بنگیا۔ اسکا بھی تو بزبان حال اسوقت انکار تھا بلکہ اس انکار کا بھی جو کہ ایک
فعل ہے انکار تھا اسلئے کہ اسوقت تو جو حالت تھی اسی کو غنیمت جانتے تھے اور اسی میں
محو تھے۔ لیکن پھر جو تمنے ترقی کی اور جس انکار کا کہ انکار تھا وہ پیدا ہوا تو اس انکار کے
پیدا ہونے سے تم جھوٹے ہوگئے اور ثابت ہوگیا کہ تمھارا وہ انکار بالکل غلط اور بیہودہ تھا
کہ اس انکار کے زندہ ہونے سے اور وجود میں آنے سے ہی وہ انکار غلط ہوگیا۔ تو اب تمھارا
انکار حشر کہ کہتے ہو کہ بھلا اب مرنے کے بعد کسطرح زندہ ہونگے اس حیات سے باطل ہوجاویگا
اور تمھاری یہ حیات ثابت کر رہی ہے کہ تمھارا انکار حشر غلط ہے۔ اسلئے کہ تم نے جو اول
اس حیات کا انکار کیا تھا بلکہ اس انکار کا بھی جو کہ اسوقت کر رہے ہو انکار کیا تھا کیونکہ یہ
بھی تو شعبہ ہے حیات کا اور وہ سب غلط ہوا تو ثابت ہوگیا کہ تمھارا اس حیات خردی
کا انکار بھی جو تم اس حالتمیں کر رہے ہو غلط ہے کیونکہ تمھارا انکار ہی اس پہلے انکار کو غلط کر رہا
ہے کہ تم اس فعل انکار کا انکار کرتے تھے۔ تو اسی طرح یہ انکار حشر ہی خود اقرار حشر ہے۔ اور
اسی سے حشر ثابت ہوتا ہے خوب سمجھ لو۔ آگے اسکی مثال دیتے ہیں۔

پس مثال تو چو آن حلقہ زنیست ۔۔۔ کز درونش خواجہ گوید خواجہ نیست

یعنی بس تیری مثال ایسی ہے جیسے کہ کوئی حلقہ زن ہو کہ اسکو خواجہ کہدے کہ خواجہ نہیں ہے

حلقہ زن زین نیست دریابد کہ ہست ۔۔۔ پس ز حلقہ بر ندارد ہیچ دست

یعنی کنڈی بجانے والا اس نیست ہی سے سمجھ لیگا کہ ہے تو کنڈی سے بالکل ہاتھ نہ اٹھاویگا
مطلب یہ کہ تمھارے اس انکار کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کہ ایک شخص نے کسی کو پکارنے
کیلئے دروازہ پر کنڈی بجائی کہ میاں فلاں صاحب ہیں تو وہ فلاں ہی فرماتے ہیں کہ
میں تو ہوں نہیں تو انکا یہ کہنا کہ میں نہیں ہوں خود اقرار ہے اس امر کا کہ میں ہوں۔ تو
دیکھئے ہے انکار لیکن یہ انکار ہی اقرار ہے۔ تو اسی طرح انسان کا انکار بھی خود اقرار ہے
کیونکہ یہ انکار بھی تو جب ہی پیدا ہوا ہے جبکہ وہ انکار غلط ہو چکا ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ

پس ہم انکارت مبین می کند | کز جماد او حشر صد فن میکند

یعنی بس تیرا انکار ہی ظاہر کر رہا ہے کہ جماد سے وہ سو طرح حشر کرتا ہے۔

چند صنعت رفت ای انکار تا | آب و گل انکار زاد از ہل اتی

یعنی اے شخص کسقدر صنعتیں ہو چکی ہیں تو انکار کب تک ہوگا۔ اور آب و گل سے انکار آب و گل پیدا ہوا (ہل اتی سے مراد پورا مضمون یعنی وہ حالت جو ہل اتی میں مذکور ہی) مطلب یہ کہ تمھارا یہ انکار ہی بتلا رہا ہے کہ حق تعالی کو سیکڑوں طرح پیدا فرمانے کی قدرت ہے۔ کیونکہ کسقدر صنعتیں ہوئی ہیں تب یہ انکار پیدا ہوا ہے۔ تو اب کہاں تک انکار کروگے۔ تمھارا خود یہ انکار اقرار ہے۔ اور اسی سے حشر ثابت ہوتا ہے۔

آب و گل میگفت خود انکار نیست | بانگ میزد بیخبر کاخبار نیست

یعنی آب و گل کہہ رہا تھا کہ (فعل) انکار نہیں ہے اور بے خبر آواز دے رہا تھا کہ (فعل) خبر دینا نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ آب و گل کی حالت یہ کہہ رہی تھی کہ انکار و اخبار جو کہ شعبے ہیں حیات کے یہ سب نہیں ہیں اور انکا وجود نہیں ہے لیکن ہر وجود انکار ہی اقرار ہو گیا اور وہ انکار غلط ہو گیا خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

من بگویم شرح این را صد طریق | لیک خاطر لغزد از گفت دقیق

یعنی میں اسکی شرح سو طریق سے کہتا لیکن دل باریک بات کے کہنے سے لغزش کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ میں اسکی بہت سے طریق پیش کرتا کہ خود انکار ہی اقرار ہے لیکن باریک باتوں کے کہنے سے جی ڈرتا ہے کہ کہیں گمراہی نہ پھیلے اسلئے ان مثالوں میں ایک مثال یہ بھی ہوتی کہ دیکھو یہ بت پرست جو بت پرستی کرتے ہیں تو اصل میں بت پرستی نہیں کرتے بلکہ خدا پرستی ہی کرتے ہیں کیونکہ جو امور کہ یہ بتوں میں ثابت کرتے ہیں وہ اصل میں اور حقیقت میں بتوں میں نہیں ہیں بلکہ خدا تعالی میں ہیں تو انکا یہ کہنا کہ ہم ان بتوں کی عبادت اس صفت کی وجہ سے کرتے ہیں اصل میں یہ کہنا ہے کہ ہم حق تعالی کی عبادت کرتے ہیں اسلئے جب وہ اس صفت کی وجہ سے عبادت کرتے ہیں اور وہ صفت ہے حق تعالی میں تو عبادت حق تعالی ہی کی کرتے ہیں تو انکا عبادت حق سے انکار خود اقرار ہے۔ لیکن اس سے کوئی کج فہم بت پرستوں کو حق پر نہ سمجھے

اور اُنکو خدا پرست نہ سمجھے اس لئے کہ یہاں تو اُنکے فعل سے حق پرستی لازم آگئی اُنھوں نے تو حق پرستی کا التزام نہیں کیا۔ بلکہ اُن کے فعل سے حق پرستی لازم آگئی تو انسان پر جو لازم آجاوے معتبر نہیں ہے بلکہ وہ ایمان معتبر ہے جسکا التزام خود فاعل نے کیا ہو۔ اسلئے فرماتے ہیں کہ بس زیادہ نہیں کہتا شاید لوگ گمراہ ہوجاویں آگے فرماتے ہیں کہ۔

شرح آن ز الب بربستم اے کیا　　　بھر نقل تخت بلقیس از سبا

یعنی اے زیرک میں نے اسکی شرح سے لب کو بلقیس کا تخت سبا سے منتقل کرنے کیلئے بند کرلیا یعنی اب اسکا قصہ بیان کرتا ہوں۔ اور اسکی شرح کو چھوڑتا ہوں آگے بیان نہیں کرتا۔ آگے اُس تخت کے منگانے کا قصہ ہے۔

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کے تخت کو سبا سے منگانے کی تدبیر کرنا

پس سلیمان گفت با لشکر عیاں　　　تخت او را حاضر آرید این زماں

یعنی پس سلیمان علیہ السلام نے لشکر سے عیاناً فرمایا کہ اُس (بلقیس) کے تخت کو اسی وقت حاضر لاؤ۔

گفت عفریتے کہ تختش را بفن　　　حاضر آرم تا تو زیں مجلس شدن

یعنی ایک زبردست جن نے کہا کہ اسکے تخت کو فن کے ذریعہ سے میں آپکے اس مجلس سے اٹھنے تک حاضر لاؤنگا یعنی اُس نے کہا کہ میں جادو کے ذریعہ سے آپ کے اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے تخت کو حاضر کردونگا۔

گفت آصف من باسم اعظمش　　　حاضر آرم پیش تو در یکدمش

یعنی آصف (وزیر حضرت سلیمان علیہ السلام) نے کہا کہ میں اسکو اسم اعظم کے ذریعہ سے آپکے سامنے ایک دم میں لاتا ہوں۔

گرچہ عفریت اوستاد سحر بود　　　لیک آں از نفخ آصف رو نمود

یعنی اگرچہ وہ عفریت جادو میں اُستاد تھا لیکن وہ تخت آصف کی پھونک سے ظاہر ہوا۔

حاضر آمد تخت بلقیس آں زماں　　　لیک ز آصف نز فن عفریتیاں

یعنی بلقیس کا تخت اسی وقت حاضر ہو گیا۔ لیکن آصف کی وجہ سے نہ کہ جنون کے فن کی وجہ سے

گفت حمد اللہ برین و صد چنین   کہ بدیدستم ز رب العالمین

یعنی سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا کا شکر ہے اسپر اور ایسی سیکڑوں (اُن نعمتوں) پر جو کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دیکھی ہیں۔

پس نظر کرد آن سلیمان سوئے تخت   گفت آرے گول گیری ای درخت

یعنی پھر سلیمان علیہ السلام نے اُس تخت کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ ہاں اسے درخت تجھ بیوقوفوں کا گرفتار کرنے والا ہے (چونکہ وہ تخت لکڑی ہی کا تھا اسلئے اُسکو درخت کہدیا۔ مطلب یہ تھا کہ تو ہی ہے کہ بہتیرے اندر پھنس گرا اور تجھے محبت کر کے بیوقوفان دنیا حق تعالیٰ سے غافل ہو جاتے ہیں) آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

پیش چوب و پیش سنگ نقش کند   ای بسا گولان کہ سرہا می نہند

یعنی لکڑی اور پتھروں منقش کے آگے بہت سے بیوقوف ایسے ہیں کہ سر رکھتے ہیں یعنی اُنکی عبادت کرتے ہیں۔

ساجد و مسجود از جان بیخبر   دیدہ از جان جنبشے واندک اثر

یعنی ساجد و مسجود (دونوں) جان (حقیقی حق تعالیٰ) سے بیخبر ہیں جان (روح) کا کچھ اثر اور ایک جنبش دیکھی ہے۔ مطلب یہ کہ جن پتھروں اور درختوں وغیرہ کی عبادت کرتے ہیں اُن میں اپنے خیال کے مطابق کچھ جان کا اثر دیکھا کہ مثلاً انھوں نے باتیں کی یا کوئی جنبش کی بس اس پر لٹو ہو گئے۔ اور اُس جان حقیقی حق تعالیٰ سے غافل ہو گئے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

دیدہ در وقتیکہ شد حیران و دنگ   کہ سخن گفت و اشارت کرد سنگ

یعنی ایک ایسے وقتمیں دیکھا جبکہ وہ حیران اور دنگ ہو گیا کہ پتھر نے بات کی اور اشارہ کیا مطلب یہ کہ اگر کوئی بات کبھی کبھار معلوم ہوئی کہ مثلاً کوئی شیطان پتھر میں سے بول پڑا۔ یا اُس نے کچھ اشارہ کر دیا تو بس یہ اُسپر لٹو ہو گئے اور سمجھے کہ بس یہی سب کچھ ہے۔

نرد خدمت را چو نا موضع بباخت   شیر سنگی را شقی شیرے شناخت

یعنی خدمت کی نرد کو جب بے جگہ کھیلا تو کمبخت نے سنگی کو شیر سمجھ گیا۔

از کرم شیر حقیقی کرد جود — استخوانے سوئے سگ انداخت زود

یعنی کرم کی وجہ سے شیر حقیقی نے بخشش فرمائی اور ایک ہڈی جلدی سے کتے کیطرف ڈالدی

گفت گرچہ نیست آں سگ ہم قوام — لیک مارا استخواں لطفیست عام

یعنی فرمایا کہ اگرچہ وہ کتا راہ راست پر نہیں ہے لیکن ہمارے لئے تو ہڈی دینا ایک لطف عام ہے مطلب یہ کہ جب اس نے عبادت کو اسکے غیر محل میں استعمال کیا اور سر دوسرے کے آگے جھکا دیا۔ تو اسکا یہ وبال ہوا کہ اسکی آنکھیں حقیقت سے اندھی ہوگئیں اور وہ اس غیر محل ہی میں لگا رہا۔ اور حقیقت سے غافل رہا۔ اسکی ایسی مثال ہوگئی کہ جیسے ایک اصلی شیر بہت سی ہڈیاں اور گوشت لئے بیٹھا ہے۔ اور تقسیم کر رہا ہے اور سامنے ہی دیوار پر ایک شیر کی تصویر بن رہی ہے۔ سب آتے ہیں اور اس شیر اصلی کے پاس سے ہڈی یا گوشت لیجاتے ہیں لیکن ایک کتا آیا اور وہ اس شیر کی تصویر کو شیر اصلی سمجھ کر اسکی خوشامد کرنے لگا اور اس سے خوراک مانگنے لگا جب شیر اصلی نے اسکو اسطرح دیکھا تو اس نے ایک ہڈی اسکی طرف بھی پھینک دی کہ خیر ہمارا لطف تو عام ہے اگرچہ یہ اسطرف متوجہ ہے لیکن ہم تو اپنے لطف کو بند نکریں ہم تو اسکو روزی دے ہی دیں مگر بیوقوف کتا یہ سمجھا کہ یہ ہڈی اس تصویر نے دی ہے یہ سمجھکر اور بھی اسکی خوشامد میں لگ گیا۔ پس اسی طرح حق تعالے سے تمام عالم کو ہر طرح کا فیض ہو رہا ہے اور تمام عالم کو ہر شے اسی سے ملتی ہے لیکن بیوقوف مشرک نے کسی پتھر وغیرہ میں سے کوئی آواز سن لی یا اور کوئی بات دیکھ لی جو کہ کسی شیطان کا تصرف تھا۔ بس یہ اس بت ہی کا ہو رہا۔ اور اسی میں لگ گیا اور ساری حاجات اسی سے مانگنے لگا جب فیاض حقیقی یعنی حق تعالیٰ نے اسکو اسطرف متوجہ دیکھا تو اس نے جو حاجت مانگی وہ اسکی پوری کر دی۔ تاکہ اس کمبخت کو مدت العمر اس طرف آنا ہی نصیب نہو بقول شخصے
ع بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی۔ لیکن یہاں در رنج بت پرستی مناسب ہے غرضکہ اس نے سمجھا کہ یہ شے اس بت نے دی ہے اور اس نے یہ سمجھکر خوب اسی کی پرستش شروع کر دی اور معبود حقیقی سے اعراض کیا۔ حالانکہ وہ تصرف بت کا عارضی اور شیطانی دھندا تھا۔ جیسا کہ اظہر من الشمس ہے۔ کمبخت نے اسقدر قدرت عامہ کو تو دیکھا نہیں کہ تمام عالم کس نے بنایا

کس نے یہ ساری نعمتیں دی ہیں پس آمیں ایک عجیب شے دیکھکر اسمیں لگ گیا نعوذ باللہ منہ آگے حضرت حلیمہؓ کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس سے زمانہ بچپن میں گم ہوگئے تھے اور وہ پریشان تھیں تو اسوقت ایک بوڑھا شخص آیا اور انکو عزی بت کے پاس لیگیا کہ اُنکا پتہ بتلادیگا اور اکثر وہ اسطرح بتلادیا کرتا تھا تو یہ تصرف شیطانی تھا کہ وہ بت بولتا تھا۔ اوپر سے اس حکایت کو یہی ربط ہے کہ دیکھو اس حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بت کچھ حرکت وغیرہ کرتے تھے۔ اور اُن میں سے آوازیں وغیرہ آتی تھیں جسکی وجہ سے وہ لوگ اُن کے معتقد تھے۔ اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

حضرت حلیمہ سعدیہؓ کا بتوں سے مدد چاہنے کا قصہ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد دودھ چھڑانے کے گم کیا تھا اور بتوں کا کانپنا اور سجدہ میں حضور کا نام سُنکر گر پڑنا ❖

قصۂ راز حلیمہ گویمت
تا زداید داستان او غمت

مصطفےٰ را چوں ز شیر او باز کرد
بر کفش برداشت چوں ریحان و ورد

می گریزانیدش از ہر نیک و بد
تا سپارد آں شہنشہ را بجد

چوں ہمی آورد امانت را زبیم
شد بکعبہ و آمد او اندر حطیم

از ہوا بشنید بانگے کاے حطیم
یافت بر تو آفتابے بس عظیم

اے حطیم امروز آید بر تو زود
صد ہزاراں نور از خورشید جود

اے حلیمہ امروز آرد در تو رخت   محتشم شاہے کہ پیک اوست بخت

اے حلیمہ امروز بیشک از نوی   منزل جانہائے بالا می شوی

جاں پاکاں طُلّب و طلب جوق و جوق   آیدت از ہر نواحے مست شوق

گشتہ حیراں آں حلیمہ زاں صدا   نے کسے در پیش و نے سوے قفا

شش جہت خالی ز صورت وین ندا   شد پیاپے آں ندا را جاں فدا

مصطفٰی را بر زمین بنہاد او   تا کند آں بانگ خوش را جستجو

چشم می انداخت آں دم سو بسو   کہ کجا ہست آں شہ اسرار گو

کایں چنیں بانگ بلند از چپ و راست   می رسد یارب رسانندہ کجاست

چوں ندید او خیرہ و نومید شد   جسم لرزاں ہمچو شاخ بید شد

باز آمد سوئے آں طفل رشید   مصطفٰی را بر مکاں خود ندید

حیرت اندر حیرت آمد بر دلش   گشت بس تاریک از غم منزلش

سوئے منزلہا دوید و بانگ داشت   کہ کہ بر دردانہ ام غارت گماشت

مکیاں گفتند ما را علم نیست   ما ندانستیم کانجا کودکیست

ریخت چنداں اشک کرد از پس فغاں   کہ ازو گریاں شدند آں دیگراں

سینہ کوباں آنچناں بگریست خوش   کاختراں گریاں شدند از گریہ اش

حکایت اس بڑھیہ کی کہ جس نے حضرت حلیمہؓ کو بتوں سے مدد چاہنے کیلئے ہدایت کی

پیر مردے پیشش آمد با عصا   کاے حلیمہ چہ فتاد آخر ترا

کہ چنین آتش ز دل افروختی — وین جگرہا را ز ماتم سوختی

گفت احمد را رضیعم معتمد — پس بیاوردم کہ بسپارم بجد

چون رسیدم در حطیم آوازہا — می رسید و می شنیدم از ہوا

من چو آن الحان شنیدم از ہوا — طفل را بنہادم آنجا زان صدا

تا بہ بینم این ندا آواز کیست — کہ ندائی بس لطیف و بس شہی است

نز کسے دیدم بگرد خود نشان — نہ ندا می منقطع شد یکزمان

چونکہ واگشتم ز حیرتہائے دل — طفل را آنجا ندیدم وائے دل

گفتمش اے فرزند تو اندہ مدار — کہ نمایم مر ترا یک شہریار

کہ بگوید گر بخواہد حال طفل — او بداند منزل و تر حال طفل

پس حلیمہ گفت اے جانم فدا — مر ترا اے شیخ خوب خوش لقا

ہین مرا بنمائے آن شاہ نظر — کش بود از حال طفل من خبر

برد او را پیش عزیٰ کاین صنم — ہست در اخبار غیبی مغتنم

ما ہزاران گم شدہ زو یافتیم — چون بخدمت سوئے او بشتافتیم

پیر کرد او را سجود و گفت زود — ائے خداوند عرب وائے بحر جود

گفت اے عزیٰ تو بس اکرامہا — کردۂ تا رستہ ایم از دامہا

بر عرب حق ست از اکرام تو — فرض گشتہ تا عرب شد رام تو

این حلیمہ سعدے از امید تو — آمد اندر ظل شاخ بید تو

کہ ازو فرزند طفلے گم شدہ است — نام آن کودک محمدؐ آمدہ است

چون محمد گفت آں جملہ بتاں — سرنگوں گشتند ساجد آں زماں

کہ برو اے پیر اینچہ جستجو است — آں محمد را کہ عزل ما درو ست

ما نگوں و سنگسار آئیم ازو — ما کساد و بے عیار آئیم ازو

آں خیالاتے کہ دیدندے زما — وقت فترت گاہ گاہ اہل ہوا

گم شود چوں بارگاہ او رسید — آب آمد مر تیمم را درید

دور شو اے پیر فتنہ کم فروز — ہیں ز رشک احمدی ما را مسوز

دور شو بہر خدا اے پیر تو — تا نسوزے ز آتش تقدیر تو

اینچہ دم اژدہا افشردن است — ہیچ دانے چہ خبر آوردن است

زیں خبر خوں شد دل دریا و کاں — زیں خبر لرزاں شود ہفت آسماں

اب ہم حلیمہ سعدیہ دایۂ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس راز کا واقعہ بیان کرتے ہیں جو اُن پر منکشف ہوا تھا تاکہ اسکے بیان سے تمھارا رنج وغم دور ہو۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ جب انھوں نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دودھ چھڑایا تو واقعہ شق صدر سے خوف زدہ ہوکر ہر وقت انکو ریحاں وگلاب کی طرح ہتیلی پر رکھنے لگیں یعنی پیش نظر رکھا کرتی تھیں تاکہ کوئی اور حادثہ پیش نہ آجاوے۔ اور ہر بھلائی برائی سے انہیں بچاتی تھیں۔ (مبالغہ ہے کمال حفاظت میں) تاکہ صحیح وسالم انکو انکے جد امجد کو سونپ دیں پس جبکہ انپر خوف ضرر غالب ہوا اور وہ انکو اس اندیشۂ ضرر سے کعبہ میں لائیں اور حطیم میں داخل ہوئیں تو ہوا میں سے انھوں نے یہ ندا سنی اے حطیم آج تجھپر ایک جلیل القدر آفتاب طلوع ہوا ہے۔ اور اے حطیم آج تجھپر اس خورشید سخا کی جانب سے ہزاروں انوار برکات فائض ہونگے اور اے حطیم آج تجھمیں ایسے باحشمت بادشاہ نے نزول اجلال فرمایا ہے جنکا قاصد تیری جانب خوش اقبالی ہے یعنی وہ اپنے نزول اجلال سے پہلے تیری جانب خوش اقبالی کو پہونچ چکے ہیں اور تجھے خوش اقبال و نصیبہ ور

کر چکے ہیں۔ اور اسے حطیم آج نئے سرے سے تو منزل ملائکہ رحمت بنے گی۔ اور آج ارواح طیبہ (ملائکہ) جماعت در جماعت وگروہ در گروہ مست شوق ہوکر ہر طرف سے تیری طرف آئیں گی۔ اس ندا کو سنکر حلیمہ حیران ہوگئی کیونکہ نہ کوئی آگے دکھلائی دیتا تھا اور نہ پیچھے غرضکہ جہات ستہ میں بولنے والے کی صورت نہ دکھلائی دیتی تھی۔ مگر یہ آواز اسیر جانہائے مشتاقان قربان ہوں۔ برابر آرہی تھی انھوں نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو زمین پر بٹھلا دیا۔ تاکہ اس اچھی آواز کو تلاش کریں کہ یہ کسکی آواز ہے اور کہاں سے آرہی ہے پس وہ بٹھلا کر تلاشتیں گئیں۔ اور ہر طرف نظریں دوڑاتی تھیں۔ تاکہ معلوم ہو کہ یہ اسرار بیان کرنے والا کہاں ہے۔ اور متحیر ہو کر دل میں کہتی تھیں کہ دائیں بائیں سے اسقدر بلند آوازیں آرہی ہیں مگر اے اللہ انکا پہونچانے والا کہاں ہے۔ الغرض جب انھوں نے بولنے والے کو نہ دیکھا تو بہت پریشاں ہوگئیں اور ان پر مایوسی طاری ہوگئی۔ اور ہیبت سے جسم بید کی طرح کانپنے لگا بالآخر وہ اس مہتدی بچہ کی طرف لوٹیں مگر انکو اسجگہ نہ پایا جہاں انکو بٹھلایا تھا۔ اس سے انکو اور بھی تحیر ہوا اور مارے غم کے وہ مقام انکی نظر میں تاریک ہوگیا۔ وہ گھر گھر تلاش کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ میرا موتی کس نے لوٹ لیا۔ اور میرا بچہ کس نے اٹھالیا۔ مگر اہل مکہ نے کہا کہ ہم کو کچھ خبر نہیں اور ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ جہاں تو بتلاتی ہے وہاں کوئی لڑکا تھا۔ یہ جواب سنکر بہت روئیں۔ اور بہت کچھ آہ وزاری کی کہ ان کے رونے کو دیکھکر اور لوگ بھی رو پڑے۔ اور غم سے چھاتی کوٹتے ہوئے اسقدر روئیں کہ انکے رونے سے ستارے بھی رونے لگے (مبالغہ ہے حقیقت مقصود نہیں) آخرش ایک بڈھا لاٹھی لئے ہوئے انکے سامنے آیا۔ اور کہا کہ اے حلیمہ بتا تو سہی تجھپر کیا مصیبت پڑی کہ تو نے اپنے دل کی آتش غم کو اسقدر مشتعل کیا ہے۔ اور دوسروں کے کلیجوں کو شوروشیون سے جلا ڈالا ہے انھوں نے کہا کہ میں محمدؐ کی معتمد دایہ ہوں اور میں انکو اسلئے لائی تھی کہ ان کے دادا کو سونپ دوں جب میں حطیم میں پہونچتی ہوں۔ تو غیب سے آوازیں آنے لگیں اور میں انکو سنتی تھی جب میں نے غیب سے وہ آوازیں سنیں تو انکی وجہ سے میں نے اس بچہ کو بٹھلا دیا۔ تاکہ میں دیکھوں کہ کسکی آواز ہے کیونکہ یہ تو بہت ہی پاکیزہ اور مرغوب ہے مگر میں نے نہ تو کسی کو اپنے آس پاس دیکھا اور نہ آواز ہی بند ہوئی اسلئے

ہیں متحیر ہو کر لوٹ آئی جب لوٹی ہوں تو میں نے بچہ کو نہ پایا۔ یہ سنکر بڑے میاں نے کہا کہ بیٹا تم رنج نکرو کیونکہ میں تمکو ایک ایسا بادشاہ دکھلاؤنگا اگر وہ چاہے گا تو بچہ کی مفصل حالت بیان کر دیگا۔ کیونکہ بچہ کا ٹھکانہ اور اسکی روانگی کی کیفیت اُسے خوب معلوم ہے۔ یہ سنکر حلیمہ نے کہا کہ اے شیخ خوش لقا میری جان تجھپر قربان ایسے واقف کار بادشاہ کو جسکو میرے بچہ کی حال کی خبر ہو مجھے ضرور دکھلا پس وہ انکو عزیٰ کے پاس لیگیا۔ اور کہا کہ یہ غیب کی خبریں دیتی ہیں بہت غنیمت ہے جبکہ ہم اسکی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے بہت سے گمشدہ لوگوں کو اسکے سبب پالیا ہے۔ یہ کہکر اُس نے اُس بت کو سجدہ کیا اور سلسلہ کلام کو یوں شروع کیا۔ اے خداوند عرب اور اے بحر جود اور اے عزیٰ آپنے ہم لوگوں پر بہت سے انعامات کئے ہیں جنکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ دام ہائے بلا چھوٹ گئے ہیں۔ عرب پر آپکی تعظیم کا حق ہے اور وہ انپر فرض ہو گیا ہے یہاں تک کہ اسی حق کے ادا کیلئے عرب آپکے مطیع ہو گئے ہیں۔ یہ حلیمہ سعدیہ امیدوار ہو کر آپ کے بید عاطفت کے سایہ میں آئی ہے۔ کیونکہ اسکا ایک بچہ گم ہو گیا ہے۔ اور اسکا نام محمدؐ ہے جب اُس نے لفظ محمدؐ کہا تو اسکو سنتے ہی سارے بت اوندھے گر گئے اور سربسجود ہو گئے اور کہا کہ اے بڈھے تو چلا جا تو ہم سے اس محمدؐ کا کیا پتہ لگانا چاہتا ہے جو ہم کو معزول کر دیگا۔ اور ہماری حکومت کو عرب سے اٹھا دیگا۔ ہم انکے ہاتھوں سرنگوں ہیں اور انکے ذریعہ سے ہماری بے رونقی ہو جاویگی۔ اور ہم محض نکمے ہو جاوینگے۔ اور جو کرشمے کہ فترت وجاہلیت کے زمانہ میں لوگ کبھی کبھی ہم سے دیکھ لیتے تھے۔ انکے دور حکومت میں وہ سب فنا ہو جائیں گے واقعی بات ہے آب آمد تیمم برخاست۔ (یہ مولانا کا مقولہ بطور جملہ معترضہ کے ہے) ہاں اے بڈھے دور ہو اور آتش فتنہ کو نہ بھڑکا۔ اور محمدؐ کے رشک سے ہمیں مت جلا اور اے بڈھے میاں تو یہاں سے چلا جا۔ ایسا نہو کہ آتش تقدیر الٰہی تجھے بھونک ڈالے۔ کیونکہ تیرے اس فعل سے ظاہر ہے کہ تو ہمکو محمدؐ سے بڑھکر سمجھتا ہے۔ ارے ناداں اژدہے کی دم کیوں مروڑتا ہے اور فتنہ کیوں برپا کرتا ہے تجھے معلوم ہے کہ تو یہ کیا خبر لایا ہے۔ اس خبر غیب سے تو دریا اور کانونکا دل خون ہوتا ہے۔ اور اس خبر سے تو سات آسمان کانپتے ہیں۔

چوں شنید از سنگہا پیر ایں سخن	پس عصا انداخت آں پیر کہن

پس زلرزہ و خوف و بیم آن ندے / پیر دندانہا بہم برمی زدے
آنچنان کاندر زمستان مرد عور / او ہمی لرزید و می گفت اے ثبور
چون دران حالت بدید آن پیر را / زان عجب گم کرد زن تدبیر را
گفت پیر اگرچہ من در محنتم / حیرت اندر حیرت اندر حیرتم
ساعتے بادم خطیبے می کند / ساعتے سنگم ادیبے می کند
باد با حرفم سخنہا می دہد / سنگ کوہم فہم اشیا می دہد
گاہ طفلم را ربودہ غیبیان، / غیبیان سبز پوش آسمان
از کہ نالم با کہ گویم این گلہ / من شدم سودائے اکنون صد دلہ
غیرتش از شرح غیبم لب ببست / اینقدر گویم کہ طفلم گم شدہ است
گر بگویم چیز دیگر من کنون، / خلق بندندم بزنجیر جنون
گفت پیرش کاے حلیمہ شاد باش / سجدۂ شکر آر و رو را کم خراش
تو مخور غم کہ نگردد یاوہ او / بلکہ عالم یاوہ گردد اندرو
ہر زمان از رشک و غیرت پیش و پس / صد ہزاران پاسبانست و حرس
آن ندیدی کان بتان ذو فنون / چون شدند از نام طفلت سرنگون
این عجب قرنے است بر روئے زمین / پیر گشتم من ندیدم جنس این
زین رسالت سنگہا چون نالہ داشت / تا چہ خواہد بر گنہگاران گماشت
سنگ بے جرم است در معبودیش / تو نہ مضطر کہ بندہ بودیش
آنکہ مضطر اینچنین ترسان شدہ است / تا کہ بر مجرم چرا خواہند بست

جب پتھروں سے بڑھیا نے یہ بات سُنی تو اُسکے ہاتھ سے لاٹھی چھوٹ گئی اور اس آواز کی ہیبت و خوف اور خوف کے سبب لرزے سے اُسکی حالت یہ تھی کہ دانت بجتے تھے اور وہ یوں کانپتا تھا جیسے جاڑے میں کوئی ننگا کانپتا ہوا و۔ ہائے رے۔ بربادی ہائے رے تباہی پکار رہا تھا۔ جب حلیمہ نے بڑھیا کو اس حالت میں دیکھا تو اس حیرت انگیز واقعہ سے اُس کے ہوش اور بھی جاتے رہے۔ اور اسکی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے بالآخر اُس نے کہا کہ بڑے میاں گو میں سخت تکلیف میں ہوں لیکن ان بہم عجیب واقعات سے میں نہایت ہی متحیر ہوں کبھی تو ہوا مجھسے ہمکلام ہوتی ہے۔ اور کبھی پتھر مجھے تادیب کرتے ہیں اور کبھی ہوا صاف الفاظ میں مجھسے باتیں کرتی ہے۔ کبھی پہاڑ کے پتھر مجھے مضامین سمجھاتے ہیں۔ کبھی آسمانی سبز پوش فرشتے میرے بچہ کو اُٹھا لیجاتے ہیں اب میں کس کے آگے روؤں اور کس سے شکایت کروں۔ میں تو ان حیرت انگیز واقعات سے دیوانہ ہوگئی ہوں غیرت خداوندی نے اُن امور غیبیہ کے بیان سے میرے ہونٹ سی دیے ہیں جنکو میں نے دیکھا ہے اسلئے میں کچھ نہیں کہتی۔ اور صرف اتنا کہتی ہوں کہ میرا بچہ گم ہوگیا۔ اور اگر میں کچھ اور کہتی ہوں تو لوگ مجھپر دیوانگی کا الزام لگا کر ابھی زنجیروں میں باندھ دیں گے اس لئے خاموشی ہی بہتر ہے۔ یہ سُنکر بڑے میاں نے کہا کہ اے حلیمہ خوش ہو اور سجدۂ شکر بجالا اور منہ کو مت نوچ اور غم نہ اُٹھا۔ کیونکہ وہ گم نہ ہوگا۔ بلکہ ایک عالم اسمیں گم ہو جائیگا یعنی وہ سب پر غالب ہوگا۔ رشک و غیرت خداوندی کے سبب ہر وقت اُسکے آگے پیچھے سینکڑوں نگہبان اور محافظ ہیں۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ یہ بُت تیرے بچہ کا نام سنتے ہی سرنگوں ہو گئے۔ مگر جبکہ حق سبحانہ کے نزدیک وہ اتنے معزز ہیں تو ان پر کوئی شخص دسترس اور قابو کیونکر پا سکتا ہے۔ روئے زمین پر یہ عجیب زمانہ اور وقت ہے کہ میں بڈھا ہو گیا مگر ایسا زمانہ کبھی نہیں دیکھا۔ اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمکو معلوم ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سنتے ہی بُت چلا اٹھے۔ تو جبکہ اس خبر سے پتھروں کی یہ حالت ہوئی کہ وہ چلا اٹھے تو تم سمجھ سکتے ہو کہ گنہگاروں کو اُنکی جرموں کی کیا کچھ سزا ملیگی۔ پتھر تو اپنی معبودیت میں پھر بھی بے قصور ہیں۔ مگر بندہ تو ان کی

پرستش میں مضطر اور مجبور نہیں۔ تو جبکہ مضطر اور مجبور کو اسقدر خوف ہو۔ تو سمجھ لینا چاہئے کہ باختیار آپ کی مخالفت کرنے والوں پر کیا عقوبت واقع کیجاویگی۔

قد تم الربع الاول من الدفتر الرابع من المثنوی وللہ الحمد

شرح شبیری

حضرت حلیمہ سعدیہؓ کا بتوں سے مدد چاہنے کا قصہ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد دودھ چھڑانیکے گم کیا تھا اور بتوں کا کانپنا اور سجدہ میں حضور کا نام سنکر گر پڑنا،

قصۂ راز حلیمہ گویمت ‏ ‏ ‏ تا زداید داستاں او غمت

یعنی میں راز حلیمہ کے قصہ کو تم سے بیان کرتا ہوں تاکہ اُن کا داستان تمہارے غم کو صاف کردے یعنی ذکر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارا غم دور ہو۔ لہذا میں حضرت حلیمہ کا قصہ بیان کرتا ہوں اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے قصہ سے مسلمان کا غم دور ہونا ظاہر ہے

مصطفے را چوں ز شیر او باز کرد ‏ ‏ ‏ بر کفش برداشت چوں ریحاں وورد

یعنی مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کو جب انھوں نے دودھ سے الگ کیا۔ تو انکو ریحان و ورد کی طرح گود میں اٹھایا (بوجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لطافت و نزاکت کے ریحان وورد سے آپکو تشبیہ دی)

می گریزانیدش از ہر نیک و بد ‏ ‏ ‏ تا سپارد آں شہنشہ را بجد

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نیک و بد سے بچاتی تھیں۔ تاکہ اُس شہنشاہ کو اُنکے دادا صاحب کو سپرد کریں (چونکہ حضرت حلیمہ طائف میں رہتی تھیں اسلئے بعد دودھ چھڑانے

کے حضرت کو مکہ میں حضرت عبد المطلب کو سپرد کرنے لائی تھیں)۔

چوں ہمی آورد امانت را زبیم شد بکعبہ و آمد او اندر حطیم

یعنی جب وہ امانت کو خوف کی وجہ سے لا رہی تھیں تو کعبہ میں گئیں اور حطیم کے اندر آئیں مطلب یہ کہ چونکہ وہ شق صدر کے قصہ کی وجہ سے ڈر گئی تھیں تو اس ڈر کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کہ انکے پاس امانت تھے لا رہی تھیں اور اہل عرب کا قاعدہ تھا کہ جب مکہ آتے تو اول زیارت کعبہ شریف سے مشرف ہوتے۔ تو جب وہ آپکو لیکر آئیں تو وہ بھی اول کعبہ کی زیارت کو تشریف لائیں۔ اور حطیم میں تشریف لیگئیں۔

از ہوا بشنید بانگے کاے حطیم تافت بر تو آفتابے بس عظیم

یعنی ہوا میں سے ایک آواز سنی کہ اے حطیم تیرے اوپر ایک بہت عظیم الشان آفتاب چمکا ہے۔ (اور یہ سنا کہ)

اے حطیم امروز آید بر تو زود صد ہزاراں نور از خورشید جود

یعنی اے حطیم آج تیرے اوپر جلد لاکھوں نور خورشید کرم سے آویں گے۔

اے حطیم امروز آرد در تو رخت محتشم شاہے کہ پیک اوست بخت

یعنی اے حطیم آج تیرے اندر ایک ایسے باحشمت بادشاہ جنکا قاصد نصیبہ ہے تیرے اندر اسباب لائے ہیں۔

اے حطیم امروز بے شک از نوی منزل جانہائے بالامی شوی

یعنی اے حطیم آج بے شک تازگی کی وجہ سے تو ارواح قدسیہ کی منزل ہو رہا ہے۔

جان پاکاں طلب در طلب جوق جوق آیدت از ہر نواحی مست شوق

یعنی ارواح قدسیہ گروہ گروہ اور جوق جوق تیرے پاس ہر طرف سے مست شوق ہو کر آ رہی ہیں،

گشتہ حیراں آں حلیمہ زاں صدا نے کسے در پیش و نے سوئے قفا

یعنی وہ حلیمہ اس آواز سے حیران ہوئیں کہ نہ تو کوئی شخص آگے ہے اور نہ پیچھے ہے۔

شش جہت خالی ز صورت ویں ندا شد پیاپے آں ندا را جان فدا

یعنی شش جہت صورت سے تو خالی ہیں اور یہ آواز پے درپے آ رہی ہے (مولانا فرماتے ہیں کہ) اس آواز

کے اوپر جان فدا ہے یعنی حضرت حلیمہ کو یہ تعجب تھا کہ کوئی صورت آدمی وغیرہ کی تو ہے نہیں اور یہ آواز آرہی ہے۔ تو کہاں سے اور کسکی ہے۔

مصطفیٰ را بر زمیں بنہاد او ۔۔۔ تاکند آں بانگ خوش را جستجو

یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو تو انھوں نے زمین پر رکھدیا تاکہ اُس آواز خوش کو تلاش کریں،

چشم می انداخت آں دم سو بسو ۔۔۔ کہ کجا ایست آں شہ اسرار گو

یعنی وہ آنکھ کو ہر طرف ڈالتی تھیں کہ وہ بادشاہ اسرار کا کہنے والا کہاں ہے۔ (اور فرمارہی تھیں کہ)،

اینچنیں بانگ بلند از چپ و راست ۔۔۔ میرسد یارب رسانندہ کجاست

یعنی ایسی بلند آواز داستے اور بائیں سے پہونچ رہی ہے اے اللہ پہونچانے والا کہاں ہے،

چوں ندید او خیرۂ و نومید شد ۔۔۔ جسم لرزاں ہمچو شاخ بید شد

یعنی جب انھوں نے (کسی کو) نہ دیکھا تو وہ حیران اور نا امید ہوگئیں (اور خوف کی وجہ سے) جسم شاخ بید کی طرح لرزنے لگا۔

باز آمد سوئے آں طفل رشید ۔۔۔ مصطفیٰ را بر مکاں خود ندید

یعنی پھر اُس طفل رشید کی طرف واپس آئیں تو مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی جگہ پر نہ دیکھا،

حیرت اندر حیرت آمد بر دلش ۔۔۔ گشت پس تاریک از غم منزلش

یعنی اُن کے دل پر حیرت در حیرت آئی اور غم کی وجہ سے اُنکی جگہ بالکل تاریک ہوگئی۔

سوئے منزلہا دوید و بانگ داشت ۔۔۔ کہ کہ بر دُر دانہ ام غارت گماشت

یعنی گھروں کی طرف دوڑیں اور آوازیں دیں کہ کس نے میرے موتی پر لوٹ مقرر کی یعنی میرے لال کو کسنے لیلیا

مکیاں گفتند مارا علم نیست ۔۔۔ ماندانستیم کاینجا کودکیست

یعنی مکہ والوں نے کہا کہ ہمیں تو خبر نہیں ہم تو یہ (بھی) نہیں جانتے کہ اس جگہ کوئی بچہ ہے۔

ریخت چنداں اشک و کرد از پس فغاں ۔۔۔ کہ از و گریاں شدند آں دیگراں،

یعنی اتنے آنسو گرائے اور اسقدر فریاد کی کہ اُن کی وجہ سے وہ دوسرے لوگ رونے لگے،

سینہ کوباں آنچناں بگریست خوش ۔۔۔ کاختراں گریاں شدند از گریہ اش

یعنی وہ سینہ کوٹ کر اسقدر روئیں کہ ستارے اُنکے رونے کی وجہ سے رونے لگے۔ (مبالغہ ہے بیان گریہ میں)

حکایت اُس بڈھے کی کہ جس نے حضرت حلیمہؓ کو بتوں سے مدد چاہنے کیلئے ہدایت کی

پیر مردے پیشش آمد با عصا　　　کاے حلیمہ چہ فتاد آخر ترا

یعنی ایک بڈھا مع لاٹھی کے اُنکے آگے آیا (اور بولا) کہ اے حلیمہ تیرے اوپر کیا افتاد پڑی،
(یہ بڈھا کسی بتخانہ کا مجاور تھا)۔

کہ چنیں آتش ز دل فروختی،　　　ویں جگرہا راز ماتم سوختی

یعنی کہ تو ایسی آگ دل سے بھڑکا رہی ہے۔ اور ان (لوگوں کے) جگروں کو ماتم کی وجہ سے جلا رکھا ہے

گفت احمدؐ را رضیعم معتمد،　　　می بیاوردم کہ بسپارم بجد

یعنی کہ حضرت حلیمہ نے فرمایا کہ (یہ سب) احمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کیلئے (ہے جو کہ) میرے رضیع معتمد تھے میں انکو لائی تھی تاکہ (اُن کے) دادا کو سپرد کردوں۔ (رضیعم معتمد بدل ہے احمدؐ سے یعنی وہ احمدؐ جو کہ میرے رضیع معتمد تھے۔ اُن کیلئے رو رہی ہوں)۔

چوں رسیدم در حطیم آوازہا　　　می رسید و می شنیدم از ہوا

یعنی جب میں حطیم میں پہونچی تو بہت سی آوازیں مجھے ہوا میں سے پہونچ رہی تھیں اور میں سن رہی تھی،

من چو آں الحاں شنیدم از ہوا　　　طفل را بنہادم آنجا زاں صدا

یعنی میں نے جب وہ آواز ہوا میں سے سنی تو بچہ کو میں نے اُسی جگہ اُس آواز کی وجہ سے رکھدیا

تا ببینم ایں ندا آواز کیست　　　کہ ندائے بس لطیف و بس شہی است

یعنی تاکہ میں دیکھلوں کہ یہ آواز کسکی ہے، کہ ایک بہت ہی لطیف اور مرغوب آواز ہے،

نے ز کسے دیدم بگرد خود نشاں　　　نے ندامی منقطع شد یکزماں

یعنی میں نے نہ تو اپنے گرد کسی کا نشاں دیکھا (اور جو دیہو کہ کا شبہ ہوتا تو یہ بھی نہ تھا اسلئے کہ) نہ وہ آواز ایک گھڑی کیلئے منقطع ہوئی تھی۔

چونکہ واگشتم ز حیرتہائے دل　　　طفل را آنجا ندیدم وائے دل

یعنی جب میں دل کی حیرتوں کی وجہ سے واپس ہوئی تو میں نے اسجگہ طفل کو نہ دیکھا، افسوس ہے

گفتمش اے فرزند تو اندہ مدار　　　کہ نمایم من ترا ایک شہریار،

یعنی اُس بڈھے نے اُن سے کہا کہ بیٹا تو غم مت کر کیونکہ میں تجھے ایک شہریار دکھاتا ہوں۔

کہ بگوید گر بخواہد حالِ طفل او بداند منزل و ترحالِ طفل

یعنی کہ وہ اگر چاہے گا تو بچہ کا حال بتلا دیگا۔ وہ بچہ کی جگہ اور اُسکے چلنے جانیکو جانتا ہے (چونکہ بڈھے کو معلوم تھا کہ وہ بت کبھی بھی نہیں بتلا سکتا۔ اسلئے خبیث کہتا ہے کہ اگر چاہیگا تو بتلا دیگا کہ اگر نہ بتلاوے تو معلوم ہو کہ اسوقت مرضی نہیں)۔

پس حلیمہ گفت ای جانم فدا مر ترا اے شیخ خوب و خوش ندا

یعنی پس حلیمہؓ نے فرمایا کہ اے اچھے بڈھے خوش آواز تجھپر میری جان فدا ہو،

ہیں مرا بنمائے آں شاہِ نظر کش بود از حالِ طفلِ من خبر

یعنی ہاں مجھے اُس شاہ نظر کو دکھلاو جسکو کہ میرے بچہ کے حال کی خبر ہو۔ (چونکہ حضرت حلیمہ اُس وقت تو مسلمان نہ تھیں بلکہ عرب ہی کے عقائد کے مطابق تھیں اسلئے اُنھوں نے اگر بت کے پاس جانے کیلئے آمادگی ظاہر کی تو کیا تعجب ہے۔ اسجگہ بعض محشیوں کا یہ اعتراض کرنا کہ بھلا حضرت حلیمہ بتوں کے پاس کیوں گئیں جبکہ وہ حضور کی مرضعہ تھیں اور پھر اس اعتراض کا جواب دینا محض تکلف ہی ہے سیدھی بات یہی ہے کہ اسوقت تک بوجہ مسلمان نہونیکے اُن کے وہی عقائد تھے ہاں بعد میں وہ ایمان لائی ہیں اُن پر اُس حالت میں اعتراض کرنا فضول ہو۔ خیر غرضیکہ انھوں نے اُس بڈھے سے کہا کہ ہاں مجھے اُس بت کے پاس لے چل)۔

برد او را پیشِ عزیٰ کایں صنم ہست در اخبارِ غیبی مغتنم

یعنی وہ بڈھا انکو عزیٰ کے سامنے لیگیا (اور بولا) کہ یہ بُت غیب کی خبروں میں غنیمت ہی مطلب یہ کہ وہ عزیٰ کے آگے لیگیا اور بولا کہ بس یہ بُت ہے جو کہ غیب کی خبریں دیا کرتا ہے اور اس بارہ میں یہ غنیمت ہے۔ یہاں ایک یہ شبہ ہوتا ہے کہ عزیٰ اول تو مکہ میں نہ تھا بلکہ قبیلہ غطفان میں تھا پھر وہ اصلی بت پتھر کا نہ تھا بلکہ ایک درخت تھا جسکو بعد میں حضرت خالد بن ولید نے جڑ سے اکھڑوا دیا تھا۔ اور جب وہ اکھڑ چکا تھا تو اسکے اندر سے ایک عورت سرخ کپڑے پہنے ہوئے پریشان نکلکر بھاگی تھی۔ اُسکو حضرت خالد بن ولید نے تلوار سے مار دیا تھا اور وہ کوئی جن وغیرہ تھا جو کہ بولا کرتا تھا۔ تو پھر مکہ میں جب وہ تھا نہیں تو وہ

بڈھا حضرت حلیمہ کو اُسکے پاس کسطرح لیگیا۔ جواب یہ ہے کہ ممکن ہو کہ مکہ میں اُسکا کوئی نائب پتھر کا بنالیا ہوا اور اُسکا نام بھی عزیٰ رکھ لیا ہو۔ اور بوجہ مشابہت اسمی کے اُس درخت والے جن کا اثر اسمیں بھی ہو۔ غرضکہ یہ اکثر باتیں بتلا دیا کرتا تھا۔ تو بڈھا انکو اس کے پاس لایا اور بولا کہ۔

ما ہزاراں گم شدہ زو یافتیم ۔۔۔ چوں بخدمت سوئے او بشتافتیم

یعنی ہم نے ہزاروں گم شدہ اسکی وجہ سے پائے ہیں جبکہ خدمت میں اُسکی طرف دوڑے ہیں۔

پیر کرد او را سجود و گفت زود ۔۔۔ اے خداوند عرب اے بحر جود

یعنی بڈھے نے اُسکو سجدہ کیا اور جلدی سے کہا کہ اے عرب کے آقا اور دریا کرم کے،

گفت اے عزیٰ تو بس اکرام ہا ۔۔۔ کردہ تا رستہ ایم از دام ہا،

یعنی اُس بڈھے نے کہا کہ اے عزیٰ تو نے بہت سے اکرام کئے ہیں یہانتک کہ ہم جال سے چھوٹ گئے ہیں،

بر عرب حق است از اکرام تو، ۔۔۔ فرض گشتہ تا عرب شد رام تو

یعنی عرب کے اوپر بوجہ تیرے اکرام کے تیرا حق ہے (اور وہ حق) فرض ہو گیا ہے۔ یہانتک عرب تیرا مطیع ہو گیا ہے۔

ایں حلیمہ سعدی از امید تو ۔۔۔ آمد اندر ظل شاخ بید تو،

یعنی یہ حلیمہ سعدی تیری امید پر تیری شاخ بید کے سایہ میں آئی ہے (مولانا کا ظل شاخ بید فرمانا لطف سے خالی نہیں)

کہ از و فرزند طفلے گم شدہ است ۔۔۔ نام آں کودک محمدؐ آمدہ است

یعنی کہ اس کا ایک بچہ گم ہو گیا ہے۔ اور اُس بچہ کا نام محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہے،

چوں محمدؐ گفت آں حملہ بتاں ۔۔۔ سرنگوں گشتند ساجد آں زماں

یعنی جب اُس بڈھے نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کہا تو وہ سارے بت اُسیوقت سجدہ میں اوندھے ہو گئے۔ (اور بولے کہ)

کہ بروائے پیر ایں چہ جستجو است ۔۔۔ آں محمدؐ را کہ عزل ما از و است

یعنی کہ ارے بڈھے جا یہ کیا اُس محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی تلاش ہو جن سے کہ ہماری معزولی ہو گی،

ماکساد و بے عیارانیم ازو ما نگون و سنگسارانیم ازو
یعنی ہم انکی وجہ سے اوندہے اور سنگسار ہیں اور ہم اُن کی وجہ سے کھوٹے اور بے عیار ہیں
وقت فترت گاہ گاہ اہل ہوا آں خیالاتے کہ دیدندے زما
یعنی وہ خیالات جو کہ اہل ہوا ہم سے زمانہ فترت میں کبھی کبھی دیکھ لیا کرتے تھے۔ (فترت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیانکا زمانہ)
آب آمد مر تیمم را درید گم شود چوں بارگاہ او رسید
یعنی گم ہو جاویں گے جبکہ اُنکی بارگاہ پہونچے۔ کہ آب آمد تیمم برخاست۔ (اور بوئے کہ)
ہیں ز رشک احمدی مارا مسوز دور شو اے پیر فتنہ کم فروز
یعنی کہا رے بڈہے دور ہو فتنہ کم زدشن کر ہمکو رشک احمری سے مت جلا (یعنی بعد میں تو ہم تباہ ہو دیں ہی گے مگر ابھی سے نام مبارک لے لیکر ہمکو کیوں تباہ کئے دیتا ہے۔
تا نہ سوزی ز آتش تقدیر تو دور شو بہر خدا اے پیر تو
یعنی کہ ارے بڈہے خدا کے واسطے دور ہو جا کہیں آتش تقدیر سے تو جل نہ جاوے۔
ہیچ دانی چہ خبر آوردن است ایں چہ دم اژدہا افشردن است
یعنی یہ کیا اژدہا کی دُم ہلانا ہے۔ اور تو کچھ جانتا ہے کہ یہ کیا خبر لانا ہے یعنی ارے تجھے خبر بھی ہے کہ تو کیسی بات کہہ رہا ہے جو ہم سب کی ہلاکت ہے بس تو اب یہاں سے چلدے ورنہ تو بھی تباہ ہو جاویگا۔
زیں خبر لرزاں شود ہفت آسماں زیں خبر خوں شد دل دریا و کاں
یعنی اس خبر کیوجہ سے دریا اور معادن کا دل خون ہو گیا اور اس خبر سے ساتوں آسمان کانپ اٹھے ہیں۔
پس عصا انداخت آں پیر کہن چوں شنید از سنگہا پیر ایں سخن
یعنی جب بڈہے نے پتھروں میں سے یہ بات سُنی تو اُس پُرانے بڈہے نے لکڑی کو پھینکدیا
پیر دندانہا بہم برمی زدے پس ز لرزہ و خوف و بیم آں تلے
یعنی پھر لرزہ اور خوف اور اُس آواز کے ڈر کی وجہ سے بڈہے کے دانت بجنے لگے۔

آنچناں کاندر زمستاں مرد عور   او ہمی لرزید و میگفت اے ثبور

یعنی جسطرح کہ جاڑے میں ننگا آدمی (کانپتا ہے اسی طرح) وہ بڈھا کانپ رہا تھا اور کہہ رہا تھا اے ہلاکت۔

چوں دراں حالت بدید آں پیر را   زاں عجب گم کرد زن تدبیر را

یعنی جب اس بڈھے کو اس حالت میں دیکھا تو اس تعجب کی وجہ سے وہ عورت (یعنی حلیمہؓ) تدبیر بھول گئیں یعنی اس بڈھے کی اسحالت کو دیکھکر وہ ساری باتیں بھول بھال گئیں۔

گفت پیر اگرچہ من در محنتم   حیرت اندر حیرت اندر حیرتم

یعنی حضرت حلیمہؓ نے فرمایا کہ ارے بڈھے اگرچہ میں غم میں ہوں (لیکن) حیرت در حیرت در حیرت میں ہوں یعنی انھوں نے فرمایا کہ ارے بڈھے اگرچہ ان کے گم ہوجانیکا مجھے غم ہے لیکن اسکے ساتھ ہی میں نے جو باتیں اس سے پہلے بھی دیکھی ہیں اُن سے مجھے حیرت در حیرت ہے اور وہ بعض باتیں یہ ہیں کہ۔

ساعتے باد م خطیبے می کند   ساعتے سنگم ادیبے می کند

یعنی کبھی تو ہوا مجھے نصیحت کرتی ہے اور کبھی پتھر مجھکو ادب دیتا ہے (اور یہ بزبان حال نہیں بلکہ)

باد با حرفم سخنہا می دہد   سنگ و کوہم فہم اشیا رمی دہد

یعنی ہوا مع حروف کے مجھسے باتیں کرتی ہے۔ اور پتھر اور پہاڑ مجھے چیزوں کا فہم دیتے ہیں یعنی مجھے بتلاتے ہیں اور سمجھاتے ہیں۔

گاہ طفلم را ربودہ غیبیاں   غیبیاں سبز پوش آسماں

یعنی کبھی میرے بچہ کو غیبی لوگ لے بھاگتے ہیں اور غیبی (بھی) سبز پوش آسمان کے یعنی آسمان سے سبز پوش لوگ آتے ہیں اور میرے بچہ کو اڑا لیجاتے ہیں اس سے مراد فرشتے ہیں کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ رضاعت میں حضرت حلیمہ سعدیہؓ کو فرشتے دکھلائی دیا کرتے تھے۔ اور فرماتی ہیں کہ۔

از کہ نالم باکہ گویم ایں گلہ　　　من شدم سودائی اکنوں صد دلہ

یعنی میں کس سے روؤں اور کس سے اس شکایت کو بیان کروں۔ میں تو سودائی اور سو دل والی ہوگئی یعنی پریشان ہوگئی ہوں۔ اور خیالات مختلف آتے ہیں دل ایک ٹھکانے پر رہتا نہیں۔ آگے فرماتی ہیں۔

غیرتش از شرح غیبم لب بہ بست　　　اینقدر گویم کہ طفلم گم شدہ است

یعنی اُسکی غیرت نے غیب کی شرح سے میرے لب کو بند کرلیا۔ (بس) اتنا کہتی ہوں کہ میرا بچہ کھو گیا ہے بمطلب یہ کہ مجھے غیرت آتی ہے۔ کہ کہیں میرے بچہ کو نظر نہ لگ جاوے لہذا میں اب اُن کے حالات مزید بیان نہیں کرتی۔ اتنا ہی کہتی ہوں کہ میرا بچہ کھو گیا ہے اور کچھ نہیں کہتی۔

گر بگویم چیز دیگر من کنوں　　　خلق بندندم بہ زنجیر جنوں

یعنی اگر میں ایک اور بات کہدوں تو ابھی لوگ مجھے زنجیر جنوں میں باندھ لیں مطلب یہ کہ انھوں نے فرمایا کہ اگر میں ایک اور بات ظاہر کردوں جسکا مجھے احتمال بالیقین ہے تو لوگ ابھی مجھے مجنوں کہنے لگیں گے اسلئے اُسکو میں ظاہر ہی نہیں کرتی اور وہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا احتمال بالیقین تھا یعنی انھوں نے کہا کہ اگر میں اس امر کو ظاہر کردوں کہ مجھے شبہ بالیقین ہے کہ یہ نبی ہیں تو لوگ مجھے مجنون کہیں۔ لہذا اب کچھ نہیں کہتی۔ اسقدر کہتی ہوں کہ میرا بچہ کھو یا گیا ہے۔

گفت پیرش کای حلیمہ شاد باش　　　سجدۂ شکر آر و روا کم خراش،

یعنی بڈھے نے اُن سے کہا کہ اے حلیمہ خوش رہ سجدۂ شکر بجالا اور منہ کم نوچ (یعنی غم مت کر)

تو مخور غم کہ نہ گم گردد یا وہ او　　　بلکہ عالم یا وہ گردد اندرو

یعنی تو غم مت کہ کیونکہ وہ گم نہوں گے بلکہ تمام عالم اُن کے اندر گم ہوگا یعنی اُنکا تابع ہوگا

ہر زماں از رشک و غیرت پیش و پس　　　صد ہزاراں پاسبانست و حرس

یعنی ہر گھڑی از رشک و غیرت (حق) کی وجہ سے (اُنکے) آگے پیچھے لاکھوں پاسبان اور نگہبان ہیں

آں ندیدی کان بتان ذو فنوں　　　چوں شدند از نام طفلت سرنگوں

یعنی تو نے یہ نہیں دیکھا کہ یہ بتان ذوفنون تیسیر بچہ کے نام سے کیسے اوندھے ہو گئے (تو اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ بہت بڑے رتبہ کے ہیں انکو کوئی گزند نہیں پہونچ سکتا ہے تم اطمینان سے پر ہو غم ست کرو۔ شاید ہا عقلمند آگے کہتا ہے کہ)۔

این عجب قرنے است بر روئے زمین   پیر گشتم من ندیدم جنس این

یعنی یہ ایک عجب زمانہ ہے روئے زمین پر میں تو بڈھا ہو گیا میں نے اس قسم کا زمانہ دیکھا نہیں۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

زین رسالت سنگہا چون نالہ داشت   تا چہ خواہد بر گنہگاران گماشت

یعنی اس رسالت سے جب پتھروں نے نالہ رکھا تو گناہگاروں (یعنی بت پرستوں) پر کیا کچھ مقرر ہوگا۔

سنگ بے جرم است در معبودیش   تو نہٗ مضطر کہ بندہ بودیش

یعنی پتھر تو اپنی معبودی میں بے جرم ہے (مگر) تو تو مضطر نہیں ہے کہ تو اُسکا بندہ ہو رہا ہے۔

آنکہ مضطر این چنین ترسان شدہ است   تا کہ بر مجرم چہا خواہند بست

یعنی وہ کہ مضطر ایسے (اُس سے) ڈرتے ہیں مجرم پر وہ کس طرح باندہیں گے مطلب یہ کہ اس رسالت اور نبوت کا پتھروں پر جب یہ اثر ہوا کہ وہ اوندھے ہو گئے اور گر پڑے حالانکہ معبود ہونے میں انکی کچھ بھی خطا نہیں وہ بالکل بے جرم و خطا ہیں کیونکہ وہ تو اسمیں مضطر ہیں لیکن یہ بت پرست تو مضطر نہیں اور یہ تو مجرم ہیں تو جب اُن بتوں پر ایسا اثر پڑا تو یہ جو بت پرست ہیں انکی تو کیا کچھ گت بنے گی نعوذ باللہ منہ آگے اسکی خبر عبدالمطلب کو ہونیکا قصہ بیان فرماتے ہیں

قد تم الربع الاول من الدفتر الرابع

من المثنوی و للہ الحمد